دیوان وسط الحیوٰۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

روشن از پرتو رویت نظرے نیست کہ نیست — منت خاک درت بر بصرے نیست کہ نیست

ناظرِ روئے تو صاحب نظرانند وے — سرِ گیسوے تو در ہیچ سرے نیست کہ نیست

صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین

اس مقدمہ میں دیوان ہذا کی ہر صنف سخن پر بحث ہے اور اس کے مالہٗ و ما علیہ پر غور و خوض کے بعد وہ پیرایہ اختیار کیا گیا ہے کہ عام طور پر پسند آسکے۔ اغلاق و اطناب کو قطعاً ترک کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور تفصیل سے زیادہ اجمال میں لطف پیدا کرنے کے لئے کہیں کہیں صرف استشہاد اشعار پر کفایت کی گئی ہے۔

مقدمہ کے دو باب ہیں۔ پہلے میں دیباچہ وسط الحیوٰۃ، دیوان تحفۃ الصغر اور غرۃ الکمال کی مدد سے وسط کی خصوصیات کا ذکر ہے اور دوسرے باب میں دیوان

کی ہر صنف شعر پر مفصل بحث ہے اور یہی باب احقر کی سعی بے حاصل و جانفشانی کی جولانگاہ ہے۔ ع

تا یار کرا خواہد و میلش بکدام ست

پہلا باب

(وسط کی خصوصیات - وجہ ترتیب - اصناف شعر)

وسط الحیوٰۃ امیر خسرو کا دوسرا دیوان ہے اس میں بیس سال سے چونتیس سال کی عمر تک کا کلام ہے۔ وسط کی وہ خصوصیات جو اُس کو تحفۃ الصغر (پہلا دیوان) اور غرۃ الکمال (تیسرا دیوان) سے ممتاز کرتی ہیں حسب ذیل ہیں :

۱۔ وسط الحیوٰۃ کی خصوصیت زمانی (اس حیثیت سے یہ دیوان امیر کے کلام کا زبدہ ہے)

۲۔ وسط کی خصوصیت تاریخی (باعتبار تضمین تاریخی واقعات کے یہ کلام تاریخ میں ایک محققانہ اور مستند باب کا اضافہ ہے)

۳۔ " " " " تضمین علوم و فنون

۴۔ " " " " سلاست و روانی اور عذوبت و پختگی

۵۔ " " " " رقتِ (جذبات کی بے کم و کاست تصویر)

۶۔ " " " " صنائع و ایجاد صنائع۔

ان خصوصیات کے علاوہ بعض اور خصوصیات بھی ہیں جن کا ذکر اگلے باب میں ہے

لیکن وہ درحقیقت انھیں خصوصیات پر متفرع ہیں اس لئے ان کے لئے جداگانہ بحث کی حاجت نہیں ۔

خصوصیت زمانی | یہ بدیہی ہے کہ عنفوان شباب (جس کی ابتدا عمر کے بیسویں سال سے اور انتہا ۳۲ - ۳۳ ویں سال تک ہے) عمر کا بہترین جز ہوتا ہے اور اس زمانے میں جذبات کا عروج اور ان کے جوش کا ظہور اس پختگی کے ساتھ ہوتا ہے کہ اس کی نظیر اس سے پہلے اور پچھلے دونو زمانوں میں ملنا دشوار ہے۔ دیکھو بچپن میں آمد، اُپچ، اُمنگ اور بات میں بات پیدا کرنا اک عام بات ہوتی ہے لیکن متانت اور پختگی اور وہ خاص کیفیت جس کو سلاست سے تعبیر کیا جا سکے ابھی نہیں ہوتی ۔ اسی طرح بڑھاپے میں تجربہ اور پختگی تو زیادہ ہوتی ہے لیکن قوت فکریہ کا وفور اور مخیلہ کا جوش باقی نہیں رہتا۔ صرف شباب بلکہ اول شباب ہی ایک ایسا زمانہ ہے جس کے کارنامے اور تصنیفات بچپن اور بڑھاپے کے کارناموں سے ہر حیثیت سے قابل قدر و قیمت خیال کئے جاتے ہیں ؎

در جوانی سخن جواں باشد　　　سخنِ پیر ناتواں باشد

دیوان وسط الحیوٰۃ اس حیثیت سے تحفہ اور غرہ دونو سے بہتر کہا جا سکتا ہے چنانچہ خود امیر خسرو نے وسط الحیوٰۃ کے دیباچہ میں مرقومۂ ذیل آیات و احادیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ ان کا یہ دیوان بحیثیت زمانی ہر دیوان سے بہتر ہے۔ وہ نصوص و آثار یہ ہیں :۔

نصِ اوّل۔ حافظوا علی الصلوات — خبردار ہو نمازوں سے اور بیچ والی
والصّلوٰۃ الوسطیٰ — نماز سے۔

۲۔ وکذالک جعلنا کم اُمۃ وسطا — اور اسی طرح ہم نے تمھیں درمیانی (بہتر) امت بنایا

۳۔ من اوسط ما تطعمون اھلیکم — (جو تم کھاتے ہو اس سے اوسط (بہتر) درجہ کا)

۴۔ خیر الامور اوسطہا — (کاموں میں بہترین کام ان کا اوسط ہے)

نمازِ وسطیٰ کی حفاظت اُمتِ محمدیہ کی فضیلت، کفارۂ یمین میں اوسط درجہ کا کھانا کھلانے کے حکم اور جملہ امور میں بہترین امر، اوسط درجہ کا فرمانے سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر چیز کا اوسط افضل ہے، اس قاعدہ سے وسطِ حیات کی شاعری بھی بقیہ عمر کی شاعری سے افضل ہوگی ؎

گر بخواہی کہ راست آید کار — راست پرسی ز من میانہ نکوست
تو ہم از نقش کار صورت کن — کالفِ راست در میانۂ اوست

خصوصیت تاریخی
وسط الحیوٰۃ کی نہایت نمایاں خصوصیت اس کی تاریخی حیثیت ہے یہ حیثیت قصائد، ترجیعات، قطعات اور مثنویات میں خاص طور پر قابلِ لحاظ ہے جن میں مغلوں کی یورشوں، شکستوں، شہزادہ (خان شہید) محمد ولیعہد سلطنت کی شہادت کیقباد اور سلطان محمود (والی لکھنوتی) کی ملاقات اور طغرل والیِ لکھنوتی (بنگال)، کی ہزیمت و بربادی وغیرہ کا مفصل ذکر ہے۔ اگر کوئی سلطان

غیاث الدین بلبن سے لے کر کیقباد تک کی سوانح تاریخی جمع کرنا چاہے تو اس کو وسط الحیوٰۃ کے کلام سے کافی مدد مل سکتی ہے جو روایۃً و درایۃً ہر طرح قابل قبول ہے۔

اگرچہ شاعر کا یہ فرض نہیں ہوتا کہ وہ اظہار جذبات میں اصول روایت و درایت کا بالقصد لحاظ رکھے، لیکن ایک سچے شاعر کا کمال شاعری بھی یہی ہے کہ اس کے الفاظ اگر ایک طرف جذبات باطنی کی ترجمانی کرتے ہوں تو دوسری طرف واقعات تاریخی کی تصویر ہوں۔ اس لئے کہ جذبات صادقہ حقیقت میں اُن حوادث و وقائع کے نتائج ہیں جو ہر قابل مدح یا ذم یا اندوہناک واقعہ یا وصف سے مشتعل ہو جاتے ہیں اور آخر کار شاعر کی صنعت گری سے شعر بن جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے ایک شاعر کا کلام جب کہ اس کا مبنیٰ اور منشا واقعات خارجیہ ہوں، تاریخ اور انشا پردازی کا جامع ہو جاتا ہے اور آنے والوں کے لئے واقعات کی صحت پر ایک مضبوط شہادت کا کام دیتا ہے۔

امیر خسرو کی شاعری میں یہ وصف نمایاں ہے۔ چنانچہ صاحب منتخب التواریخ (ملا عبدالقادر بدایونی) نے خان شہید (سلطان محمد) کے واقعۂ شہادت کا ذکر کرتے ہوئے امیر خسروؒ کی ترجیعات رثی (موجودۂ وسط) کو بطور سند واقعہ نقل فرمایا ہے اور لکھا ہے کہ:

"این مرثیہا تا یک ماہ و بیش آں مردم می خواندند و بر کشتگانِ خویش خانہ بخانہ نوحہ می کردند"

چوں کہ اس واقعہ میں امیر خسرو خود بھی شریک تھے اور مغلوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے

اُس وقت معرکۂ حرب سے جدا ہوئے جب کہ شہادت شہزادہ (خان شہید) واقع ہو چکی اور تمام رفقا ایک ایک کرکے کام آچکے، اس لئے امیر کا بیان بے کم و کاست اس واقعہ کی عینی شہادت ہے جو منظوم سحرِ حلال بن گیا ہے اور تاثیر میں ڈوبا ہوا ہے۔ اس ترجیع کا ایک بند ملاحظہ ہو ؎

واقعہ ہست ایں یا بلا کز آسمان آمد پدید
آفت ست ایں یا قیامت کز جہان آمد پدید

راہ در بنیادِ عالم داد سیلِ فتنہ را
رخنۂ کامسال در ہندوستان آمد پدید

مجلسِ یاراں پریشاں شد ز بادِ تندِ دہر
برگ ریزی گوئی اندر گلستان آمد پدید

ہر مژہ بے دیدنِ ایشاں سنانے شد بچشم
نیزہ بالا خوں ز ہر نوکِ سنان آمد پدید

دل بہ پیچد چوں نہ نامہ رشتۂ صحبت گسست
دُر بریزد چوں خلل در ریسمان آمد پدید

بسکہ آبِ چشمِ خلقے شد رواں از چار سو
پنج آبِ دیگر اندر مولتان آمد پدید

خواستم من تا ز آتش بر زباں آرم سخن
صد زبانِ آتشینم در دہان آمد پدید

سینۂ خاکی بکندم گریہ بکشاد از دو چشم
چوں زمیں کاویدہ شد آبِ رواں آمد پدید

جمع شد سیارہ در چشمم مگر طوفاں شود
چوں بہ برجِ آبی انجم را قراں آمد پدید

گریہ ہم بے پوست روئے می کند با من کنوں
پوست از رویم برفت و استخواں آمد پدید

مردماں بودند تاثیرِ قراں را منتظر
اینک اینک خسروا آثارِ آں آمد پدید

من نخواہم جز ہماں جمعیتِ دیں کے شود
خود خیال ست ایں ثباتِ نقشِ دیں کے شود

اس کے محسنات شعری پر تو اگلے باب میں بحث ہوگی. یہاں صرف یہ دیکھنا ہے
کہ تاریخی مواد اس بند میں کہاں تک پایا جاتا ہے اور کیا اس حیثیت کا کوئی ترجیع تحفہ یا
غرہ میں موجود ہے ؟ پہلے پہلی بات کا جواب لو۔

مغلوں کا یہ حملہ امیر اور اُن کے رفقا و مربیّ (خان شہید) کے لیے بلائے آسمانی
اور آفتِ ناگہانی تھا۔ گو مغلوں کے پہلے بھی کئی دفعہ حملے ہوئے اور پسپا کر دیے گئے تھے
لیکن یہ حملہ اس سال نہایت شور انگیز اور قیامت خیز تھا جس سے ہندوستان کی سلطنت
میں رخنہ پڑ گیا۔ شہزادہ شہید یار احباب متفرق اور تمام مجلس کا رنگ دگرگوں ہو گیا
اور اس گھمسان کا رن پڑا کہ خود ملتان خون کی ندیوں سے ایک اور پنجاب بن گیا
اس حملے میں جو آتش جنگ مشتعل ہوئی اس کے ذکر سے امیر کی زبان قاصر ہے گو مدافعت
کی تیاری کی گئی لیکن مغلوں کی آتش باری نے سب قوت متفرق کر دی اور اسلامی
جمعیت کو منتشر کر دیا۔ ان تمام واقعات کا ذکر صرف اس ایک بند میں موجود ہے اور اپنے
جدا ہونے کا بیان بھی نہایت حسرت و یاس کے ساتھ اس شعر میں کیا ہے ؎

من نخواہم جز ہماں جمعیت الخ

اب تحفہ اور غرہ کی ترجیعات پر نظر ڈالو اور دیکھو کہ اُن میں یہ حیثیت کہاں تک
ملحوظ ہے۔ پہلے غرہ کو لو۔ غرۃ الکمال میں ایک ترجیع امیر خسرو نے اپنے فرزند (محمد) کے
مرثیہ میں لکھا ہے جس کا ابتدائی بند یہ ہے ؎

یارب ایں شب چہ شب آمد دلِ من گم شد   چشمِ تاریکِ مرا دیدۂ روشن گم شد

دل بصد رخنہ چو غربیل وہ ہمی بیزم خاک — چوں نہ بیزم کہ دریں خاک دُرِ من گم شد
دامن اندر گہرِ دیدہ ہمی بینم گم — من بہ بینم گہرے راکہ ز دامن گم شد
صد ہزاراں گلم از گریہ دمیدست بچشم — لیکن آں گل نہ کہ یابم کہ ز گلشن گم شد
تن کہ شد خرمنِ آتش بدمش می سوزم — چوں نہ سوزم کہ مرا ماہ ز خرمن گم شد
درمیائید دریں خانہ کہ تاریک شدہ ست — کافتابے کہ مرا بود ز روزن گم شد
دیدہ در خار کشیدم ہمہ در تا بستاں — نگرم بیشش کہ بلبل ز نشیمن گم شد
روے من بیش مبینید کہ روے آں نیست — کہ مرا صورتِ جاں ز آئینۂ تن گم شد
گم شد آں گوہر و از بسکہ پریشانم من — والضحےٰ خواندہ الحمد ہمی خوانم من

یہ بند اول سے آخر تک پڑھ لو گداز و شکستگی اس بند میں وسط الحیٰوۃ کے بند سے بہت زیادہ ہے۔ زور اور گھلاوٹ کا فرق ہے۔ یہ بیٹے کا مرثیہ ہے وہ شکست جنگ کا مرثیہ ہے فرق ظاہر ہے۔ وہی مناسبت فرق کلام میں ہے وھو البلاغۃ۔

غرہ کے بعد تحفہ کو لیجیے۔ تحفۃ الصغر میں امیر خسرو نے اپنے نانا عماد الملک بخشی فوج کا ایک ترجیع میں مرثیہ لکھا ہے لیکن تاریخی حیثیت وہاں بھی مفقود ہے۔

اس ترجیع کا پہلا بند یہ ہے ؎

آوخ کہ شمعِ ہفت فلک در نقاب شد — وافسوس کاں چراغ دو عالم ز تاب شد
روشن زمانہ بر صفتِ شام تیرہ گشت — مطلق جہاں مقیدِ رنج و عذاب شد
ہر لعل کاں دو دیدۂ فیروزہ چرخ داشت — یک یک نگینۂ کمرِ آفتاب شد

چندیں ہزار گل کہ شد اندر ہوا نثار | از آہِ من بشیشۂ گردوں گلاب شد
دیواں گذاشت آصفِ ثانی و باد را | در خاک رفت ہمچو سلیماں بخواب شد
بحرِ محیط سبزہ و باران دستِ او | بہرِ ہزار چشمۂ گردوں سحاب شد
بے خسروانہ بخشش و شاہانہ ہمتش | رخسارۂ عروسِ کرم در نقاب شد

کو آصفِ زمان و نظیرِ بزرجمہر
واں رائے خردہ دان و ضمیرِ بزرگ مہر

بیان اوصاف جن کا تعلق متوفی کے مدائح سے ہو مرثیہ کا طرۂ امتیاز ہے اور بلاشبہ عماد الملک کے مرثیہ میں امیر خسرو نے نہایت کامیابی کے ساتھ ان کو بیان کردیا ہے۔ لیکن ایک مورخ کے ان سوالات کے جواب سے یہ ترجیع خاموش ہے۔

۱۔ عماد الملک خطاب تھا یا نام ؟
۲۔ خطاب تھا تو اصل نام کیا تھا۔؟
۳۔ ان کا سن کیا تھا اور سن پیدائش کیا ؟
۴۔ حسب نسب اور مولد و منشا کیا تھے ؟
۵۔ لیاقت، کارنامے اور کارہائے نمایاں کیا تھے ؟
۶۔ ان کی وفات کس سن میں کس حادثہ سے ہوئی ؟

یہ اور اسی اسی قسم کے اور سوالات وارد ہوسکتے ہیں جن کا جواب تحفہ کے ترجیع میں نہیں پایا جاتا۔ بخلاف وسط الحیوٰۃ کی ترجیع کے کہ تاریخ واقعہ بقید سن و ماہ و

یوم وغیرہ نظم کردی گئی ہے اور قریب قریب کل امور متعلقہ واقعہ بیان کر دیئے گئے ہیں ؎

جمعہ بود و سلخ ذی الحجہ کہ رفت آں کارزار ۔۔۔ آخر ہشتاد و سہ آغاز ہشتاد و چہار

یعنی واقعہ شہادت خان شہید یوم جمعہ ماہ ذی الحجہ ۶۸۳ھ کے آخر اور ۶۸۴ھ کے شروع میں واقع ہوا۔ وسط میں اس واقعہ کو ترجیعات کے علاوہ قصائد میں بھی امیر خسرو نے نظم کیا ہے۔ ایک قصیدہ ؎

خوش اندر راہ روانِ ولایتِ اسرار

جس کا نام حکم الحکم ہے نہایت طویل ہے اس میں نہایت شاندار حکیمانہ تمہید کے بعد مغلوں کے مظالم اور شہدا کی حالت بشرح وبسط بیان کی گئی ہے اس کی تفصیلی بحث تو اگلے باب میں آئے گی یہاں صرف چند اشعار متعلقہ واقعہ درج کئے جاتے ہیں ؎

ہمیں بلا نگر امسال در حدِ ملتان ۔۔۔ شکست میمنۂ مومن از کفِ کفار
چگونہ شرح تواں داد آں قیامت را ۔۔۔ کزاں فزع ملک الموت خواستے زنہار
چو جرعہ خونِ شہیداں بگل سرشتہ تمام ۔۔۔ چو گل بروئے اسیران رشتہ بستہ نگار
دوال بازی ہر در شکنجہ فتراک ۔۔۔ شکنجہ کاریِ گردن برشتۂ افسار
اسیر گشتم و ز بیم آں کہ خوں ریزد ۔۔۔ نمی نماند ز خون در تنِ نحیف و نزار

حد ملتان سے مراد موضع دیبالپور ہے جہاں شہزادہ خان محمد شہید ہوا ہے اور لشکر اسلام کو مغلوں کے ہاتھ سے شکست ہوئی ہے۔ امیر نے اپنا گرفتار ہونا یہاں بھی بیان کیا ہے اور مغلوں کے طرح طرح کے مظالم کا ذکر کرتے ہوئے تاریخ واقعہ اس طرح نظم کی ہے کہ اس ؎

امیر خسرو کی اُس وقت تک کی عمر کا پتا بھی چل جاتا ہے ؎

کنوں کہ شش صد و ہشتاد و چار شد تاریخ

مرا بہ سی و سہ آمد نوید سی و چہار

یعنی ۶۸۴ھ کے شروع میں جب یہ واقعہ پیش آیا امیر کی عمر کے ۳۳ سال گزر چکے تھے اور چونتیسواں سال شروع تھا۔

اسی قصیدے میں جو مغل امیر کو گرفتار کر کے لے جا رہا ہے اس کی حالت یوں بیان کی ہے ؎

فرو نیٔ کہ مرا پیش کردہ رہ می رفت	نشستہ بر فرسے چو پلنگ در کہسار
کشادہ از دہنش نکہتے چو بوئے بغل	فتادہ بر زنخش سبلتے چو موئے زہار
زماندگی قدمے گر بماندمے تشنہ	گہے طغانہ کشیدے بخشم گہ تکمار

یعنی اک چوڑا مُنھ گندہ دہن اور کچی داڑھی مونچھ والا ظالم مغل مجھے لے جا رہا تھا جو خود تو گھوڑے پر سوار تھا مگر مجھے نہایت تھکا ماندہ اور پیاسا رکھ کر بیدردی سے پیدل گھسیٹ رہا تھا۔

وسط کے قصائد میں شہزادہ خان شہید کی مدائح نہایت شاندار ہیں ان میں اکثر وہ واقعات بیان کئے ہیں جو تاریخی ہیں۔ ایک قصیدے میں امیر نے مغلوں کے بھگا دینے اور ان کو شکست دینے کی بنا پر خان شہید کی یوں مدح کی ہے ؎

شہریارے کاذ پیش تا ماہِ تاباں می رسد	ماہِ تاباں از پئے خدمت شتاباں میرسد

گرچہ در سالے مغل باٰ پرٰپوم و روئے شوم   صف کشیدہ چوں کلنگاں از خراساں میرسد
یک درق گریزاز تیرِ کشور گیر شاہ   ریزہ ریزہ می شود آنکہ بکرمان میرسد

یعنی جن مغلوں نے خراسان کی راہ سے حدود ملتان پر حملہ کیا تھا وہ بہت بُری طرح شکست کھا کر کرمان کی طرف بھاگ گئے۔

اسی طرح ایک اور قصیدے میں لکھتے ہیں ؎

دست او شمشیر او رنگ چنگز خاں زند   چوں بعزم رزم سوئے لشکر آں کافر شود
گر پرند ایشاں ز لشکرہائے پرمور و ملخ   باک نبود مور را در وقت مردن پر شود

یعنی چنگز خانی ٹڈی دل لشکر ممدوح کی فوج ظفر موج کے مقابلہ میں شکستا بھاگ ہی نہیں گیا بلکہ پردار چیونٹیوں کی طرح ہلاک ہوا ؎

مور ہماں بہ کہ نباشد پرش

ان قصائد میں چوں کہ واقعی فتوح اور اولوالعزمی کی مدح ہے اس لئے رو حقیقی ہے محض لفاظی نہیں ہے۔ محمود اور کیقباد کی ملاقات کے متعلق جو تاریخی قصیدہ وسط میں ہے اس پر اگلے باب میں تبصرہ ہوگا۔ وہیں ملاحظہ ہو۔

ترجیعات اور قصائد کے علاوہ وسط کی مثنویاں بھی تاریخی ہیں جن میں نہایت تفصیل کے ساتھ تاریخی واقعات کا ذکر ہے۔ نام بنام پہلوانانِ جان نثار اور غازیان کی فہرست دی ہے اور لشکریوں کا حلیہ شکل و شباہت تک نظم کر دیا ہے۔ دھر بلہ اور دیگر پہاڑی مقامات جو لشکر اسلام نے بقیادت شہزادہ خان محمد فتح کئے ہیں

ذکر اسی طرح کیا گیا ہے جو صنف مثنوی کے شایاں ہے۔ دوسرے باب میں ان مثنویات پر مفصل تبصرہ ہوگا۔

اب دیکھنا یہ باقی ہے کہ تحفۃ الصغر اور غرہ کے قصائد و مثنویات میں اس حیثیت (تاریخی) کا وجود کہاں تک ہے۔ اول تحفہ لیجیے۔

تحفہ کے قصائد میں امیر نے بمقتضائے سن زیادہ تر صنایع لفظیہ اور قوت فکریہ سے کام لیا ہے اور ابتدائی مشق کے پختہ کرنے کے لئے اساتذۂ ماسبق کے جواب میں قصائد لکھ کر ان کے عنان بہ عنان چلنے کی کوشش کی ہے۔ خاقانی، انوری وغیرہ کے قصائد پر قصائد موجود ہیں اور جس درجہ کے بھی ہیں بلحاظ عمر و وقت قابل تحسین ہیں۔ (دیکھو تبصرہ تحفۃ الصغر) لیکن واقعات تاریخی کے تضمین کا اہتمام قصائد تحفہ میں قطعاً نہیں۔ مثنوی بھی اس میں صرف ایک ہی ہے جس کے کل ۱۶۳ شعر ہیں۔ ان میں بھی کوئی تاریخی واقعہ نظم نہیں کیا گیا۔ ساری مثنوی کی کائنات صرف یہ ہے کہ قلعہ پٹیالی بدتہذیب اور وحشی افغانوں سے پُر ہیں (جن کی ہجو خوب دل کھول کر کی گئی ہے) اور امیر وہاں بزمرۂ سواراں ملازم ہیں۔ اپنے ماموں (بخشی فوج) سے درخواست کی ہے کہ اس وحشت ناک (قلعہ پٹیالی) کورده سے قبلۃ الاسلام دہلی میں (جہاں ان کی دلچسپی کے بہت سے سامان ہیں) واپس بلا لیا جائے ؂

من کہ در زمرۂ سوارانم ... الخ

پس تحفہ کے قصائد و مثنوی اس حیثیت سے وسط کی مثنویات و قصائد سے

کوئی لگّا نہیں کھاتے۔ تحفہ کے بعد غرہ کو لو۔ اس کے قصائد (جیساکہ واضح ہوگا) یا کیقباد کی مدح میں یا جلال الدین فیروز کے (مواعظ وحکم اور حمد ونعت کو چھوڑ کر) ان میں واقعات تاریخی کے نظم کرنے کا التزام امیر خسرو نے نہیں کیا۔ گو مواعظ وحکم اور حمد و نعت کے قصائد غرۃ الکمال میں اپنی خصوصیات کے لحاظ سے (جن کا ذکر غرہ کے تبصرہ میں آئے گا) ہر اگلے پچھلے دیوان سے شاندار ہیں لیکن تاریخی خصوصیت غرہ کے قصائد میں سے ہے یہ صرف وسط کے کلام کے لئے مخصوص ہے۔ غرہ کی مثنویاں بھی تاریخی واقعات سے کچھ تعلق نہیں رکھتیں لیکن ان میں سے صرف ایک مثنوی فتح نامہ (یا مفتاح الفتوح) کو تاریخی مثنوی کہا جاسکتا ہے (جس میں بعض تاریخی واقعات پر مجملاً اور ضمناً روشنی پڑتی ہے) لیکن وہاں بھی ترتیب واقعات اور احصاے جزئیات میں محاکات پر تخیلی عنصر غالب ہے ذیل میں اس مثنوی کا کچھ اقتباس وسط کی ایک چھوٹی سی مثنوی سے مقابلہ کے لئے درج کیا جاتا ہے جس سے یہ حقیقت اچھی طرح آشکارا ہوجائے گی۔

از مثنوی غرۃ الکمال	از مثنوی وسط الحیٰوۃ
۱۔ زہے فیروز سلطانی کہ در حال	۱۔ شاہ نیز از مولتاں لشکر کشید
برآید چار فتحش در یکے سال	بر کرانِ گنگ چوں دریا در رسید
۲۔ بفتحِ اول از تیغِ ظفر ناک	۲۔ لرزہ در کالوے بے فرماں فتاد
سرِ یک ابتر افگندہ در خاک	بندہ شد سر بر خطِ فرماں نہاد

از مثنوی وسط الحیوٰة

۳- مال دہ او وخدمتِ فرزند نیز
وز عجائب ہائے کہ بسیار چیز

۴- پس پیروزی شہ پیروز رزم
سوئے رائے نگرکوٹ آورد عزم

۵- میرحاجب منگلی آں پیل مست
نامزد گشت و میانِ کار بست

۶- پیل زورانِ دگر پہلوے او
چوں علم پیوستہ بازوے او

۷- تاختن بردند آوردند روے
سوے رائے نگرکوٹ از چار سو

۸- رائے خود فرماں بری را ساز کرد
بندہ گشت و بندگی آغاز کرد

۹- جزیہ چنداں زر کہ نتواں برکشید
برکشید و پیش آں لشکر کشید

از مثنوی غرة الکمال

۳- چناں فیروزیش بر کوہ زد رنگ
کہ در فیروزکے فیروزہ شد سنگ

۴- بفتح دوئیں گرد از یکے ضرب
زد دوئیں ابتر نوکِ سناں حرب

۵- بسوئیں فتح در ہندوستاں تاخت
جہاں از تیرگی دشمن بپرداخت

۶- بہ چارم فتح بر رائے دگر راند
غبارِ باد پا بر جہاں افشاند

۷- چہ باشد چار فتح از دولت این ست
ہزاراں دیگرش در آستین ست

۸- چنانش باد در فرماں روائی
بہ فیروزی و فرّ بادشاہی

۹- بدستِ بندگانش بستہ تسلیم
کلید دارِ ملکِ ہفت اقلیم

پڑھکر دیکھو ایک میں مواد تاریخ پر مدح (فیروز شاہ) کا غلبہ ہے اور دوسری میں مدح کی بجائے بیان واقعات پر زور ہے۔ غرہ کی مثنوی کے اشعار میں فیروز شاہ کی مناسبت

لفظ فیروزا اور فیروزی میں تخئیلی نکتے بھی زیادہ تر شعر سوم و ہشتم میں موجود ہیں۔
نوؔ شعروں میں صرف اس قدر بتایا ہی کہ بادشاہ کو ایک سال میں چار فتحیں حاصل ہوئیں
پہلی میں ایک سرکش مرا، دوسری میں دوسرا اور تیسری میں تیسرا مارا گیا اور چوتھی
فتح جھابن کے راجہ پر ہوئی۔ باقی بیان مدحیہ ہی۔ اب وسطؔ کی مثنوی کے اشعار میں
واقعات ملاحظہ ہوں جو حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ بادشاہ (سلطان محمد) ملتان سے لشکر کشی کرکے دامنِ کوہ میں پہونچگیا۔

۲۔ کالو (نام راجہ) سرکش یہ دیکھکر کانپ اُٹھا اور مطیع ہو گیا۔

۳۔ کالو نے اطاعت کے ساتھ ہر خدمت مالی و جانی پیش کی اور عمدہ عمدہ کوہستانی تحائف وہدایا بھی دیئے۔

۴۔ بادشاہ نے نگرکوٹ کے راجہ پر بھی دھاوا کیا۔ جس میں میر منگلی منتظم بنایا گیا اور اس کے ساتھ بہت نامور کئے گئے جنھوں نے خوب جان توڑ کر چاروں طرف سے راجہ پر حملہ کیا۔

۵۔ راجہ نگرکوٹ بھی مطیع ہوگیا اور بے حد مال و دولت دے کر صلح کرلی۔

پس بیان واقعات پر نظر کرتے ہوئے کہا جا سکتا ہی کہ وسطا بجلوۃ کے کلام کی یہ خصوصیت (تاریخی) منفرد ہی جس میں کوئی دیوان اس کا شریک نہیں۔

تضمین علوم | وسطؔ کے کلام کی تیسری خصوصیت تضمین علوم و فنون ہی۔ امیر نے مواعظ و

حکم کو چھوڑ کر جہاں کہیں نکات صرف و نحو، منطق، نجوم، فلسفہ، کلام وغیرہ نظم کرنا شروع کئے ہیں قلم توڑ دیا ہی۔ ایک علمیہ قصیدے سے جس کا نام بھی علمی مناسبت سے عالم العلم رکھا ہی کچھ اقتباس ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہی جس سے وسط کی اس خصوصیت کا حال اچھی طرح روشن ہوگا۔ (یہ قصیدہ کسی کی مدح میں نہیں ہی صرف حکمیہ ہی)

ذکر فن کیمیا سیمیا اور طبیعی

چند گویم کاسماں بوتہ ست و طبعم کیمیا ست　　کآتش اندر بوتہ بہر کیمیائے می زنم
بس دقیق ست این حرامی کہنہ من زاں بستہ ام　　چوں شتر چرخے بگرد آسیائے می زنم
سیمیا کارے ست کار چرخ لعبت باز ومن　　چشم بازو دست را بر سیمیائے می زنم

فن نحو

حرف دارم ناقص و محکوم غیرے ہمچو فعل　　گرچہ از اسم علم عالی علائے می زنم
دہر پر دشنام شد مفعول مطلق بہر ہمہ　　حرف ایشاں را در انگشت صحائے می زنم

فن منطق

ہست انسان لاشئی چوں جو خورش چوپان و من　　ہم ہمایم طوفے از بہر غذائے می زنم
نیستم انساں نہ حیواں بلکہ جسم نامیم　　کآب خاکے می خورم نشو و نمائے می زنم
آدمی حیوان ناطق داں چو شد ناحق شناس　　ناطقم اینک نہیقی جاں گزائے می زنم

علم کلام و دلائل توحید

واں کہ علت گفت حق را چوں بود بہر شفا　　علتش را از شفائے دین وائے می زنم

شرک نارم ور بگوئی صانع خیر ست و شر — خنجرِ ہر بر سرِ ہر ماسوائے می زنم
یک زبان در یک تن از ہر دو فراہم گشت صد — وز یکے ثابت نفیش را بلائے می زنم
چوں دُوم عاجز نہ حق پس لازم آمد حق یکے — من یکے گویم و چرخ از ولائے می زنم

فن نجوم

ناقصے را ماہ خوانم گاو را بر وے شرف — بے شرف گاوم کہ رائے در ریا می زنم
مشتری ہستم سعادت را و لے چوں ما نیست — بیع و شری می کنم لافِ شرائے می زنم
جو ہیم از سہمِ سعادت در رسد سہمے زغیب — کارِ لقائع سعد اکبر بر ہمائے می زنم

کل کا کل قصیدہ اسی رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ اس پر تشریحی تبصرہ دوسرے باب میں آئے گا۔

سلاست و عذوبت اور پختگی

چوتھی خصوصیت وسط کے کلام کی سلاست و روانی اور پختگی و شیرینی ہے تحفہ کی طرح اس میں تکلف تصنع اور آورد بالکل نہیں جہاں کہیں کسی صنعت سے کام لیا ہے نگینے جڑ دیے ہیں۔ چنانچہ وسط کے دیباچہ میں امیر خود فرماتے ہیں ؎

"بعد ازاں بہ رزاوِ نیزانِ عصر شاہدِ سخن را چاشنی رونده و جنبشِ قلم را روش آینده و مرجانِ معانی را کلید زنندہ و مرجان الفاظ را پختن خندہ برانگیختم ؎

طرفہ آب ست دریں چشمۂ حیواں کہ ازو
دوست شد زندہ بیاد و بیداندیش بمرد

ہم ذیل میں وسط اور تحفہ سے چند مثالیں پیش کرتے ہیں جن سے دونوں کی سلاست و پختگی کا فرق بآسانی واضح ہو جائے گا۔

(۱) تشبیب

وسط الحیوۃ	تحفۃ الصغر
رخ ز حجابِ زلف اگر آئینہ بروں کشد	گشت چو بہمن اے پسر تختۂ رشکِ چمن
کیست مشاطہ کائینہ ز آئینہ داں بروں کشد	در قدحِ جہاں نما خونِ سیاوشاں فگن
بسکہ ز بلبلاں کشد سرو بباغ سرزنش	از گلِ آتشیں نشاں آئینہ زاے کن قدح
چوں ز قبائے لالہ گوں سرو جواں بروں کشد	کز گلِ عنبریں بآں غالیہ سائے شد چمن
گر دلِ من ز غم شود در پئے زلف او نہاں	از خطِ سبز باغ را دعوئے دلبری رسد
شانہ نگر ز سرکشی موئے کشاں بروں کشد	چوں دو گواہ راستند آمدہ سرو نارون
چوں کہ در آبِ چشمِ من کشتیِ صبر غرق شد	گل چو نمود زیر لب حقۂ شکریں خود
کیست کہ رختِ بیکسی زآبِ رواں بروں کشد	از ہوس لبانِ او آمدہ آب در دہن

وسط الحیوۃ کے اشعارِ منقولہ کے مقابلہ میں تحفۃ الصغر کے بہترین تشبیب کے اشعار نقل کئے گئے ہیں۔ بظاہر دونوں تشبیبوں میں یکساں روانی معلوم ہوتی ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ دونوں میں وہی فرق ہے جو ایک ذہین مبتدی اور مشاق میں ہوتا ہے۔ الفاظ بان اور لبان (جمع لب) اور محاورہ آب در دہن آمدن خود ظاہر کر رہے ہیں کہ ابتدائی مشق ہے اگرچہ الفاظ کا شکوہ و توازن قائل کی جودتِ طبع پر بھی دلالت

کر رہا ہے۔ بخلاف وسط کے اشعار کے جن میں روانی اور سلاست کے ساتھ پختگی ترکیب اور شستگی الفاظ اس بلا کی ہے کہ کسی کو انگلی رکھنے کی جگہ نہیں ملتی۔ تیسرے شعر میں زلف شانہ اور سرکشی کے اجتماع سے مضمون کس قدر بلند ہو گیا ہے؟ دل غم کے ڈر سے زلف دیار ہیں چھپ جاتا ہے لیکن شانہ اس کے بال پکڑ کر باہر نکال لاتا ہے۔ کس قدر ظلم ہے؟۔ ؎

شانہ نگر ز سرکشی موئے کشاں بروں کشد

نہایت پاکیزہ تخیل ہے۔ چوتھا شعر بلاغت کی انتہائی حد ہے۔ اظہارِ غم اور اپنی بیکسی پر رحم دلانے کا اس سے بہتر اسلوب کیا ہو سکتا ہے کہ کہا جائے۔ بے تابی سے آنسو کا دریا رواں ہے، صبر و قرار کی ناؤ ڈوب گئی ہے جس سے اک عام آواز ترحّم اور المدد کی نکل رہی ہے ؎

کیست کہ رختِ بیکسی زآبِ رواں بروں کشد

(۲) مدائح

تحفۃ الصغر	وسط الحیٰوۃ
اے ملکِ ملک صفت کرتے پئے شمع مجلست	قلب شکن شہنشہا بندۂ کمترین تو
طشتکِ آفتاب را ساختہ آسماں لگن	قالبِ خاک بشکند قلبِ جہاں بروں کشد
سنگ نیفگند زلب حیت فلک زہیبت	بہرِ گریختن کند کوہِ قیامت آرزو
تا تو کنی زسینگ اودستِ تیغ خویشتن	در عرصاتِ رزم اگر گرزِ گراں بروں کشد

وسط الحیوٰۃ	تحفۃ الصغر
خصم زپیش لشکرش زیر زمیں فرو برد	خصم حرام زادہ را زخم کند ادیم ساں
گرچہ صفے زحد بروں ہر چہ بیاں رہ دل کشد	خنجرِ او کہ از صفت ہست ستارۂ یمن

تحفہ کے اشعار میں لگن، سینگ دستہ کے استعمال سے جو ضعف موجود ہے ظاہر ہے علاوہ ازیں آخری شعر میں خصم کی صفت حرام زادہ لائی گئی ہے اور ممدوح کے خنجر کو سہیلِ یمن قرار دے کر اتمام تشبیہ کیا گیا ہے لیکن اس لفظ کا استعمال بجائے خود نامانوس ہے جس کے لئے ایک شستہ اور مہذب کلام موزوں نہیں ہو سکتا۔ اس کے مقابلہ میں وسط کی مدح دیکھو کوئی شعر بھی سلاست و پختگی سے گرا ہوا نہیں ہے اور لطف تجنیس کا طرہ مزید برآں تحفہ کے کل کلام کو اسی پر قیاس کر لینا چاہیئے۔

اب غرہ باقی ہے۔ اس کے کلام میں اور وسط میں جو نسبت ہے وہ بھی مثالوں سے واضح ہو گی۔

(۱) مواعظ و حکم

غرۃ الکمال	وسط الحیوٰۃ
باش تا پردہ براندازد جہاں از رخ کار	مباش خفتۂ طفلاں بگاہوارۂ تن
وانچہ امشب کردہ فردات گردد آشکار	کہ آفتابِ قیامت در آمد از روزن
تا فقیراں بینی آنجا پا ئمرد و دستگیر	ازیں نشیمن اگر مرغ زیرکی برپر
تا امیراں بینی آنجا زرد رو و شرمسار	کہ آشیانِ غرورست و دامگاہِ محن

غرّة الکمال	وسط الحیوٰة
ہر کہ اینجا دربدر آنجاش خوانی بادشاہ	زمانہ خانۂ دیوست اگر اماں طلبی
ہر کہ اینجا پیش رو آنجاش بینی پیشکار	قدم بروں منہ ازیں دیولاخ اہرمن
رو ریاضت کن کہ زد بسیار مرداں را نجاب	مدار دست ز فتراک صاحب اقبالے
این نگاور ابلقِ مطلق عنانِ روزگار	کہ چیرہ دست بود بر عنانۂ توسن
مرد گر خواہد کہ بر گردوں شود باید صفا	روندہ از نظرِ رہنما رسد بمقام
آب گر خواہد کہ بر بالا رود گردد بخار	نہ از سجادۂ زنبیل و خرقہ و سوزن

دونو انتخاب منقبت شیخ کے قصائد سے ماخوذ ہیں۔ قدرِ مشترک دونو جگہ مواعظ و حکم ہیں نفس مضمون (تذکیر و تزکیۂ نفس) کے لحاظ سے دونو یکساں ہیں۔ لیکن عذوبت و سلاست غرہ کے اشعار میں زیادہ ہے اور یہ فوقیت غرہ کے قصائد میں مواعظ و حکم (حمد و نعت و منقبت) کی خصوصیت مختصہ ہے (جیسا کہ غرہ کے تبصرہ میں مفصل آئے گا)

(۳)

غرّة الکمال	وسط الحیوٰة
صبا اگاہ آں آمد کہ راہِ بوستاں گیرد	صبا امروز پیغامِ گل آورد سوئے من
زمیں را سبزہ در دیبا و گل در پرنیاں گیرد	کہ یاد می دہم وقتِ شراب موسمِ گلشن
تماشا کن کہ چوں بگرفت لالہ کوہ را دامن	چمن چوں خار سوزن زد برئے اطلسِ لالہ
کسے کو تیغ بے موجب کشد خونش جہاں گیرد	فرو نگذاشت از آرائشِ گل یکسرِ سوزن

غرۃ الکمال

زبادِ غنچہ مرغاں را نوا بستہ شود تا گل
بساز د پردۂ نو روز و بلبل خود ہماں گیرد
کتابے شد گل از غنچہ تو بکشا مصحفِ خود را
بہ بلبل دہ کہ سبقِ کیف یحیی الارض زاں گیرد
سمن چوں یاسمن از دست چیں نبود کہ پیوستہ
زتریِ زمینِ باغ ہر روز آبِ شاں گیرد

وسط الحیوۃ

نسیم امروز صحنِ باغ بازی کرد نی با گل
کہ بلبل ارچہ گویا گشت و سوسن ارچہ شد الکن
بگو اے غنچہ کاندر مہد چوں طفلاں شدی بستہ
کہ آخر یوسفِ گل را چرا شد پارہ پیراہن
سمن ہر روز دریا را چرا تر می کند جامہ
مگر ترسد کہ آتش گیردش از لالہ در دامن

سلاست کے اعتبار سے دونو تشبیبیں ایک پلہ کی ہیں ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر حق ترجیح حاصل نہیں مضامین کے علاوہ الفاظ تک مشترک ہیں۔ حق یہ ہے کہ ہمارے یہ تشابیب میں وسط اور غرہ مساوی الاقدام ہیں کچھ فرق نہیں۔ وسط کے دیباچہ میں امیر نے اس سلاست پر فخر کرتے ہوئے یوں رقم کیا ہے:-

"گاہ غزل (تشبیب) رواں و تر، چوں آبِ حیات بلکہ از آبِ حیات رواں تر
از سوادِ بیروں می ریختم، و جانِ استادانِ گزشتہ را زندہ می گردانیدم ....
نہ پیوستہ ہمبریِ آبِ جدول سفینہا باہم چشم در رو آشنائی می دادم و در بحر
رویت آشنا باز گونہ می کردم کہ ہیچکس را در وسخن نبود و ہیچکس سخن"

یعنی وسط کی غزلیں جن میں تشبیب قصائد بھی داخل ہیں نہایت سلیس و رواں ہیں اور متقدمین کی طرز پر اس طرح لکھی گئی ہیں کہ ان کی طرز از سرِ نو زندہ ہو گئی اور

خود ان پر نہایت پاکیزہ نقش و نگار اضافہ کئے جن پر اب کسی کو اضافہ کی جرأت نہیں ہوئی۔ اس بحث کے ضمن میں یہ بتا دینا مناسب معلوم ہوتا ہی کہ عذوبت و سلاست میں (جس کا ذکر اوپر ہوا) وسط کا کلام متقدین اساتذہ میں سے کس کے کلام کا تتبّع ہی؟ اور اُس زمانے میں عام طور پر کس کے کلام کا سکّہ بیٹھا ہوا تھا؟ ان دونوں باتوں کے متعلق دیباچہ وسط الحیٰوۃ میں خود امیر کے یہ الفاظ ہیں۔

"مردمان سودات سپاہانی در چشم می کشیدند۔ بندہ نیز بہ حکم تتبع آزادگان آں سکّہ را خریداری کرد۔ وآں سعادت را مشتری شد۔ ویگان چہار گانی را بطرز سپاہانی باصحاب کمال می نمودم وازانم جائے حاصل می آمد"

یعنی اُس زمانے میں کمال اسمٰعیل صفاہانی کا کلام عام پسند تھا۔ امیر نے بھی اُسے پیش نظر رکھکر آزادانہ تتبع کی کوشش کی اور محاسن شعری مثل ایہام خیال وغیرہ میں اپنا کلام خلّاق معانی کے ہم پلّہ کرکے دم لیا۔ لیکن کمال کے تتبع کی یہ بحث وسط کے صرف قصائد کے لحاظ سے ہی۔ باقی نفس تغزّل[1] کے لحاظ سے امیر کا جو پایہ ہی اُس سے کمال کو کیا نسبت؟

رنگینی خصوصیت تاریخی کے محل بیان میں رنگینی پر ضمناً روشنی پڑ چکی ہے۔ لیکن مستقل طور پر خصوصیتِ رنگینی قائم کرنے کی وجہ امیر خسرو کا وہ بے نظیر طرز رنگینی ہی جس کی نظیر خود اُن کے دوسرے کلام میں ملتی ہی نہ کہیں اور۔ یہ ظاہر ہی کہ

---

[1] غزلیات کے متعلق دوسرے باب میں مفصل تبصرہ آئے گا ۱۲

مرثیہ نگار متوفّی کے محاسن و مدائح سے اچھی طرح واقف ہوتا ہے اور خود اس کے غم و اندوہ سے متاثّر ہو کر دوسروں کو بھی اسی رنگ میں رنگنا چاہتا ہے۔ لیکن یہ ضرور نہیں کہ ہر شخص اس خواہش میں کامیاب ہو جائے اور یہ وصف علیٰ وجہ الکمال ہر نام نہاد مرثیہ نگار میں موجود ہو بلکہ یہ کمال صرف ایسے اہلِ سخن کے حصہ میں آتا ہے جو بیانِ محاسن، ترتیب واقعات اور احصاے جزئیات اس انداز سے کریں کہ ایک طرف سامعین متوفی کے اصل محاسن سے واقف ہو جائیں اور دوسری طرف اس سے اسی قدر ہمدردی کا اظہار کریں جیسا کہ شاعر کرتا ہے۔

امیر خسرو کے طرزِ رثی میں یہ بات موجود ہے۔ ان کے مرثیہ سے جس طرح سامع کو جزئیات واقعہ اور محاسنِ متوفی پر واقفیت ہوتی ہے اسی طرح اس کا دل متوفی کے ساتھ ہمدردی اور غم و حزن سے لبریز ہو جاتا ہے۔ وسط الحیوٰۃ میں امیر نے جو مراثی شہادت خانِ شہید پر انشا کئے ہیں اُن کی تاثیر کا یہ عالم ہے کہ لوگ مہینوں تک اُن کو پڑھتے اور ہر اک مقتول کے گھر جا جا کر غم والم تازہ کرتے تھے۔ جس وقت امیر نے دہلی شاہنشاہی دربار میں حاضر ہو کر یہ دردناک مرثیے پڑھے ہیں تو اک کہرام مچ گیا اور خود سلطان غیاث الدین بلبن جیسا کوہ وقار بادشاہ بعارضۂ بخار مبتلا ہو گیا۔ (جو اس کے لئے مرض الموت بنا)۔

ان مراثی کے اکثر نمونے اور ان پر مفصّل بحث اگلے باب میں ملے گی چند نمونے یہاں بھی ملاحظہ ہوں:-

متوفّی کے محاسن و فضائل کا ذکر

کو آں جہاں گرفتن و لشکر کشیدنش | بر اوج آفتاب علم بر کشیدنش
کو آں نگاہ بار بمسند نشاندنش | صف ہائے صف دراں ہمہ تا در کشیدنش
کو آں ستاجہائے مرصّع فگندنش | اسپانِ قوبتی ہمہ در زر کشیدنش
کو آں ملوک خواندن و درمے نشاندنش | و آں بزم راست کردن و ساغر کشیدنش

چوں سال و مہ تمام نگردد ثنائے او
آں بہ کہ صبح و شام بگویم ثنائے او

شروع کے ۵ شعروں میں حسب ذیل جزئیات کا احصا کیا ہے:

خان شہید کی لشکر کشی، فتوحات، بہادروں کی قدردانی، صف بندی، ساز و سامان، گھوڑوں کا ہمہ تن سونے میں لدنا، محفل ملوک، جشن نشاط، بحث علوم اور مسائل علمیہ کی موشگافیاں۔ اور آخر میں شمار محاسن سے اپنا عجز ظاہر کرتے ہوئے بند کو دعا پر ختم کر دیا ہے۔

وسط کی ایک رباعی میں اس واقعہ کا ذکر اس طرح کیا ہے ؎

زیں واقعہ کاسماں ملتان زادست | از گریہ تغیر در جہان افتادست
فریاد ز گوش من برآمد چہ کنم | ہر سوے کہ گوش می نہم فریادست

بہر حال (غزل کو چھوڑ کر) قصائد، ترجیعات رباعیات اور مثنویات سب میں یہ طرز موجود ہے اور قریب قریب وسط کی ہر صنف کا قلیل و کثیر حصہ وقف رثی ہے اور اس کی وجہ حوادث حاضرہ تھے۔

صنائع اور ایجاد صنائع خصوصیات کے ضمن میں وسط کے صنائع و محاسن شعری کی بابت کچھ کہنا باقی ہے لیکن اس سے پہلے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ امیر خسرو کی کل تصانیف (نثر ہو یا نظم) صنائع بدائع کا گنجینہ ہیں اور ان سے زائد شاید ہی کسی نے اس باب میں اس قدر لزوم مالایلزم کیا ہو۔ صرف ان کی نثر ہی کو دیکھیے کوئی جملہ صنّاعی اور محسنات فن سے خالی نہیں۔ اگر حد شعر سے ردیف و قافیہ کی قید اُڑا دی جائے تو یہ کہنا بے جا نہیں کہ ان کا کل کلام "شعر" ہے۔ نثر میں مستقل تصانیف اعجاز خسروی، خزائن الفتوح وغیرہ کے علاوہ انھوں نے اپنے دواوین پر جس قدر منثور دیباچے لکھے ہیں وہ سب مرصع عبارت میں ہیں جن کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قادر سخن اور خلّاقِ محاسن کو صرف استعمال صنائع ہی میں یدِ طولیٰ حاصل نہیں بلکہ خود ایجاد و اختراع صنائع پر بھی اس قدر قدرت ہے کہ اس سے پہلے اور بعد کے زمانوں میں اور کسی کو نصیب نہیں۔ یہ محل ان کی تفصیل کُلّ کے لئے موزوں نہیں یہاں وہ صنائع بیان کر دینا مناسب ہیں جن کو خاص طور پر انھوں نے وسط میں استعمال یا اختراع کیا ہے۔ لہذا چند نمبروں میں ان کا ذکر کیا جاتا ہے:

(١) وسط الحیوٰۃ میں زیادہ تر صنعت ذو معنین (جس میں ایہام و چیاں باقسامہا داخل ہیں) کا التزام ہے چنانچہ اس کی بابت خود امیر کے یہ الفاظ دیباچۂ وسط الحیوٰۃ میں ہیں:

"باریک بیناں در ایام جوانی کہ وسطِ زندگانی ست بلکہ تیر شکل درشبِ سواد

موئے شگافند و دو کنند و ایں نوع خاصہ طریق منطق ایں منطق ست کہ ذو معنیین می نگیرم

در ہر معنی من کہ چوں موے باریک بشگافند و شود یعنی باریک در نظر آید ؎

یکے معنی چو مویم را کہ بشگافند دو مو گردد　　جوانم من و لے ایں طرفہ کا ولادِ دو مو دارم

یعنی نکتہ شناس عہد جوانی میں (کہ زندگی کا وسط ہے) اپنے قلم عطار درقم کے تیز سے اندھیری رات میں (بھی) بال کے دو ٹکڑے کر دیتے ہیں بدیں وجہ اس عمر میں میرے کلام کا خاصہ بھی ذو معنیین ہے اور عام طور پر میرا کلام متضمن بدو معنی ہے تعجب ہے کہ ہوں جوان مگر اولاد (یعنی اشعار) ادھیڑ (دو رنگے) عمر کی رکھتا ہوں۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ وسط کا زیادہ تر کلام ذو معنیین ہے۔ ذو معنیین کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

(ا) کلکِ من گر مشک ریزد ہم از آہوی منست　　بر خطائے ہیزنم گر بے خطائے می زنم

آہو اور خطا کے دونوں معنی ملحوظ رہیں۔

(ب) آدمی حیوان ناطق داں چو بشناختی ہمیں　　ناطقم اینک نہیتی جانگزائے می زنم

حیوان کے دو معنوں میں سے ایک معنی عرفی مراد ہیں یعنی مطلق حیوان نیز یہ "کل حیوان ناطق" کے لفظی معنی ملحوظ ہیں نہ اصطلاحی اور منطقی۔

(ج) گرچہ خورشید انوری گردم چو گردوں از رتبے　　بے سنائی دم گزاں انجم سنائے می زنم

انوری اور سنائی کے معانی لفظیہ مراد لیتے ہوئے خود حکیم سنائی اور انوری کا ایہام بھی

موجود ہے۔

(د) ہمائے فتح شد پروردہ در زیر پرت ۔۔۔ زراغ کاشیانش بر سر زاغ کماں باشد

یہاں زاغ کے ہر دو معنی (یعنی زاغ کمان اور زاغ پرندہ) کا احتمال ہوتے ہوئے صرف ایک معنی (اوّل) کا لحاظ ہے۔

۲۔ ان معمولی صنائع (مخترعہ سابقہ) کے استعمال کے علاوہ امیر خسرو نے وسط الحیوٰۃ کے حمدیہ قصیدے میں ایک نئی صنعت کا ایجاد کیا ہے۔ وہ یہ کہ قصیدے کے ہر شعر میں آیاتِ قرآنی کا اقتباس کر کے اس طور پر نظم کیا ہے کہ اُس سے مواعظ و حِکَم پر استناد یا استشہاد بخوبی ہو سکتا ہے۔ حمد میں یہ التزام بالکل نیا ہے۔ اس حمدیہ پر مفصل بحث تو اگلے باب میں آئے گی۔ یہاں چند اشعار بطور مثال پیش کئے جاتے ہیں ؎

شکرِ او گویم و گرنے ما گدایاں را زغیب ۔۔۔ قسمتِ روزی دہد واللہ خیر الرازقین

ہیچ چیزے نیک و بد پیدا نگردد در جہاں ۔۔۔ ہرگز الّا ان یشاء اللہ رب العالمین

دیدہ نقاش را گر خونِ دل صورت کند ۔۔۔ آں نگار صورتِ نقاش من ماءٍ معین

دیکھو ہر دعوے کو آیتِ قرآنی سے مستدل کیا ہے۔ ایسا کوئی قصیدہ تحفہ اور غرہ میں موجود نہیں۔

۳۔ وسط میں ایک اور نئی صنعت کا اختراع کیا ہے جو تحفہ میں نہیں پائی جاتی۔ اس صنعت کا نام انھوں نے صنعتِ تخلص حال موقوف رکھا ہے جس میں یہ التزام

کیا گیا ہے کہ ممدوح کی مدح کے ساتھ ایک بیت میں لقب اور دوسری میں اس کا نام لایا جائے اور صنعت کی علّتِ غائی یہ بیان کی ہے کہ اگرچہ بیت سخن سے یہ پتا لگ سکتا ہے کہ یہ قصیدہ فلاں صاحب کی مدح میں ہے لیکن اگر بیت سخن محو ہو جائے تو پھر بقائے نام کی صورت بجز اس کے متصور نہیں ہو سکتی کہ خود شعر میں مدح کے ساتھ ممدوح کا نام نظم کر دیا جائے اس طور پر یہ غرض بخوبی حاصل ہو سکے گی۔ اسی کی تائید میں فرماتے ہیں

نکوتر چیزے اندر شعر نام ست　　　　که مانی زنده زیں نقشِ سیاہی

تنِ خسرو بمیرد ایں یقین ست　　　　دلِ خسرو نمیرد ہیچ گاہی

گویا شعر کو امیر خسرو نے آخری مصرعہ میں دل سے تعبیر کیا ہے اور شاید خواجہ حافظ نے عشق سے ؎

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بہ عشق

ثبت ست بر جریدۂ عالم دوامِ ما　　　　(خواجہ حافظ)

اس صنعت کی چند مثالیں درج ذیل ہیں :

(ا) شرف الدولہ فتح ملک کے لئے

اکنوں کہ آبِ دیدہ بلاگشت مر مرا　　　　چشمِ مرا کہ باز خرد از بلائے آب

دریائے مکرمت شرف الدولہ فتح ملک　　　　اے آنکہ ریزی از سخنِ جانفزائے آب

(ب) سلطان محمد خاں شہید کے لئے

ہنوز تا چہ کند غمزہائے کینہ ورت　　　　اگر ز لطف بریں بندہ مہرباں نبود

ستودہ نصرتِ دنیا محمدِ سلطان ۔۔۔ کہ جز بذاتِ وے از مہمت نشان نبود

(ج) شمس الدین دبیر کے لئے

چون غم سوختہ گشتند روان آب حیات ۔۔۔ از خطر صدرِ جہان وار بروں آوردند

شمس دیں مردمکِ چشم خرد کز دل او ۔۔۔ فضل بر اقیمت اقدار بروں آوردند

۴ ۔ وسط میں اک مفید اور عجیب صنعت جو امیر خسرو کی ذکاوت و دوربینی کی دلیل ہے۔
وہ صنعت ہے جو انھوں نے بطور معما وسط کی مجموعی ابیات کے متعلق ایجاد کی ہے۔
اگرچہ بعض اصناف کی تعداد انھوں نے ختم صنف کے آخر میں ایک ایک بیت کے
ذریعہ بیان کردی ہے۔

مثلاً قصائد کی تعداد اس شعر میں ۵۸ بیان کی ہے۔

شعر ایں دیوان پنجاہ و ہشت ست در شمار ۔۔۔ ہر کہ ایں را کم کند یارب کہ کم باد ش بقا

اور ترجیعات کی تعداد اس بیت میں ۱۰ لکھی ہے

چون زدہ ترجیع صد سلک گر دیدی کنون ۔۔۔ قطعہاے زر اگر خواہی بدکانِ من آ

اور قطعات کی تعداد اس میں ۴۲ بتائی ہے

ایں چہل قطعست و دو گر کم نویسد کس یکے ۔۔۔ باشد ایں نقشِ چہل بر جہل آں جاہل گوا

لیکن ان اشعار سے قصائد، ترجیعات اور قطعات کی مجموعہ ابیات کا پتا نہیں چلتا
اور نہ وسط کے باقی اصناف کی تعداد اور ان کی مجموعہ ابیات کے متعلق کچھ معلوم ہوتا ہے۔
اس کمی کو یہ قطعہ پورا کرتا ہے جس میں وسط کے جملہ اصناف شعر کی مجموعی تعداد ابیات

بتائی گئی ہے۔ وہ قطعہ یہ ہے ؎

واسطست از پئے حیاتِ ابد　　این کتاب از چنین خجستہ خطاب
در شمردن ز بیتہاے ترش　　ہشت ابر آمدست بر یک آب
غیم یعنی کہ ہشت بار بخواں　　ما بیک بارہ دیدہ ایم صواب
چار صد چل یکے ست و ہشت ہزار　　ہمہ بیت از چہل کشادہ نقاب
این شمارست وضع بندہ کہ نیست　　ہیچ کس را درو محلِ جواب

یعنی غیم کے اعداد (۱۰۵۰) کو آٹھ گنا کیا تو (۸×۱۰۵۰) = ۸۴۰۰ ہوئے اس میں ما کے اعداد (۴۱) اور ملائے تو کل آٹھ ہزار چار سو اکتالیس (۸۴۴۱) ہو گئے یہی تعداد وسط کی کل ابیات کی ہے۔

آخری شعر میں امیر خسرو کا اس ایجاد پر فخر کرنا بالکل بجا ہے غالباً اُن سے پہلے کسی نے اپنے مصنفات کے متعلق یہ التزام و اہتمام نہیں کیا۔

بہرحال امیر کے صنائع بدائع کے متعلق بحث کو طویل کرنا لاطائل ہے ؎

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں
بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

وجہ ترتیب وسط

تحفۃ الصغر کی طرح امیر خسرو وسط کے کلام کو بھی جمع کرنا نہ چاہتے تھے لیکن بعض احباب و مخلصین جن کے پاس یہ کلام (تمام تھا) محفوظ تھا مصر ہوئے کہ اس کو جمع کر دیا جائے۔ بنا بریں مرتب کیا گیا اور وسط الحیٰوۃ کے نام سے

موسوم ہوا۔ دیباچۂ وسط میں اس کے متعلق یہ الفاظ ہیں :

بعضے ابنائے جنس و اخوان انس بنات ابیات و امّہات قصائد من و
اخوات آں را بہ پردۂ اخوت با عصمت تمام نگاہ داشتہ بودند ہر یک را برمن
جلوہ کروند تا من آں مخدرات را از کاغذ قلم در لباس حریر قصب بیارا ستم و
عقد تحریر آوردم ؎

مود ّبند ہمہ زادگانِ خاطرِ من

وسط میں اصناف شعر

وسط الحیٰوۃ میں قصائد اٹھاون (۵۸)، ترجیعات دس (۱۰) اور قطعات بیالیس (۴۲) ہیں اور یہ تعداد اُس تصریح کے مطابق ہے جس کا ذکر امیر خسرو نے کیا ہے۔ باقی اصناف مثنویات دو (۲)، غزلیات تقریباً تین سو (۳۰۰) اور رباعیات ایک سو ستاون (۱۵۷) ہیں۔ یہ تعداد نسخ منقول عنہا کی بنا پر ہے۔

باب دوم

وسط پر تفصیلی نظر

(یعنی وسط کے قصائد، ترجیعات، قطعات، رباعیات، مثنویات اور غزلیات پر مفصل تبصرہ)

قصائد

حمد

حمد رانم بر زباں للہ رب العالمین — آنکہ بخشیدہ است از قرآں ھدی للمتقین

از سپیدی و سیاہی گیر تا لوح و قلم — یک رقم از خطِ حکمش وھو خیر الحاکمین

رحمتش ہیں مہرباں چوں مادرے کز فرث و دم[۱] — شیر خالص می رساند لذۃ للشاربین

شکر اگر گویم و گرنے ما گدایاں را ز غیب — قسمتِ روزی دہد واللہ خیر الرازقین

واں کہ از قندِ شکر ہم کرد شیریں کام خویش — از نوالش خورد حلوا را سیجزی الشاکرین

تحفۃ الصغر کی طرح وسط الحیوٰۃ کی حمدیہ نظم بھی طویل نہیں ۴۳ شعر ہیں ہر شعر میں اقتباس آیاتِ قرآنی کیا گیا ہے۔ مواعظ و حکم کے ضمن میں حمد کا انداز اور اس پر یہ التزام، بالکل جدید اسلوب ہے۔ حمد کی ابتدا تربیت عالم اور ہدایت پرہیزگاران سے کی ہے، ربوبیت کے بعد احکم الحاکمین کی غیر متناہی وسعت کا بیان اور اس کے امرِ کن سے لوح، قلم، دن، رات اور

---

۱ آیت، وان لکم فی الانعام لعبرۃ نسقیکم مما فی بطونھا من بین فرث و دم لبنا خالصا سائغا للشاربین
(پارہ ۱۴ سورۃ النحل)

تمام کائنات کا موجود ہونا اور شان رزّاقی و رحمت عامّہ کا ذکر مسلسل و مرتّب طور پر کیا گیا ہے "رحمتش بیں" میں تنبیہ کا نکتہ بھی ملحوظ ہے جس سے نعماء الٰہی پر شکر کی توفیق ہوگی۔

"من غلام روے ایشانم کہ او بر روے شاں | خال دیں بنہاد و اندر خلد کانوا خالدین
نور آمنّا برب العالمین داد از رسل | اہل ظلمت را کہ می گفتند کنّا مشرکین
انبیا را اندریں اللہ خطبۂ دولت نوشت | بز خبر از دفتر کلّاً جعلنا صالحین

اہل اللہ اور صلحا کا خادم ہونے سے صرف اُن کی عظمت ہی مقصود نہیں بلکہ یہ بھی بتانا ہے کہ ان نفوس مقدسہ کا وجود محض انعام و فضل رب ہے، مشرکین کا ہدایت پاکر عذاب دائمی سے نجات پانا اور حضرات انبیا کی کوششوں کا بار آور ہونا بھی اک نعمت عظمیٰ ہے، عند البیعت حضور (صلعم) کے دست مبارک کو اپنا ہاتھ بتانا باری تعالیٰ کی کمال رحمت اور انسان کی کمال شرافت پر دال ہے۔ آگے چل کر استقراء ابراہیمی سے دین حق (اسلام) کے فطری ہونے کو نہایت ایجاز کے ساتھ اس طرح ادا کیا ہے ؎

آں کہ از نور ہٰذا ربّی آمد از درست | چوں عنایت یافت گوید لا اُحب الآفلین

اس استقراء میں حسب ذیل آیات وارد ہوئی ہیں :-

۱- فلما جنّ علیہ اللیل رای کوکبا قال ھذا ربی فلما افل قال لا احبّ الآفلین،

۲- فلما رای القمر بازغا قال ھذا ربی فلما افل قال لا احب الآفلین

۳- فلما را الشمس بازغۃ قال ھذا ربی ھذا اکبر فلما افلت قال یا قوم انی بریٔ مما تشرکون

۴ - انی وجّہت وجہی للّذی فطر السمٰوات والارض حنیفا وما انا من المشرکین۔

اوّل کی تین[۳] آیات میں کواکب، قمر، اور شمس ہر اک کے لئے حضرت ابراہیمؑ کا قول ھذا ربی نقل ہوا ہے اور اُن کے چھپ جانے پر تبری کا اظہار جملۂ لا احب الآفلین میں کیا گیا ہے۔ حضرت امیر نے اس شعر میں انہیں دو جملوں کا اقتباس فرما کر استقرار ابراہیمی کی طرف اشارہ فرما دیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ چیزیں مٹ جانے والی ہیں اور ہر مٹنے والی چیز ربوبیت کی اہلیت نہیں رکھتی اس لئے یہ سب چیزیں ربوبیت کی اہلیت نہیں رکھتیں یعنی رب نہیں ہیں۔ بلکہ ان سب کے سوا جو ذات غیر متغیر اور ان سب کی پیدا کرنے والی ہے وہی رب ہے۔

نعت | وسط الحیوٰۃ میں تین قصیدے نعتیہ ہیں سب سے پہلا یہ ہے: ؎

وفا را نیست در آئینۂ عالم نموداری ۔۔۔ کہ از آسیب ہر تر دامنے بستست زنگاری

نہ بینم صیقلے صدق تا ز آئینہ بزداید ۔۔۔ کہ رخسار سلامت را پدید آید نموداری

ولیکن صورت از آئینہ چوں بر تافت بینندہ ۔۔۔ نگر صورت کہ نہ ہد آئینہ از صورت آثاری

دریں عہد از کسے کایں نیکوئی بود صورت ۔۔۔ نکو صورت کسے بینش نہ مردم روئے سنگساری

خاقانی کے نعتیہ "محیط و فاسست در بنہ آخر الزماں" کی طرح امیر نے بھی اس نعتیہ کا آغاز مواعظ و حکم سے کیا ہے اور زمانے کی غدّاری و بے وفائی پریشان دار تشبیب لکھی ہے۔ آئینۂ عالم کا کثرتِ گناہ سے زنگ آلود ہو جانا اور اُس میں سلامت وفا کا منعکس نہ ہونا اور کسی صیقل گر کا کہ اس کو صاف کر دے نہ پایا جانا مواعظ و حکم کے ایراد کا بہترین

اسلوب ہی، آئینۂ صورت، زنگار اور صیقل کا اجتماع اور آئینہ و آئین کی صنعت تجنیس بھی پُر لطف ہیں۔

مخلص و آغاز نعت :

بحمد اللہ کہ اکنوں از شفاے غیب شخصم را
نہ از تب ہست آسیبے نہ از ہرزہ آزاری

زمین آر د بروں تب را چو بینم نعتِ احمدؐ را
بہ بازوے دلم از رشتۂ جاں بستہ طوماری

محمدؐ نوشدارو ے کرم کامد زشہدِ لب
شفاے ہرتنے زاندوہِ عصیاں گشتہ بیماری

"نوشدار وئے کرم" سے حضور پر نور کے "کریم ہونے" اور شہد لب سے "انا افصح العرب والعجم" کی طرف لطیف اشارہ ہی اور نظامی کے مصرعہ

لب از بادِ عیسیٰ پُر از نوش تر

کا مضمون ہی۔ آخری مصرعہ میں امیر نے آپ کا طبیب روحانی ہونا اور ہر مریضِ عصیاں کے لئے شفائے تام ہونا خوش اسلوبی سے بیان کیا ہی۔

معراج اور اس میں جدّت اسلوب

الا اے بلبلِ ماذاغ و مازاغے چو تو بلبل
پہ دنیا کے نظر دارد چو زاغاں سوے مرداری

تو مرغِ چشمۂ عینی سر از نہ چرخ برکردہ
بہ مقدارے کہ مرغے می کند از آب منقاری

کمند افگندی از گیسو بکنگرہاے عرش آنگہ
ببامِ عرش بر رفتی زہے شب گرد عیّاری

پہلے شعر میں آیت "ماذاغ البصر وما طغیٰ" کا مضمون شاعرانہ انداز میں ادا کیا گیا ہی "ماذاغ" پر قوت تخیل صرف کرکے زاغ، ماذاغ، بلبل اور

نظر کے ایراد سے امیر نے اس شعر کو لفظی و معنوی محاسن کا مجمع بنا دیا ہی۔ دوسرے شعر میں مرغ، چشمہ، عین اور منقار میں رعایاتِ لفظیہ ملحوظ ہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی بتایا ہی کہ چشم زدن میں مسافت نہ چرخ سے طے ہوئی ؎

تنِ او کہ صافی تر از جانِ ماست
اگر آمد و شد بیک دم رواست (نظامی)

آخری شعر میں اسی مضمون کو باسلوب دیگر لطیف تشبیہ و استعارے میں ادا کیا ہی "زہے شب گرد عیّارے" کا لطف اس شعر سے حاصل ہوگا ؎

بتاراجِ اسیرانِ زلفِ تو عیّارہ می دارد
بخوں ریزِ غریباں چشمِ تو ہشیار تر بادا (خسرو)

نعت (۲)

تشبیب | نسیمِ بہاری خوش آمد ہوا را — کہ برگے دہد بلبلِ بے نوا را
کشید از میاں بید شمشیرِ لرزاں — کنوں دست بنا چہ پاے خارا را
بہشت است باغ اندرو سرو طوبیٰ — کہ ہمسایہ سدرۃ المنتہیٰ را
ہوا گرم شد بادِ سرد اندر آمد — گلِ لعل بکشاد بندِ قبا را
چو آتش کہ از چوب از سنگ خیزد — گل و لالہ می خیزد از خار خارا

بلبل کے باساز و برگ کہنے سے "جوشِ گل" کا اور "شمشیرِ لرزاں" سے بید کی نزاکت کا استعارہ بلیغ ہی۔ سایۂ سرو کو سدرۃ المنتہیٰ اور طوبیٰ کا سایہ قرار دینا

لطافتِ ہوا کے بیان کا بہترین اسلوب ہے۔ مصرعہ ؎

ہوا گرم شد بادِ سرد اندر آمد

میں گرم ہوا کے لئے "شد" اور سرد کے لئے "آمد" کا ایراد لطیف ہے۔
گل کے بندِ قبا کھولنے سے پھول کے کھلنے کا استعارہ اور چوب و سنگ سے آگ نکلنے
سے گل و لالہ کے اُگنے کی تشبیہ نادر ہیں۔ ان محاسن کے علاوہ تشبیب میں اک خاص
حلاوت اور سلاست پائی جاتی ہے جو ابیات کے باہمی ربط سے پیدا ہوئی ہے۔

کل انبیاء کرام کے بعد حضور کا تشریف لانا:

گر آخر رسی اے رسیدہ ز اوّل　　　تو آخر شہِ اوّلی انبیا را

اگر پس رسی جملہ را پیشوائی　　　بہ پس رفتن محرم پیشوا را

یعنی آپ ذاتاً و رتبۃً تو کل انبیا سے مقدم ہیں لیکن آپ کا ظہوراً و بعثۃً سب سے
آخر تشریف لانا آپ کے کمالِ قرب اور محرمِ راز ہونے کی دلیل ہے ؎

پیش از ہمہ شاہانِ غیور آمدۂ　　　ہر چند کہ آخر بظہور آمدۂ
اے ختمِ رسل قرب تو معلومم گشت　　　دیر آمدۂ زراہِ دور آمدۂ

(۳)

تیسرا نعتیہ کمال اسمٰعیل صفاہانی کے ہم ردیف و قوافی ہے۔ ذیل میں دونوں
کی تشبیب کے کچھ اشعار کا اقتباس کر کے مقابلہ کیا جاتا ہے۔

کمال اسمٰعیل　　　　　　امیر خسرو

رسید کوکبۂ آفتاب در سرطاں (۱) جہاں شد از نفحاتِ نسیم مشک فشاں
سحاب گشت بروے زمیں ستارہ فشاں　　چناں کہ از دمِ مجمر غلالۂ جاناں
شنیدہ ام سرطاں بود بچشمہ گزر (۲) کشادہ ماشطۂ صنع روے بند عدم
حیوان آبی ۱۲
عجب نگر کہ گزر یافت چشمہ در سرطاں　　بدست لطف ز رخسار خیرات حساں
آفتاب ۱۲ برج ۱۲
قمر کنانِ درستش پس از سہ بینی (۳) سر از دریچۂ ہستی ہمی کند بیروں
چرا بخانۂ او آفتاب شد مہماں　　ہر آں لطیفہ کہ بُد در مشیمۂ امکاں
نخست ہمچو سلیماں بہ تختِ باد نشست (۴) . . . . . .
پس آنگہے چو خضر تافت سوئے آبِ عناں . . . . . .

قدر مشترک دونوں کے ہاں تشبیب بہار و برسات ہے۔ امیر نے آفتاب کے برج سرطان میں پہونچنے سے موسم باراں کا بیان اور لفظ سرطان سے ایہام ذومعنین سے کر اظہار استعجاب کیا ہے۔ ساتھ ہی آفتاب کے خانۂ قمر میں مہمان ہونے پر بھی تعجب کیا ہے، کمال نے بھی تشبیہات و استعارات کا مینہ برسا کر ذکر برسات کیا ہے اور سے

"ہر آں لطیفہ کہ بُد در مشیمۂ امکاں"

سے کائناتِ بہار میں لطف پیدا کیا ہے، لیکن امیر کے ہاں تشبیہات "ہمچو سلیماں" اور "چو خضر" قریب الفہم ہیں۔

کمال اسمٰعیل		امیر خسرو
گہے ز دست نسیمست آب در زنجیر کنوں ز شکل حباب ست باد در زنداں	(۱)	گہے نماید و گاہے نہاں شود خورشید چو دختران حریص از حجاب شادرواں
چناں کہ بر سپرِ خیزراں پشیزہ سیم حباب دائرۂ آب و قطرۂ باراں	(۲)	چگونہ برق نہ خندد کہ ژالہ سنگ انداز (خیمہ، دریچہ) حباب شیشہ گری را کشادہ کردہ دکاں
کنارِ آب و کنارِ بتاں ز دست مدہ ازیں کنارہ ہمی رو بداں کنار چناں	(۳)	کنوں بہ ہر لبِ جوئے کہ بگذری دانی کہ ربع مسکوں خود با محیط شد یکساں
ز زحمتِ دمِ باران و جنبشِ دمِ باد اساس گنبدِ گل زود می شود ویراں	(۴)	ز کوہ سیل خروشاں فرو دمی افتد کہ می دوید و سر آمد بہ سنگہاے گراں
بروبہ بیں کہ چہ زیبا کشید دستِ بہار ز گونہ گونہ در اطراف باغ شادرواں (خیمہ)	(۵)	بساطِ خاک چو دیباے آبگون در رو بسانِ صورتِ دیبا نظارگی حیراں
" " " " " " " "	(۶)	چمن چو طوطیِ گویا حدیث خواہد کرد چو دید از آئینۂ آب عکسِ خود بہ عیاں

آفتاب کا کبھی دیکھ پڑنا کبھی ابر میں چھپ جانا، بجلی کا کوندنا، بوندوں سے بلبلے بن جانا، نالوں ندّیوں کا چڑھکر سمندر کی برابری کرنا، پہاڑوں سے پانی کے ریلوں کا شور کرتے ہوئے نیچے گرنا اور سبزہ سے تمام روئے زمین کا مخمل بن جانا امیر نے اپنے فطرت نگار قلم سے رقم کیا ہے۔ دخترانِ حریص، دکان شیشہ گری، دیباے آب گون وغیرہ

لطیف استعارات بھی موجود ہیں۔ کمال نے صرف دستِ تسلیم سے آب در زنجیر اور شکل حباب سے "باد در زنداں" کے تخیئلی نکتے پیدا کیئے ہیں اور دائرۂ آب کو سپر اور اس پر قطرۂ باراں کو گلہائے سیمیں مان کر قوّتِ شاعری صرف کی ہے اور شعر ؎

بر و یہ ہیں کہ چہ زیبا کشید دستِ بہار
زگونہ گونہ در اطرافِ باغ شادرواں

ہیں، طرفِ چمن کا موسمِ بہار میں نقشہ کھینچکر دیکھنے والے کے اندازہ کے لیے چھوڑ دیا ہے۔ لیکن حضرت امیر نے شعر ؎

چمن چو طوطی گویَی حدیث خواہد کرد
چہ دید از آئینۂ آب عکس خود بعیاں

ہیں، طراوتِ چمن اور صفائے آب کی بولتی چالتی تصویر کھینچی ہے۔ فیضِ بہار سے چمن کا طوطی بن جانا اور چمن میں آب جو کا آئینہ کی طرح مجلّیٰ و مصفّیٰ ہونا جس سے چمن بول اٹھا ہے وہ نکتہ ہے جو کمال کے شعر میں موجود نہیں۔

امیر کا مخلص ؎

مرا بہ شعر مباہات نیست اما ہست — زبعد حمد بہ نعتِ گزیدۂ سبحاں
محمد ابنِ ذبیحین و صاحبِ قوسین — کہ زیب یافت از و دو کمان و دو قرباں

ہست و نیست میں اقرار و انکار دو مختلف حیثیتوں کے اعتبار سے ہے۔ نعتِ محمدی نے شعر کو اس قابل بنا دیا کہ اس پر فخر و مباہات کیا جا سکتا ہے ورنہ شعر کی حقیقت بقول

مولنا نظامی " چوں احسنِ اوست اکذب او" ہے جو ہرگز مباہات کے قابل نہیں۔ ابن ذبیحین (حضرت اسمٰعیلؑ، حضرت عبداللہ) اور صاحبِ قوسین ہیں حضور کی شرافتِ نسبی اور معراج کی تلمیح کا نکتہ ملحوظ ہے۔

مراتبِ خاصّہ

امتناعِ مثل ؎

بشر بمثلِ تو گردد نہ گردد ایں ممکن　　　ملک مکانِ تو دارد ندارد ایں امکاں

آپ نبی الانبیا ہیں ؎

کشید پیشِ تو دست اندر آستینِ ادب　　　اگرچہ دستگہی داشت موسیِٰ عمراں
مسیح خوانچہ کشے بیش نیست بر خوانت　　　شکستہ از تو شود خوانچۂ فلک را خواں

آپ معلّم الانبیا ہیں ؎

معلّم اوست باوراقِ علّم الاسماء　　　خلیفہ آدم و ما طفلے از دبیرستاں

باعثِ تخلیقِ خلق ؎

مکونات ہمہ روزۂ عدم می داشت　　　بداں امید کہ قدرت نہد ز ہستی خواں

کائنات کا حضور کے خوانِ ہستی پر روزہ دارِ عدم ہونا۔ دبستانِ ازل میں آپ کا معلّمِ اول ہونا اور اس میں حضرت آدمؑ کا خلیفہ اور تمام نوعِ بشر کا تلمیذ ہونا ختمی مآب کے مراتبِ علمیہ کے اظہار کا بدیع اسلوب ہے اور لولاک لما خلقت الافلاک کو متضمن۔

منقبتِ شیخ

حضرت سلطان المشائخ نظام الدین محبوبِ الٰہی قدس سرہٗ امیر کے محبوبِ معنوی ہیں اُن کی منقبت میں امیر کا قلم افراط و تفریط سے بچ کر جادۂ اعتدال پر ہے، جو کچھ لکھا ہے وہ شایانِ شانِ سلطانی ہے۔ اس قصیدے کی تمہید زمانی کی بے ثباتی، عالمِ روحانی کی سیر مرشدِ کامل سے تعلق، نفس کشی اور معارف و حقائق سے لبریز ہے جس میں بتایا ہے کہ ہر سالکِ طریقت کو کن اصول پر کاربند ہونا چاہیئے۔ سب سے پہلے مرشد کی نظرِ کیمیا اثر کی ضرورت ہے لکھتے ہیں ؎

روندہ از نظرِ رہنما رسد بہ مقام　　نہ از سجادہ و زنبیل و خرقہ سوزن

آئینۂ دل کو زنگِ ماسوا (اللہ) سے صاف کرنا : ؎

دلے کہ نورِ خدا اندرو مقام گرفت　　خیال را نتواں دادا اندرو مسکن
چو آئینہ کہ مقابل بآفتاب کنی　　درو چگونہ کسے صورتے تواں دیدن

فریب و ریا سے احتراز ؎

بلوث و زرق میالاے دامنِ طاعت　　کہ زہر ناب شود از لعاب مارلبن

زہد و طاعات کا اظہار سالکین کے نزدیک "ریا" ہے جو راہ زنِ سلوک ہے خواجہ حافظ شیرازی لکھتے ہیں ؎

بشارت بر بکوے مے فروشاں
کہ حافظ توبہ از زہد و ریا کرد

اہلِ دل کا خاکِ پا بن جانا ؎

گل بقا طلبی خاکِ پاے مرداں باش ۔۔۔ کہ گل نتیجۂ خارست درمیانِ چمن

سب سے زیادہ ضروری چیز ہمت وسعی ہے: ؎

رسی بہمّتِ عالی زاوجِ ہمتِ خویش ۔۔۔ کہ بود قطرۂ آب آنکہ گشت دُرِّ عدن

شعر متضمن دعویٰ مع الدلیل ہے۔ خواجہ حافظ نے یہ مضمون یوں ادا کیا ہے ؎

در مکتبِ حقائق پیشِ ادیبِ عشق
ہاں اے پسر بکوش کہ روزے پدر شوی

اس مبارک تمہید کے بعد معذرت کرتے ہوئے اس طرح گریز کیا ہے ؎

کجا فتاد سخن از کجا در افتادم ۔۔۔ دریں حدیث زباں درکشم چہ جائے سخن
طہارتے کنم از آبِ چشمۂ تجرید ۔۔۔ بروں نہم قدمِ دل ز آب خانۂ تن
ز دیدہ خاک شوم پیشِ آستانۂ او ۔۔۔ مگر بچشمِ عنایت نظر کند بر من
چراغِ ملّتِ دیں شیخِ نظام الدیں ۔۔۔ کہ دین و ملّت دیں شد بنامِ او روشن

شیخ کے اوصافِ خاصّہ

شب بیداری و روشن ضمیری ؎

بزندہ داشتنِ شب دلِ منوّرِ اوست ۔۔۔ چراغِ پایۂ طشت آفتاب لگن (شمعدان)

مرتبہ "لِی مَعَ اللہ وقتٌ" ؎

دراں زماں کہ بخلوت انیس قرب شود ۔۔۔ کرامت زہرہ کہ تا گرد دش بہ پیرامن

شیخ کا زمرۂ ابدال سے ہونا ؎

اگرچہ دریا در راہ پیش او آید ‏ ‏ قدم نہد و تر نگردد کش دامن

بیانِ اوصاف بے کم وکاست ہے امیر نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ سلطان جی کے حالات واقعیہ سے مطابق ہے، جن سے امیر خسرو سے زیادہ واقف کون ہو سکتا ہے

بجنّ و انس راند پادشاہی
نظام الدین محبوبِ الٰہی

دیبالپور، حدود ملتان میں شہزادہ خان محمد کی شہادت اور لشکرِ اسلام کی شکست مغلوں کے ہاتھ سے ۶۸۳ھ ۶۸۴ھ میں واقع ہوئی ہے۔ خود امیر بھی شریک واقعہ تھے گرفتار ہو کر رہا ہو گئے۔ یہ سب حالات ایک تاریخی قصیدہ میں امیر نے قلم بند کئے ہیں تقریباً سوا دو سو اشعار ہیں۔ قصیدہ کا نام "حکم الحکم" ہے۔ ملا رضی کے ایک قصیدے کے ہم وزن و ردیف ہے دونوں کے چند تمہیدیہ اشعار درج ذیل ہیں:

رضی نیشا پوری[1]	حضرت امیر خسرو
چہ مایہ رنج کشیدم زیار تا ایں کار	خوش اندر راہ روانِ ولایتِ اسرار
بر آب دیدہ و خونِ جگر گرفت قرار	(۱) کہ در نشیمنِ عزلت گرفتہ اند قرار

---

[1] شیخ رضی الدین نیشاپوری بڑے علامہ و فاضل تھے ان کے درس میں طلبہ کی سات جماعتیں روزانہ تحصیل علوم کیا کرتی تھیں۔ طلبہ کے حوائج و ضروریات کی کفالت بھی شیخ رضی کی ہمت کریمانہ کرتی تھی شیخ کی حیات ہی میں شیخ کے درس تدریس کا شہرہ مشرق و مغرب میں پھیل چکا تھا شیخ کا زمانہ چھٹی صدی ہجری ہے خود اپنے دیوان میں لکھتے ہیں ؎

پانصد و پنجاہ و نہ چوں گشت از ہجرت تمام ‏ ‏ نقد شد در دار دنیا خلق را دار السلام
۵۵۹ھ ‏ ‏ (دیوان رضی)

امیر خسرو

نشستگانِ جہاں گرد چوں مسافرِ آب
روندگانِ زمیں ماندہ آسیا کردار (۲)

بچشمِ ہمتِ شاں چرخ کمتریں نقطہ است
کہ شکلِ دائرہ بینی زگردشش دوّار (۳)

سماعِ جاں شنوند وزیس بر آتشِ دل
ہزار گونہ معلّق زنند بر دیوار (۴)

عناں کشادہ بصحرائے قدس می پویند
عَلَم ز آتشِ دل کردہ زاب دیدہ سوار (۵)

رضی نیشاپوری

مرا ز یار وز کارش چہ پرسی الحاصل
ہزار گونہ بلا و جفاست تا کش یار (۲)

زہے چو سایہ زہے گشتہ صورتِ بیجاں
زعشقِ روئے تو گر آفتابش آید عار (۳)

چو آبِ دیدہ شدم سرنگوں زعشقِ رخش
کز آبِ دیدۂ عشّاق باد برخوردار (۴)

بہ تیغ ریختہ باد ا بخاک برخونے
کہ زخمِ عشقِ تو آنرا نریخت بر رخسار (۵)

رضی نے شکوہ و شکایاتِ عشق کے بعد مدح شروع کی ہے لیکن امیر کی تشبیب فقر و تصوّف کی تعلیم سے لبریز ہے۔ ان اشعار میں سلوک میں قدم زنی، دنیا کے خرخشوں سے یکسو ہو کر عزلت نشینی، اہل اللہ کی نظر میں تمام عالم کا پرکاہ کے برابر وقعت نہ رکھنا اور ذوق و شوق میں مست ہو کر تیزی اور چستی سے عالمِ قدس کی راہ طے کرنا بیان کیا ہے۔ مواعظ و حکم کے پیرایہ میں منازل و مدارجِ روحانی کا بیان امیر کا حصّہ ہے ؎

گہے خورند ز شمشیرِ "لن ترانی" زخم
گہے دہند براورنگِ "ربِّ ھب لی" بار

اہل اللہ کا مقصودِ اصلی رضائے دوست ہے، اُن کو دنیا کی راحت و مصیبت سے

سرو کار نہیں ہوتا وہ کبھی حضرت موسیٰؑ کی طرح جواب ناکامی (لن ترانی) سُن کر محو ہو جاتے ہیں اور کبھی حضرت سلیمانؑ کی طرح ہمہ نعمت سے سرفراز ہو کر شکر بجا لاتے ہیں ان کے نزدیک محبوب کی طرف سے قہر و لطف، صلح و جنگ، الزام و انعام (جو بھی ہو) سب محبوب ہے ؎

صلح و جنگِ اوست محبوبِ دلم
قہر و لطفش ہست مطلوبِ دلم (عطّار)

سرِ وجود قلم کن بزخمِ تیغِ نیاز — خطے بکش پس ازاں بر صحیفۂ پندار

تواضع اور تکبر دو متضاد اوصاف ہیں سے اول الذکر کی ترغیب و تحریص اور ثانی الذکر سے احتراز کی تعلیم ہے۔ تمام ملکات فاضلہ کا وجود تواضع پر موقوف ہے جو رفع تکبر سے حاصل ہوتی ہے۔

گریز و مخلص ؎

بگرمِ مہرِ گردوں ببیں کہ ایں مادر — ہزار حادثۂ جدید زند ستم یک بار
ہمیں بلا نگر امساں در حدِ ملتان — شکستِ میمنۂ مومن از کفِ کفّار
چگونہ شرح تواں داد آں قیامت را — کزاں فزع ملک الموت خواستے زنہار

حملہ بر کفّار :؎

چہ گویم آں صفتِ حملہ کردنِ غازی — بروئے خیبریاں ہمچو حیدرِ کرّار
وے چہ چارہ تواں کرد حکمِ محکم را — کہ گشت نا فرد از کارخانۂ قہّار

غازی سے مراد سلطان محمد قآن ہیں اور خیبریاں سے مغل کفار۔ "چہ چارہ
تواں کرد" سے یہ مقصود ہے کہ سب امور مقدرات الٰہی سے ہیں جن کو مجبوراً برداشت
کرنا پڑتا ہے۔

شہدا کی حالت میدانِ کارزار میں ؎

چو جرعہ خونِ شہیداں بگل سرشتہ تمام | چو گل بروے اسیراں برشتہ بستہ قطار
دوال بازیِ سر در شکنجۂ فتراک | شکنجہ کاریِ گردن برشتۂ افسار

یاگدو ۱۲

خاک و خون میں شہدا کی لاشوں کا آلودہ ہونا ان کے سروں کا فتراک میں
لٹکایا جانا اور اُسرا کی گردنیں رسیوں میں باندھ کر لے چلنا میدانِ کارزار کی عینی شہادت ہے

خود امیر کا گرفتار ہونا ؎

اسیر گشتم و از بیم آنکہ خوں ریزد | نمی نماند ز خوں در تنِ نحیف و نزار
چو آب بے سر و پا می دویدم و چو حباب | ہزار آبلہ در پا ز رفتنِ بسیار
برہنہ ماندہ تنِ چوں درخت گاہ خزاں | ہزار پارہ چو گل از خراشِ خار آزار

امیر قید ہیں، افتاں و خیزاں آبلہ پا کشاں کشاں جا رہے ہیں جسم برہنہ ہے
اور ضعف سے خشک و لاغر ہو گئے ہیں۔ آنکھوں سے قطراتِ اشک ٹپک رہے ہیں۔
ایک مغل سوار محافظ ہے جس کے منہ سے بدبو پھوٹ رہی ہے اس کی ٹھڈی پر موئے زہار
پھیلے ہوئے ہیں، امیر کے سر پہ توبرہ چڑھا ہوا ہے جس کا برداشت کرنا امیر کو سخت
دشوار ہو رہا ہے ؎

من کہ بر سر نمی نہادم گل — تو برہ بر سر نہاد و گفتا چل

بالآخر امیر رہا ہوتے ہیں اور رہائی موجبِ مسرت نہیں ہوتی کیوں کہ یارانِ رفتہ اور دوستانِ گزشتہ کی یاد ستا رہی ہے ؎

ہزار شکر خداوند را کہ داد خلاص — نہ دل ز تیر شگافتہ نہ تن ز تیغ فگار
ولے چہ سود مرا از خلاصِ آں کہ شدند — گستہ گشت چو سلکِ مہاجر و انصار
نماند ہیچکس از دوستانِ پار امسال — معائنہ ہست کہ امسال نیز گردد پار

تاریخ واقعہ ؎

کنوں کہ شش صد و ہشتاد و چار شد تاریخ (۶۸۴)
مرا بہ سی و سہ آمد نوید سی و چہار (۳۳ - ۳۴)

یعنی یہ واقعہ امیر کی عمر کے تینتیسویں سال کے آخر اور چونتیسویں سال کے آغاز میں پیش آیا (۶۸۳ھ-۶۸۴ھ) اس لحاظ سے امیر کا سنِ ولادت آغاز ۶۵۱ھ ہوتا ہے۔

وسط میں ایک شاندار قصیدہ خاقانی کی طرز پر مواعظ و حکم و نکات علوم و فنون سے لبریز پایا جاتا ہے جس میں امیر نے اپنی جودت طبع اور قوت تخیل کے پورے جوہر دکھائے ہیں۔ قصیدہ کا نام بھی نہایت موزوں "عالم العلم" رکھا ہے۔ ذیل میں اس قصیدہ کا ضروری اقتباس ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے:

تشبیب فخریہ:

من کہ در گلزارِ عالم نو نوائے می زنم | باغِ جاں را از نفس بادِ صبائے می زنم
کلکِ سحر آشام را بر یدِ بیضا می نہم | جادوانِ دہر را بر سر عصائے می زنم
تیرِ فکرت چوں زنم از فیلسوفی بگزرم | تیغِ ہمت چوں کشم بر بادشائے می زنم
ہمتم بر عرش و الامستوی شد از کرم | من کہ اکرامی علی العرش استوائے می زنم
دامن از بارِ گہر صد پارہ بینی خلق را | چوں ز دریائے سخن موجِ سخائے می زنم

اپنی جودتِ طبع و فصاحت و بلاغت کا اظہار "نو نوائے می زنم" اور "از نفس بادِ صبائے می زنم" سے کیا ہے اور "جادوانِ دہر را بر سر عصائے می زنم" سے یہ بتایا ہے کہ میرے قلم جادو رقم کے مقابلہ میں تمام مدعیانِ شعر کا کلام سحر باطل ہے۔ آگے چل کر تیزیٔ فکر، بلندیٔ ہمت، استقامتِ کرم اور طبع رواں کے بحر زخار ہونے پر لطیف پیرایہ میں فخر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میرے دریائے سخن کی موجِ سخا ہر طالب کے دامنِ مقصود کو جواہر آب دار سے پُر کر دیتی ہے۔ دامن از بارِ گہر صد پارہ بینی الخ۔

"صد پارہ بینی" میں کثرت و علوئے مضامین کا نکتہ بھی ملحوظ ہے ؎

لا دو سر شد دور باشِ دین و دنیا چوں ترا | دور باشے می زنم ہر گہ کہ لائے می زنم
با فلک دارم سرے وز دور باشِ خویش ہم | چہ سراچہ از سرائے تا سرائے می زنم

خاقانی نے لا میں تنوع پیدا کر کے مضمون آفرینی کی ہے۔ لکھتے ہیں ؎

۱- لا زاں شداتہ دہائے دوستا فرو خورد — ہر شرک شک کہ در رہِ الاّ شود عیاں

۲- لا حاجب ست بر درِ الاّ شدہ مقیم — کو ابلہان باطلہ را می زند قفا

امیر نے بھی اشعار بالا میں خاقانی کی طرح لا سے ذکر (لا الٰہ الا اللہ) نفی و اثبات مراد لے کر اس کو "دور باش" دین و دنیا قرار دیا ہے۔ اس کا ایک سرا دین اور دوسرا دنیا کا نقیب ہے۔

دوسرے شعر سے یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ میری ضربِ لا نے مجھے دونوں جہان سے مستغنی کر دیا ہے۔

علوِ مرتبہ، فلکِ خمیدہ کمر کی لگد کوبی، امیر کے اقلیم سخن کی وسعت اور اس کا دار السلطنت۔

پا نہم بر پشتِ گردوں لیک می سوزم زمہر — کیں لگد ہر چہ بر پشتِ دوتائے می زنم

خسروم بر بادشاہانِ سخن فرماں روا — تختِ خود بر فرقِ ہر فرماں روائے می زنم

جائے من دہلی کہ ہر حرفم سوادِ اعظم ست — طبل دار الملکی اندر روستائے می زنم

آہ دہلی! تیرا سوادِ اعظم، تیرا خسروِ اقلیم سخن اور اس کا طبلِ دار الملکی کہاں؟ تیرے کچھ آثار باقی ہیں جو اہل نظر کے لئے عبرت انگیز و رقت خیز ہیں ؎

از نقش و نگارِ در و دیوارِ شکستہ — آثار پدید ست صنا دیدِ عجم را

موعظت حسنہ:

رغبتے در فسق چوں سست اعتقادے می کنم — ردکتے بے صدق چوں ناپارسائے می زنم

از خلافِ طینتم پاۓ وجود اندر گِل ست　　　باچنیں آلودگی لافِ صفاۓ می زنم

موعظت میں تاثیر کا پہلو اپنے نفس کے محاسبہ و مخاطبہ میں مضمر ہے، امیر خسرو کبھی اس کو نظر انداز نہیں کرتے۔ یہاں بھی سست اعتقادی، ناپارسائی اور نفاق آلودگی کی مذمت اپنے نفس پر محمول کرکے اس انداز سے کی ہے کہ سامع بجاۓ تنفر کے قائل کے حال سے عبرت پکڑتا اور خود بخود ترکِ معاصی پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

اصطلاحاتِ علمیہ کی تضمین :۔

گر بکارِ منطق و منطق بہ ندہم منطقہ　　　خود نطق ایں بجز ناطق آشناۓ می زنم

این و کیف و وضع و ملک و کم متی فعل انفعال　　　شد مضافِ جوہرم زیں و دہاۓ می زنم

باچنیں دعویٰ چو گوئی کیف و کم گویم جواب　　　کیف ماکاں ابلہے را دست و پاۓ می زنم

مقولاتِ عشر، صرف دوسرے شعر میں نظم کردیئے ہیں۔

مباحثِ کلامیہ کو نظم کرنے کی قدرت :

شرک نارم ور بگوئی صانعِ خیر ست و شر　　　خنجرِ سر بر سرِ ہر ماسواۓ می زنم

واں کہ علت را حوالت می کند بر فعل او　　　جاں فدا کردہ بہ پیش ہم فداۓ می زنم

یک زمان ور یک تن از ہر دو فراہم گشت ضد　　　ور یکے ثابت نیست پس ابلاۓ می زنم

چوں دو دم عاجز نہ حق پس لازم آمد حق یکے　　　من یکے حق گویم و چرخ از ولاۓ می زنم

اقرارِ توحید اور اس کے خلاف شرک کو بدلائل باطل ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور نہایت ایجاز کے ساتھ ان اشعار میں توحید پر استدلال قائم کیا ہے جس کا

حاصل یہ ہے: خالقِ خیر وشر واحد ہے ورنہ اگر دو ہونگے تو (دونوں کے علّت مستقلہ ہونے کی وجہ سے) ایک ہی وقت میں ایک ہی شے سے صدورِ خیر وشر ہونا واجب ہوگا لیکن یہ خلاف بداہت ہے۔ اگر کہا جائے کہ دو تو ہیں لیکن ایک قوی ہے اور دوسرا عاجز تو اس صورت میں بھی ظاہر ہے کہ عاجز ومغلوب قوی اور غالب کے ہوتے ہوئے کسی شے کی علت تامّہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا پس لامحالہ علتِ تامّہ (خیر وشر کی) ایک ہے۔ اس استدلال سے امیر کی دقّتِ نظر اور وسعتِ معلومات کا پتا چلتا ہے۔ نیز یہ کہ فلسفہ وکلام میں ان کا پایہ نہایت بلند ہے:

عناصر اربعہ لطف حق سے پیدا ہوئے ہیں ؎

خاک وآب وباد وآتش شد ز لطفِ حق پدید   من کہ نطقم تنیت خاکے برنقائے می زنم

مولانا روم لکھتے ہیں ؎

آب وباد وخاک ونار پُرشرر   بے خبر با ما وباحق باخبر
بالعکسِ آں ز غیرِ حق خبیر   بے خبر از حق وزچندیں نظیر

امیر نے "از لطفِ حق پدید شد" سے مولانا کے شعر اول کا مضمون صرف مصرعۂ اولیٰ میں ادا کر دیا ہے، دوسرا مصرعہ مولانا کے دوسرے شعر کو متضمن ہے۔

انوری وسنائی کا ایہام ؎

گرچہ خورشید انوری گردم چو گردوں از رقے
بے سنائے دم کز ان انجم سنائے می زنم

کل قصیدہ نکاتِ نجوم، ریاضی، فلسفہ، منطق، کلام، معانی، بیان، صرف و نحو وغیرہ سے لبریز ہے۔ بخوفِ طوالت زیادہ اقتباس نہیں کیا گیا۔

شہزادہ خان محمد کی مدح میں ایک مختصر قصیدہ کمالؔ کی ایک قصیدے کی ردیف و قوافی میں امیرؔ نے لکھا ہے وزن و بحر دونوں کے یکساں ہیں۔ ذیل میں دونوں کا اقتباس کر کے موازنہ کیا جاتا ہے:-

کمال اسمٰعیل		امیر خسرو
بگویم ار نہ کند رخنہ در مسلمانی		چو زلف غالیہ گوں بر عذار بفشانی
توئی کہ نیست ترا در ہمہ جہاں ثانی	(۱)	نہد بہ پیش رخت آفتاب پیشانی
بروزگارِ تو نزدیک شد کہ برخیزد		ز شانہ زخم زباں گرچہ می کشد زلفت
ز زلف ماہرخاں وصمتِ پریشانی	(۲)	نمی کند سرِ موئے کم از پریشانی
ز تابِ چشمِ تو پیکانہاے لعل شود		خراب کرد جہاں چشمِ کافرت افسوس
بچشمِ خصمِ تو در لعلہاے پیکانی	(۳)	کہ نیست ہیچ کسے را غمِ مسلمانی
روا مدار پراگندگیِ خاطرِ من		جہاں سیاہ مکن از سیاہ کاری خط
براے نظمِ معیشت ز فرطِ حیوانی	(۴)	دگر کنی رسدت زانکہ آبِ حیوانی

دونوں کی تشبیب متضمن بہ مدح ہے۔ کمالؔ نے ممدوح کو بے نظیر اور سارے جہان سے بہتر بتایا ہے۔ امیرؔ نے ممدوح کے چہرۂ تاباں پر زلفِ خوش گوار کا منظر

دکھا کر اس کے روبرو آفتاب کو عاجز اور ناصیہ فرسا قرار دیا ہے۔ دوسرے شعر میں کمال نے پریشانی کا داغ حسینوں کی زلف سے مٹا کر عہدِ ممدوح کی تعریف کی ہے لیکن امیر کے ہاں یہ پریشانیِ زلف کا ممتاز وصف ہے اور تمام یہ باقی ہے ؎

نمی کند سر موے کم از پریشانی

تیسرے شعر میں کمال نے "پیکانہاے لعل" اور "لعل ہاے پیکاں" کا الٹ پھیر پیدا کیا ہے۔ اس کے مقابلہ میں امیر کے ہاں چشمِ کافر کا استعارہ اور اس کی غارت گری سے سارے جہان کا ویران ہو جانا اور کسی کو فکرِ مذہب باقی نہ رہنا اور اس پر اظہارِ افسوس کرنا تغزل کی انتہائی حد ہے بلاشبہ امیر کا شعر اپنی خوبیوں کے لحاظ سے نہایت بلند ہے۔ کمال کے چوتھے شعر میں "زفرطِ حیوانی" سے ممدوح کے لئے خلافِ مقصود ایہام بھی موجود ہے۔ امیر کے شعر میں خط کی "سیاہ کاری" "آبِ حیوانی" سے دھل گئی ہے۔ آگے چل کر امیر نے ممدوح کی سواری اور اس کے عرق فشاں چہرہ کا نقشہ کھینچ کر "آہستہ خرام بلکہ مخرام" کی درخواست اس طرح پیش کی ہے ؎

سوارہ می گزری مست کج نہادہ کلاہ	عرق چکاں ز دو رخ چوں گلابِ ریحانی
بزیرِ نعلِ سمندِ تو کشتہ شد شہرے	عناں بدار کہ مستی و تندمی رانی

امیر   کمال

جود و سخا۔ حدیثِ بخششِ او باد اگر بابر برد	چو ابرِ جودِ تو بارانِ جود بار اند
ہزار بار کند ابر تیرہ بارانی	ہوا ز ابر بپوشد لباسِ بارانی

امیر کے ہاں ہزار بار سے کثرتِ جود کا نکتہ زیادہ پایا جاتا ہے ؎

کمال	امیر	
بہ گلستانِ جہاں غنچہ ہائے آمالت	ہزار دستۂ گل در دو دستِ تو بادا	دعا
شگفتہ باد ز انفاسِ لطفِ رحمانی	کہ دستہ دستہ بفرقِ جہاں بر افشانی	

کمال نے ممدوح کے غنچۂ امید کے شگفتہ ہونے کی دعا کی ہے۔ امیر کی دعا بلحاظ وسعت و عموم شمول صرف ممدوح تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ ذاتِ ممدوح سے سارے جہان کا فائز المرام ہوتے رہنا مفہوم ہوتا ہے۔ دست، دستہ میں صنعتِ تجنیس اور دستہ دستہ کے تکرار سے کثرت کے نکتہ کی شاعرانہ خوبیاں بھی موجود ہیں۔

شہزادہ خان محمدؒ کی مدح میں ایک اور قصیدہ کمال کے ایک قصیدے کے جواب میں وسط میں موجود ہے دونوں کے ردیف و قوافی اور وزن یکساں ہیں کچھ اشعار ہر اک قصیدے سے منتخب کر کے موازنہ کیا جاتا ہے:

کمال اسمٰعیل		امیر خسرو
زہے ز سنبلِ تر کردہ لالہ را پردہ	(۱)	بکش بگردِ رخ از خطِ دل ربا پردہ
بر آسماں زدہ عکسِ رخت سرا پردہ		کہ کس ز شب نہ کند آفتاب را پردہ
یکے ز چہرہ بر انداز پردہ تا خورشید	(۲)	ز بیم آنکہ رسد چشمِ آفتاب بتو
فرو گزارد بر چہرہ از حیا پردہ		بہ بندد ابر بہر لحظہ در ہوا پردہ

کمال اسمعیل		امیر خسرو
ز شرمِ قامتِ توسروِ بوستاں چہ عجب		گل از رخِ تو بدزدید روے پنہاں داشت
کہ ہمچو غنچہ کند دامنِ قبا پردہ	(۳)	ولیک پارہ شدش ناگہ از صبا پردہ
مرا چو مردمِ چشمی ز پردہ بیروں آ		جمالِ روے تو پوشیدہ چوں نخواہد ماند
کہ نیست مردمکِ چشم را سزا پردہ	(۴)	مپوش پیشِ رخ از پردۂ دوتا پردہ

دونوں نے خطِ رخ سے تشبیب شروع کی ہے اور پردہ کی مناسبت سے شاعرانہ نکات پیدا کئے ہیں۔ کمال نے مطلع میں خط کو سنبلِ تر اور رخ کو لالۂ احمر قرار دے کر عکسِ رخ سے آسمان پر حسن کا خیمہ قائم کیا ہے' امیر نے اپنے مطلع میں خطِ دلربا کو شب' اور چہرۂ تاباں کو آفتاب بتا کر تعجب کے لہجہ سے تشبیہ کی ندرت اور لطافت کو قوی کر دیا ہے چمکتے ہوئے چہرہ پر خط کی سیاہی آفتاب پر شب کا پردہ ہے۔ دونوں شعر بلیغ ہیں۔ دوسرے شعر میں کمال نے شاعرانہ انداز میں یہ بیان کیا ہے کہ آفتاب' رخِ یار کے بے نقاب ہونے سے شرمندہ ہو کر پردہ نشین ہو جاتا ہے جس سے چہرہ کی چمک و تابش کا آفتاب کی چمک پر فوقیت رکھنا مفہوم ہوتا ہے لیکن امیر کے ہاں یہ مضمون بہت بلند اور برجستہ واقع ہوا ہے یعنی اس خیال سے کہ آفتاب کی نظر (بد) رُخِ ممدوح پر نہ پڑ جائے ابر ہر وقت ہوا میں بادلوں کا پردہ کئے ہوئے ہے۔ لطیف اسلوب ہے۔

تیسرے شعر میں کمال نے قامتِ یار کی تعریف کا یہ اسلوب اختیار کیا ہے کہ غنچہ کی طرح سروِ بستانی اپنی قبا میں روپوش ہے اُس کو قامتِ ممدوح کے مقابلہ کی

تاب نہیں یعنی ع سرو زمین میں گڑ گیا قامتِ یار دیکھ کر۔ لیکن امیر خسرو نے شعر ۳ میں رخِ یار کے مقابلہ میں گل کی پردہ دری جس خوبی سے کی ہے محتاجِ ستائش نہیں۔ گل رخِ یار سے کچھ چرا کر چھپ جاتا ہے لیکن صبا تلاش کر کے اس کا پردہ فاش کرتی اور دامن چاک کر دیتی ہے، جس سے محض رخسار کی فضیلت ہی گل پر ثابت نہیں ہوتی بلکہ باعتبار لطافت و نزاکت اور سرخی و خوشبو کے بھی رخِ ممدوح اصل اور گل نقل ثابت ہوتا ہے ؎

چوں روئے تست غنچہ اما سخن بداند چوں چشم تست نرگس اما حیا ندارد (غالب)

چوتھے شعر میں کمالؔ نے بہ لطائف الحیل درخواستِ دیدار پیش کی ہے اور چشم و پردہ اور مردمک مناسبات بھی ہیں۔ مگر حضرت امیر کے ہاں اس مدعا پر جو وجہ پیش کی گئی ہے وہ نہایت معقول ہے۔ یعنی جب کہ تیرا جمال، کوئی چھپ رہنے والی چیز نہیں ہے اور آخر کار عیاں ہو کر رہے گا تو اس کا چھپانا عبث ہے۔ "مفت کرم داشتن" کے طور پر ہماری استدعا قبول کی جائے اور رخِ زیبا سے پردہ دوتا اٹھا دیا جائے۔ امیر کا شعر معنوی حیثیت سے بہت بلند ہے۔

مخلص و آغاز مدح ؎

فلک کہ پردۂ او آہِ من بسوخت مگر بخواہد اندر فرزند بادشا پردہ

شہِ سپہر سراپردہ نصرۃِ دنیا کہ بخت بر درش آویختا زہا پردہ

فرزند بادشاہ سے شہزادہ نصرۃ الدین خاں محمدؒ (شہید) ابن کلاں غیاث الدین بلبن مراد ہے۔

امیر خسرو کے ترکِ خطا ہونے کا ایہام۔ اور معذرت

چو ترک بستہ زبان ست گر خطا گوید بذیلِ عفو فرو پوشش بر خطا پردہ

ایک قصیدے میں مغلوں کے حملے اور اُن کی شکست کھا کر بھاگ جانے کا ذکر نہایت خوبی سے کیا ہی۔ اس قصیدے کے جستہ جستہ اشعار ہدیۂ ناظرین ہیں ؎

مدح : شہر یارے کا فرش تا ماہ تاباں میرسد ماہ تاباں از پئے خدمت شتاباں میرسد

نصرتِ دنیا محمد گوہر افراسیاب آنکہ او را دورہ دارائی زدوراں میرسد

می برد تختِ سلیمانی زیادِ دولتش من برین خاتم گرش خوانم سلیماں میرسد

شہزادہ محمد کی مدح ہی ردیف و قوافی نہایت پسندیدہ ہیں۔ مطلع ہی میں "کا فرش تا ماہِ تاباں میرسد" سے حملۂ کفارِ مغل کی طرف اشارہ کر دیا۔ نسب اور شان و شکوہ کے لحاظ سے افراسیاب اور دولت و مملکت کے اعتبار سے اس کو سلیمان کہنا مدح خوشترین و بہترین اسلوب ہی۔ اس مختصر گر شاندار و لطیف مدح کے بعد امیر نے واقعات حملہ اس طرح بیان کئے ہیں :

مغلوں کا خراسان سے حملہ اور کرمان کی طرف گریز	گرچہ دریائے مغل با پرّ بوم در روے شوم صف کشیدہ چوں کلنگاں از خراساں میرسد لیک در وقتِ گریز از تیغِ کشور گیر شاہ ریزہ ریزہ می شود آنگہ بکرماں میرسد

دشمناں جاں را بجنبد زیں آرزو تری کنند ہر کجا از تیر ترکان تو باراں میرسد

چنگیز مغلوں نے خراسان کی راہ سے ملتان واچہ کی حدود میں حملہ کیا تھا لیکن نہایت بُری طرح شکست کھاکر اس کو کرمان بھاگنا پڑا

ملتان میں کمک پہونچتی ہے

خاکِ ملتاں ہر زماں بر آب دیگر می شود چوں سپاہی ہیچو دریاے بملتاں میرسد

گوئیا وامیست کو بر دشمنت خواہد گزارد تیغ را ہر زخم کاں از تپک سنداں میرسد

تلوار نے کچھ آدھار باقی نہیں رکھا جو کچھ گھن اور سنداں سے لیا تھا سب دشمنوں کے سر پر مع سود ادا کردیا۔ نہایت عمدہ اسلوب سے تلوار کی کاٹ اور بہادروں کی تیغ زنی کا ذکر کیا ہے۔

معز الدین کیقباد اور سلطان ناصر الدین محمود (بغرا خاں) کی ملاقات وسط میں ایک شاندار قصیدہ موجود ہے جس میں تہنیت کے بعد باپ اور بیٹے کے اتفاق کا ذکر خوش اسلوبی سے کیا گیا ہے۔ گو امیر نے اس واقعہ کی مفصل سرگزشت مثنوی قران السعدین میں لکھی ہے۔ لیکن یہ قصیدہ بطور تہنیت ہے۔ اس کے جستہ جستہ اشعار ہدیۂ ناظرین ہیں:۔

تمہید آغاز واقعات

زہے ملک خوش چوں دو سلطاں یکے شد زہے عہد خوش چوں دو پیماں یکے شد

پسر پادشاہ و پدر نیز سلطاں کنوں ملک ہیں کاں دو سلطاں یکے شد

یکے ناصر عہد و محمود سلطاں کہ فرمانش در چار ارکاں یکے شد

دگر شد معزِّ جہاں کیقباد آں کہ در ضبطش ایران و توراں یکے شد

حضرت یعقوب و یوسف سے تشبیہ

بدیں قصہ بشنو کہ یعقوب و یوسف دریں ملک بے رنج اخواں یکے شد

اب ترکوں کے حملے کا خطرہ جاتا رہا ؎

کنوں روے درچیں نیارند ترکاں
بہندوستاں چوں وخاقاں یکے شد

ترک وہندو ایک ہو گئے ؎

بروں شد دوئی از سر ترک وہندو
کہ ہندوستاں با خراساں یکے شد

جشن وصلائے عام ؎

بصد میہمانی صدا داد عالم
چو بر خوانِ شاہی دو مہماں یکے شد

مقام مصالحت ؎

بآبِ دگر بینی آفاق ہر دم
چو از ابرِ رحمت دو باراں یکے شد

ناصر الدین لکھنوتی سے اور معز الدین دہلی سے چل کر اودھ میں دریائے سرو (سرجو) کے کناروں پر دونوں طرف آپڑے تھے بالآخر باپ نے بڑھکر آپس میں مصالحت کر لی اور باہمی مناقشہ رفع کر دیا۔

امیر نے شہزادہ محمدؒ کی مدح مغلوں کو شکست دینے پر کئی قصیدوں میں کی ہے۔ ذیل میں جس قصیدہ کا انتخاب کیا گیا ہے وہ باعتبار تشبیب و تضمین واقعات تاریخی باسالیب متنوّعہ نہایت شاندار ہے۔ ہم ذیل میں اس کا ضروری اقتباس ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

تشبیب | وقت آں آمد کہ بر بالائے گردوں تر شود
ابر نیسانی کز و آوازِ بلبل تر شود

از زرافشانی گل و نرگس ہمہ روے زمیں　　شد چناں ار خاک اورشت گیری زر شود

صبحدم مرغانِ بہ بانگ آیند و زبادِ نسیم　　خاک ریزہ پرِ مرغاں بیضۂ عنبر شود

گہ قبا را چست بندد گہ کلہ را کژ نہد　　غنچہ را آں دم کہ بر خود خواب اندر سر شود

ابر نیسانی سے آوازِ بلبل کا تر ہونا اور اس لئے اس کا آسمان تک پہونچنا، گل و نرگس کی زرافشانی سے تمام روئے زمین کا زریں بن جانا کہ جہاں سے اٹھائے سونا ہاتھ میں آئے۔ صبحدم مرغانِ چمن کی نغمہ سنجی، بادِ نسیم کی عنبر بیزی اور غنچہ کے کلاہ کج اور چستی بندِ قبا کا ذکر صبح بہار کی زندہ تصویر ہی اور بلاشبہ تشبیب کا یہ انداز امیر کا حصہ ہے۔ ابر کی سیارہ افشانی ؎

ابر در سیارہ افشانی قیامت می کند　　زیں قیامت را ضیم گرنا گہاں محشر شود

اس پیاری تشبیب کے بعد مدح شروع ہوتی ہی جس میں ممدوح کی شجاعت کا ذکر اس طرح کیا ہے

دستِ او شمشیر را در تنگ چنگزخاں زند　　چوں بعزمِ رزم سوے لشکر آں کافر شود

گر پرند ایشاں ز لشکرہاے پُر مور و ملخ　　باک نبود مور را در وقتِ مردن پر شود

مغلوں کا ٹڈّی دل لشکر ممدوح کی فوج ظفر موج کے مقابلہ میں شکست کھا کر بھاگ ہی نہیں گیا بلکہ پردار چیونٹوں کی طرح ہلاک ہوا ؎

مور ہماں بہ کہ نباشد پرش

چشمۂ خورشید ممدوح کی تابشِ شمشیر سے خشک ہو جاتا ہی ؎

خسروا آبے نماند چشمۂ خورشید را　　تابِ شمشیر تو گر بر گنبدِ اخضر شود

نسیمِ خُلق نافہ را سودائے مشک از سر ہمہ بیروں رود | گر نسیمِ خُلقِ تو بر نافہ ای از فسر شود

حسنِ طلب بندہ خسرو را بپرور کو جہانِ دانش ست | تا ازیں پس نامِ تو شاہِ جہاں پرور شود

بیشک امیر خسرو جہانِ دانش ہیں اس اعتبار سے اُن کی پرورش ایک علمی جہان کی پرورش ہے۔

غیاث الدین بلبن کی مدح میں امیر نے ایک قصیدہ خاقانی کے ایک قصیدہ کے ہموزن و قوافی لکھا ہے۔ نہایت شاندار ہے ذیل میں دونوں کا کچھ انتخاب کر کے مقابلہ کیا جاتا ہے۔

امیر خسرو		خاقانی
روے بنمود صبح سیم عذار	(۱)	الصبوح الصبوح کامد کار
ساقیِ صبح روے بادہ بیار		انشار انشار کامد یار
جام دہ رو نما بصبح کہ باز	(۲)	جام فرعونی اندر آرکہ صبح
روے بنمود صبح سیم عذار		دستِ موسیٰ برآرد از کہسار
شمع را بر سر آمدست حیات	(۳)	چرخ برکار و یار و ما بصبوح
شربتے از قنینہ بیروں آر		می کند لعبتان دیدہ نثار
آتشِ شرق (صراحی) از دمیدنِ صبح	(۴)	در سفالِ خم آتشے ست کہ ہست
می زند شعلہ بے دخانِ شرار		عقل حرّاق او دروح شرار

دونوں نے صبوحیِ صبح سے آغاز تشبیب کیا ہے۔ خاقانی کے مطلع میں الصبوح

اور انشار کا تکرار بامزہ ہے لیکن "جامِ فرعونی" اور "دستِ موسیٰ" کے استعارے دوسرے شعر میں اُن کے دقیق مذاق کا نمونہ موجود ہیں، بخلاف امیر خسرو کے کہ ان کا دوسرا شعر بالکل صاف ہے اور اس میں مطلع کے دوسرے مصرعہ کا اعادہ پُرلطف ہے۔ تیسرا شعر بھی حکیم صاحب کا اپنا انداز لئے ہوئے ہے اور لعبتانِ دیدہ کا استعارہ (ستاروں کے لئے) اس میں بھی موجود ہے۔ اس کے مقابلہ میں امیر خسرو کا تیسرا شعر قریب الفہم اور لطیف استعارہ پر متضمن ہے۔ شب کے ختم ہونے کا استعارہ "شمع را بر سر آمد ست حیات" سے کس قدر قریب ہے! چوتھا شعر حکیم صاحب کا جس میں عقل کو حرّاق اور روح کو شرارِ شراب کہا گیا ہے۔ امیر کے چوتھے شعر کے مقابلہ میں بے کیف ہے۔ امیر نے شراب کو آتشِ مشرق اور اس کے جوش کو شعلۂ بے دخان و شرار کہکر کیفِ شعر کو مضاعف کردیا ہے۔ "می زند شعلہ بے دخان و شرار"

امیر کا تخلص و گریز ؎

بوے می نا بد از صبا چو وزد ۔۔۔ باد احسان شاہ گیتی دار

شاہ عالم غیاث دیں کہ درش ۔۔۔ روضۂ رحمت آمد اندر بار

قصیدے کا نام ؎

نہ ہرہ وار از بہر ست چوں ایں شعر ۔۔۔ نام او کردم آنہر الانوار

خاقانی کا ایک نعتیہ قصیدہ ہے جس کا مطلع ہے ؎

عروسِ عافیت آں گہ قبول کرد مرا — کہ عمرِ بیش بہا دادمش بشیر بہا

اسی زمین میں امیرؔ نے ایک قصیدہ لکھا ہے جس میں کیفیت بادِ سموم وگرمی اور اعزّہ و احباب سے جدا ہوکر لشکرِ شاہی کے ساتھ اپنی بادیہ پیمائی کا ذکر کیا ہے۔ لشکر کی پہلی منزل سیری (نواحِ دہلی) میں ہوئی ہے۔ تین روز بعد بادشاہ نے پہاڑ کی طرف کوچ کیا ہے۔ اہلِ لشکر میں سوائے امیرؔ کے دو ماموؤں اور دو بھائیوں کے کوئی رفیق حال نہیں۔ شہاب الدین لطیف ملک اور علی شہ کاتب علاوغیرہ کو بہت یاد کیا ہے۔ اس قصیدہ کا نام مرد حۃ الروح ہے۔ ذیل میں ضروری اقتباس ہدیۂ ناظرین ہے:-

بادِ سموم وسخت گرمی ؎

دوروبہ بست کمر آفتاب در جوزا — بہ پشت ہفت زمیں آتشے فگند صبا

بباد خانہ بروں رفت گرم کرد مزاج — کہ سوے باد رود ہر کہ ہست در گرما

چناں ز آتشِ خورشید صبح می ہمد — کہ تفّ آں ز زمیں میرود بادجِ سما

آفتاب کے برجِ جوزا میں آتے ہی زمین پر آتش باری ہونے لگی۔ ہوا گرم مزاج ہوگئی اور صبح کی آتشیں آہ آسمان تک پہونچنے لگی۔

گر آفتاب قیامت کند بفردا گرم — قیامت است کا مروز دیدم آں فردا

فردا کا امروز بن جانا شاعرانہ نکتہ ہے۔

گرم ہوا سے بوستاں کی حالت ؎

بہ بوستاں گلِ نازک مزاج را بنگر — کہ بادِ گرم نرفتے بروز بادِ صبا

کنون ز سیلیِ بادِ سموم گرما گرم | فرو دریخت ہمہ خون و پوشش رفقا

اس گرمی اور تیز ہوا میں امیر خسرو لشکر کے ساتھ قطع مسافت کر رہے ہیں۔ غم زادِ راہ ہے ؎

ہوا چنین و مرا لشکرے و رفتن پا | تہی و دراز رہے بلکہ شاہراہ عنا
غم ست زاد رہم بر چہ حمل شاید کرد | کہ این چہ زاد بود زآمہات و از آبا
تنم ز مہرِ فلک گرم گرم می سوزد | دلم ز مہرِ عزیزان و فرقتِ رفقا

پہلی منزل سیری میں ہوئی جہاں رفقائے وفا شعار کی زیارت سے آنکھیں ٹھنڈی ہوئی ہیں۔ وہاں سے تین چار روز بعد (قلعہ) پہاڑ کی طرف کوچ کیا ہے ؎

نخست منزل من بود منزلِ سیری | کہ سیر دیدہ دراں شد جمالِ اہلِ وفا
سہ چار روز دگر آب جون را کردم | زآہ خنک تر از اشکہاے چو خون بالا
ز آب جون سوے واں کرد شاہ جانبِ کوہ | کہ تا شود بجد جنبۂ قلعہ کشا

کس درد کے ساتھ بھائیوں کو یاد کیا ہے ؟

دریغ نیست کسے محرمِ منِ مجنوں | کہ واکشاید این بند گیسوی لیلا
کجاست تاجِ سرِ من برادرم زاہد | کہ از سرم نشدے دور در خلا و ملا
رود اے صبا زمنِ بندہ بندگی برسا | بران برادر و دیگر برادران بر جا
اگر نیامہ نیر زہم ز خاکِ رہ بارے | بدست باد فرو شید بہرہ دیدہ ما

اگر میں نامہ و پیام کے لائق نہیں تو کاش خاکِ پائے عزیزاں ہی پہونچ جاتی تو غنیمت تھا۔ تمام قصیدہ صدمات و شکایاتِ مفارقت (احباب و اعزہ) سے لبریز ہے۔

قصائد کے مقابلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کمال و رضی وغیرہ کی تشبیب کے اشعار کی تعداد امیر کے تشبیہ اشعار سے بہت کم ہے۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ کے ممدوحین کا یہ خیال تھا کہ اگر شاعر تشبیب پر سارا زورِ طبع صرف کر دے گا تو ہماری مدح کے لئے اس کے پاس کیا خاک باقی رہے گا۔ لیکن امیر خسرو کے ہاں قصیدہ کا بیشتر جزو وقف تشبیب ہے۔ جو مدائح سے زیادہ شاندار ہوتی ہے۔

ترجیعات

وسط الحیوٰۃ کے ترجیعات واقعات تاریخی پر مشتمل ہیں جن میں مدائح اور مراثی دونوں پر خامہ فرسائی کی گئی ہے۔ مغلوں کے حملے، اُن کی شکست اور اُن کی پسپائی کا ذکر بشرح و بسط کیا گیا ہے۔ آخری ترجیعات شہزادہ خان محمد (شہید) کی شہادت کی مفصل داستان ہے۔ جن میں امیر نے بہترین مرثیہ نویسی کا نمونہ پیش کیا ہے اور نہایت شستگی و دلبستگی کے ساتھ حقِ رثی ادا کیا ہے۔

اول ترجیع بند

پانچ بندوں پر مشتمل ہے جس میں شہزادہ خان محمدؒ (شہید) کی مدح مغلوں کے فتنے کو دبا دینے کی بنا پر کی ہے اور شب برات اور اس کی روشنی وغیرہ سے آغاز تشبیب کیا ہے۔ اس کا ضروری اقتباس ملاحظہ ہو:

از بندِ اول۔ شبِ برات کہ روشن کنند ہر خانہ　　　مرا ز روئے تو باشد چراغ ہر خانہ

من از رخِ تو اگر نسختے برم بہ برات رود چراغ ز یک خانہ در دگر خانہ
مراست تیرہ ز نادیدنِ تو خانۂ چشم کہ بے چراغ بود تیرہ در نظر خانہ
زسوزِ دل شدہ ام آتشے کہ تا ز من برائے سوختن آید چراغ ہر خانہ
ز تفِ آہِ من آفاق روشن ست چنانکہ ز شمع در نظرِ شاہ نا مور خانہ

فروغ مشعلہ ہفت چرخ ونصرت دیں
کہ زد بخرمنِ دشمن ز حملہ آتشِ کیں

ممدوح کے رخِ روشن سے امیر کو شب برات کا لطف حاصل ہے، اسی کے دیدار سے اُن کا چشم خانہ روشن ہے، اسی کی محبت میں ان کی آہ آتش بار سارے جہان کو روشن کئے ہوئے ہے، اور وہ سلطان نصرۃ الدین محمدؒ ہے جس نے اپنے حملے کی آگ سے دشمن کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا ہے۔ روشنی، چراغ، مشعل، آتش وغیرہ شب برات کی رعایات موجود ہیں۔

از بند سوم۔ خدا نگانا دشمن بعہدِ تو نہ زید اگر چراغ زبادِ خزاں برافروزد
توئی کہ مشعلِ کفر از غبارِ دیں کشتی چراغِ فتنہ ز آسیبِ آستیں کشتی

انکسار کا استعارہ غبار سے اور تلوار کا آسیبِ آستین سے نہایت نادر و لطیف ہے۔ تاتاری فتنہ کی آگ کو مشعلِ کفر کہنا نہایت مناسب ہے۔ یہ شعر معنوی خوبیوں کا مجمع ہے۔

ترجیع بند دوم

اس ترجیع کا نام عین المعانی ہے، اس میں ۶ بند ہیں پہلا اور دوسرا تشبیب میں ہے

باقی شہزادہ سلطان محمد کی مدح میں ہیں۔ جن میں مغلوں کو حدودِ ملتان سے بخارا کی طرف بھگانے کا ذکر کیا ہے۔

از بند پنجم اے آتشیں و ریا صفت خورشید در تاب تفت
شمشیر تست اندر کفت کآتش زدریا برکند

زانگونہ کز آبِ سناں در لشکرِ کافر دواں
کاں تیز آب از مولتاں سر در بخارا برکند

مغلوں کو دریا پار کرکے اِدھر آنے کی جرأت نہیں ہوئی ہے

ہندوستاں راکے رسد از لشکرِ کافر زیاں
از تیغ کافر سوز او تا ہست آب اندر میاں

ترجیع بند سوم

اس میں سات بند ہیں کچھ بند نشاطِ عید کی تشبیب میں ہیں اور کچھ مدح سلطان محمد میں۔ اس میں بھی مغلوں کو شکست دینے پر ممدوح کو سراہا گیا ہے۔

چوں در مصاف آتشِ تیغت زبانہ زند
پرّاں سرِ حسودِ تو ہمچوں شرار باد

سلاست و روانی میں کمال

ایں شعر ترکیبِ یافت مبانی از و کمال
آمد ز آسمان نقش رویۃ الہلال

یعنی اس پُر معنی ترجیع کا نام رویت الہلال ہے"

ترجیع چہارم

اس ترجیع میں معز الدین کیقباد کی مدح ہے اور اس کی تہنیت تاجپوشی۔ سات بند ہیں۔

تاج وچتر ظل اللّٰہی ہے

از بند اول۔ تا تو کلاہِ ملک نہادی بفرقِ خویش	خورشید سر نہاد چو دید آں کلاہِ ملک
سایہ ست زیرِ چتر تو واں ظلِ چتر نیست	ظلِ خداست ورنہ بُچتر سیاہِ ملک

کیقباد چار شاہانِ گزشتہ کا روشن چراغ ہے

سلطان معزِ دنیا و دیں کیقباد شاہ	یک دیدۂ دو مردمکِ چار بادشاہ

یعنی ۱۔غیاث الدین بلبن (کیقباد کا دادا) ۲۔ ناصر الدین محمود (خسرِ بلبن) ۳۔سلطان التمش خسرِ ناصرالدین۔ ۴۔قطب الدین ایبک (خسرِ التمش) انھیں چار گزشتہ بادشاہوں کا جانشین کہکر حقِ مدح ادا کیا ہے۔

ترجیع بند پنجم و ششم

ہر اک میں سات سات بند ہیں ملک اختیار الدین کشلیخاں کی مدح پُر زور تشبیب کے ساتھ کی ہے۔ پانچویں ترجیع کا نام مورد الورد ہے اور ششم کا حدیقۃ الحدقات

ترجیع ہفتم

اس ترجیع بند کا نام "نعت الغزا فی بعث العزا" ہے سلطان خان شہید کی شہادت اور مغلوں کے مظالم کا ذکر نہایت دردناک لہجہ میں کیا ہے۔ یہ ترجیع گیارہ بندوں پر مشتمل ہے ہر اک بند شیون وغم کی مجسّم تصویر ہے۔

رثی کا دردانگیز اور موثر طرز ہے

از بند اول۔ واقعہ ست ایں یا بلا کز آسماں آمد پدید | آفتے ایں یا قیامت کز جہاں آمد پدید
راہ در بنیادِ عالم داد سیلِ فتنہ را | رخنۂ کامساں در ہندوستاں آمد پدید
مجلسِ یاراں پریشاں شد چو برگِ گل زباد | برگ ریزی گوئی اندر گلستاں آمد پدید
ہر مژہ بے دیدنِ یاراں سنانے شد بچشم | نیزہ بالا خوں زہر نوکِ سناں آمد پدید
دل بہ پیچید چوں زمانہ رشتۂ صحبت گسست | دُر بریزد چوں خلل در ریسماں آمد پدید

الخ

مغلوں کے حملے کو آفت اور بلائے آسمانی کہنا اور اس سے بنیادِ عالم کا ہل جانا مجمعِ احباب کا متفرق و پریشان ہو جانا اور اس صدمے سے آنکھوں سے خون کا بہنا اور روتے روتے چہرہ کا گوشت و پوست گر کر ہڈیاں نکل آنا، درد انگیز اور رقت خیز الفاظ میں بلیغ اسلوبِ رثی ہے۔ بند دوم میں اس واقعہ کے ابتدائی تفصیلی حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے دکھلایا ہے کہ سلطان محمدؒ (شہید) نے ملتان سے سہاور تک لشکر کشی کر کے مغلوں کے استیصال کا عزم مصمم کر لیا تھا لیکن چوں کہ تقدیرِ الٰہی اور مشیتِ ایزدی اس کے موافق نہ تھی۔ لہٰذا نتیجہ برعکس پیدا ہوا اور ے

درس تدبیر آگہ نہ کہ تقدیرِ فلک | صفحۂ تدبیر را خطِ مشیت در کشید
غرۂ مہ شد محرم نے برد بر کل خلق | چوں بلیغ اندر گلوے دشمناں خنجر کشید
تا رسد عاشورہ در صفِ غزا شد چوں حسین | گرد ننگش سرمہ در چشم مہ انو کشید

یعنی ماہ محرم ۱۲۸۴ھ کو حضرت حسینؑ کی طرح شہزادہ خان محمد نے جام شہادت نوش کیا۔
مرثیہ رزم و بزم دونوں کا جامع ہوتا ہے اس میں مرحوم کے صفات رزمیہ و بزمیہ کو
اچھی طرح بیان کیا جا سکتا ہے۔ اس مرثیہ میں امیر نے ہر پہلو کا لحاظ رکھا ہے۔

مرحوم کی رزمیہ صفات کا ذکر یوں کیا ہے:

بند سوم۔ خنگ شہ دیدی برگردون غبار انگیختن   بادپا بر کافران خاک را انگیختن

غلغلہ در انجم از جوش سپاہ انداختن   زلزلہ در عالم از سیر سوار انگیختن

بند کو آخر تک پڑھو تو اس میں رزم کے لوازم بہادری، جوش، لشکر، گرد غبار
ہیبت، رعب، تیغ، نیزہ، حملہ، گریز، قتل جنگجویان فتح اور ملک گیری کی کوشش
سب کچھ موجود ہے۔ کثرت لشکر سے شور و غوغا اور گرد و غبار کے ذکر کا بلیغ پہلو شعر ؎

آسمان اندر تضرع زاں فزع برداشتن   آفتاب اندر تیمم زاں غبار انگیختن

میں ملاحظہ کرو اور نظامی کے شعر ؎

ز سم ستوراں دراں پہن دشت
زمیں شش شد و آسماں گشت ہشت

سے مقابلہ کرو۔ مرد اور نامرد میدان کی علامت کے بیان میں جس ایہام لطیف سے
امیر نے کام لیا ہے وہ ان کا حصہ ہے اور زردی چہرہ سے مقتولوں کی نامردی پر جو لطیف
استدلال کیا ہے محتاج ستائش نہیں ؎

اندراں میدان کہ فرق از مرد تا نامرد بود   اے بسا کس را کہ لبہا خشک و رو ہا زرد بود

بند چہارم میں دونوں لشکروں کا صف بندی کر کے مصروف پیکار رہنا اور دو پہر سے کر رات تک بازار قتل گرم رہنا نہایت خوبی سے دکھایا ہے ؎

یک زماں شمشیر قتالش نیاسود از قتال

از زوال روز تا شب اندراں روز زوال

اس گشت و خوں پر امیر کا تعجبانہ تردیدی اسلوب اور مقتولین کا منظر ؎

بند پنجم۔ یا رب آں خس بود کاندر رہ صحرا می دوید | یا سوئے تشنگاں موج زد ریا می دوید
آب در غربیل ریزی چوں فرو ریزد بزیر | خستگاں را خوں بر انگونہ ز اعضا می دوید
کشتہ اندر خاک جاں می کند و برخود می تپید | وز گلویش موج زد خون بہ بالا می دوید

معرکہ کارزار کی تصویر کھینچنے کے بعد مومن اور کافر کے خون کی تفریق اس طرح کرتے ہیں ؎

آں بدوزخ برد آب ایں بجنت اللہ دوید | گرچہ خون گبر و مومن ہر دو یکجا می دوید

یک جنگ دوسر دارد ؎

خان لشکر کش بترتیب صف آئین جنگ | میدواند شہسوار اقبال را تا می دوید
باز می برد گردوں مہرہ گرفتہ فتح را | فتح ہر چند از ملا ہیں جانب تا می دوید

کافراں از انتظار شب کہ تا بیروں شود

ناگہاں میزان ما را پلہ دیگر گوں شود

یعنی ابھی صورت حالات ہمارے موافق تھی لیکن رات ہوتے ہی بساط کا رخ بدل گیا

اور مغلوں نے شب خون کر کے جمعیتِ شاہی کو متفرق کر دیا۔

اس شبِ مظلمہ تجسم بلا کی کیفیت بند ششم میں ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

از بند ششم - تا چہ شب بود آنکہ از چرخ آفتاب افتادہ بود / دیو آتش در جہاں مہرِ شہاب افتادہ بود

روز چوں باقی نبود آں آفتابِ چرخ را / روز باقی بود چیزے کافتاب افتادہ بود

گر حسینِ کربلا را رہ بہ بے آبی فتاد / آں محمد بیں کہ از آتش بہ آب افتادہ بود

دامِ ماہی شد دلِ مردم کہ از دستانِ دہر / دستِ جم را خاتمِ شاہی بہ آب افتادہ بود

خلاصہ نظیر یہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی طرح شہزادہ خان محمد بھی شہید ہوا۔ فرق صرف یہ ہے کہ امام مظلوم پیاسے کام آئے اور خان محمد دریا میں غرق ہو کر ؎

واں موجبِ اجل تھی پیاسوں کی تشنہ کامی

یاں باعثِ فنا ہے آبِ بقا کی چھاگل

یہ واقعہ امیر کا چشم دید ہے اور وہ خود اس میں شریک تھے۔

نے فتنہ بود آں قیامت است کہ دیدہ ام / گر قیامت را نشان است ایں من دیدہ ام

تسلی از ذکرِ حوادث و مصائبِ انبیا ؎

دائراتِ آسماں بیں گردشِ پرکار کرد / گردشِ اسلام را سرگشتہ چوں پرکار کرد

ذرہ را دیدی کہ آبِ چشمۂ خورشید برد / سنگ را دیدی کہ کارِ لولوئے شہوار کرد

گر نہ با غیب رفت از دستِ دشمن غیبت / مصطفیٰ از پیِ خصماں عزم سوئے غار کرد

ور نہ بارِ قدس رفت از تنگیِ شاں دل بہ تنگ / عیسیٰ از جورِ نصاریٰ سر فلکے دار کرد

اولوالعزم انبیا کی مصائب اور شہادت کو یاد دلانے کے بعد لکھتے ہیں ؎

با مغل ہر سال بہر دیں سرو کارش بود   عاقبت جانِ گرامی در سرِ ایں کار کرد

یعنی خان شہید ہر سال مغلوں کے فتنے کو فرو کرتا رہتا تھا لیکن بالآخر انھیں کے ہاتھ سے شہید ہوا۔ یہ سب امور مقدرات الٰہی سے ہیں اور ان سے کوئی نہیں لڑ سکتا ؎

دست تقدیر است گہ خوں ریزد و گہ جاں دہد   ناتوانیم نتواں کینہ بر قہار کرد

شیر نر از پیش موری صد خروشِ عجب زند   پیل مست از نوکِ خارے صد فغانِ زار کرد

تمثیل سے ثابت کیا ہے کہ قضائے الٰہی ضعیف کو قوی اور قوی کو ضعیف کر دیتی ہے ؎

تاریخ واقعہ۔ جمعہ بود و سلخ ذی الحجہ کہ رفت آں کار زار   آخر ہشتاد و سہ آغاز ہشتاد و چہار

یعنی جمعہ ذی الحجہ ۶۸۳-۶۸۴ھ۔

آگے چل کر تین بندوں (۸ - ۹ - ۱۰) میں امیر نے مرثیہ کی وہ خصوصیت نظم کی ہے جو مرثیہ کے لئے بمنزلہ روح و رواں ہے یعنی "بین و بکا"۔

عالم کی بڑی سے بڑی چیز اس صدمہ سے رو رہی ہے اس طرح لکھتے ہیں ؎

بند ہشتم۔ مہر و مہ بر روئے فرخ لقا بگریستند   روز و شب بر حالِ آں اندک بقا بگریستند

آسماں ہا با ہزاراں دیدہ بر اہلِ زمیں   ہمچو بارانِ بہاری بر گیا بگریستند

اس غم میں اہالی ملتان کی حالت ؎

خلقِ ملتان مرد و زن گریہ کناں مو کناں   کو بکو و سو بسو و جا بجا بگریستند

آسماں را گوئیا بدرید و قسمت کرد خلق   بسکہ اطراف زمیں از جامہ شد ہر سو کبود

مصرِ جامع را بہر کوئے رواں شد رود نیل — ششتہ شد از گریہ چنداں جامہ در بہر کو کبود

یعنی ماتمی لباس پر (جو کہ نیلا تھا) اس قدر سیلابِ گریہ بہا کہ مصر جامع (ملتان) میں دریائے نیل جاری ہوگیا ؎

یادِ یاراں ؎

وہ کہ دل یکبارگی خوں شد برائے دوستاں — آہ ازاں جمعیتِ راحت فزائے دوستاں

دیدہ بہرِ دوستاں شد آشنائے آبِ خوں — تا میانِ آبِ خوں شد آشنائے دوستاں

خفتگانِ خاک را گر خاستن ممکن بود — عمر باقی ملکم وقفِ بقائے دوستاں

شیفتگی و وارفتگی کی حد ہے کہ اپنی بقیہ عمر وقف احباب ہے مگر وہ کسی طرح لوٹ آئیں۔

دعائیہ ؎

بندیازدہم۔ یا رب از خورشیدِ رحمت نور دہ جانِ بادشاں — جاں ز فیضِ نور چوں خورشید تاباں بادشاں

فیضِ رحمت آبِ حیوانست در ظلمات گور — یا رب از ظلمت گور آبِ حیواں بادشاں

نامۂ اعمال کا داہنے میں ملنا جنتی ہونے کی دلیل ہے، اس کے لئے دعا ؎

چوں ز دیوانِ سیاست نامہ شاں بر کف نہند — از کتابا بالیمین نامہ عنواں بادشاں

شہدا کے قطراتِ خون تاجِ غفران میں بیش بہا لعل ہیں ؎

قطرۂ خونے کہ گشتہ از حلقِ ایشاں ریختہ — بہتریں لعلے برائے تاجِ غفراں بادشاں

پس ماندگان اور بقیۂ اولاد و احفاد کے وجود سے بادشاہ (بلبن) کو تسلّی ؎

چوں محمد رفت شہ را عاقبت محمود باد — کیقبادش اسعد و کیخسروش مسعود باد

ناصرالدین محمود (بغرا خاں) بلبن کا دوسرا چھوٹا بیٹا ہے اور کیقباد و خسرو پوتے ہیں۔

ترجیع ہشتم

مضامین غم و رثی کے اعتبار سے یہ ترجیع خاتم الترجیعات ہے۔ یہ تین ترجیعات کا مجموعہ ہے۔ پہلے میں سات، دوسرے میں پانچ اور تیسرے میں سات بند ہیں۔ کُل اُنیس[۱۹] بند ہیں۔ اس لحاظ سے وسط الحیوٰۃ کے ترجیعات کی تعداد دس پوری ہو جاتی ہے جیسا کہ خود امیر فرماتے ہیں ؎

چوں سہ دہ ترجیع صد سلک گہر دیدی کنوں
قطعہائے زر اگر خواہی بدکانِ من آ

شہرت اور مقبولیت کے لحاظ سے امیر کے یہ ترجیعاتِ رثی خاص امتیاز رکھتے ہیں۔ صاحب منتخب التواریخ (ملا عبد القادر بدایونی) لکھتے ہیں۔

"این مرثیہا تا یک ماہ و بیش آں ترکیب بندہا را ہر دم می خوانند در کشتگانِ خویش خانہ بخانہ نوحہ می کردند۔" (بدایونی)

امیر اس واقعہ میں خود شریک تھے جو مغلوں کے ہاتھ قید ہو کر توبرہ سر پر رکھ کر چلنے پر مجبور ہوئے۔ خود فرماتے ہیں ؎

من کہ بر سر نمی نہادم گل
توبرہ بر سر نہاد و گفتا جل

پس امیر نے جو کچھ لکھا ہے وہ عینی شہادت ہے اور ان واقعات کی مفصّل تاریخ۔ شیخ سعدیؒ کا مرثیہ ''آسمان[1] را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں'' اور ترجیع بند سعد بن ابوبکر کے مرثیہ میں ''غریباں را دل از بہرِ تو خون ست'' نہایت حزن انگیز لیکن جو درد اور تاریخی پہلو امیر کے ان ترجیعات میں پایا جاتا ہے وہ اک خاص حیثیت رکھتا ہے جس کے سامنے سعدیؒ کا ترجیع ایک رقّت خیز نصائح کا مجموعہ ہے اور بس۔ ہم ذیل میں دونوں بزرگوں کے ترجیعات سے ایک ایک بند نقل کرکے مختصراً مقابلہ کرتے ہیں جس سے یہ فرق بآسانی معلوم ہو جائے گا۔

امیر خسرو

اے دل بغم نشیں کہ ز شادی نشاں نماند
اے دیدہ خوں گری کہ طرب در جہاں نماند
ہم مرغِ عیش از قفسِ خاکدان بجست
ہم دُرِّ مہر در صدفِ آسماں نماند
فتنہ سپہ کشید چو لشکر شکن بخفت
آفت جہاں گرفت چو لشکر ستاں نماند
در تختِ ملک پایۂ فتح و ظفر شکست
بر فرقِ دہر سایۂ امن و اماں نماند

شیخ سعدی

غریباں را دل از بہرِ تو خون ست
دلِ خویشاں نمیدانم کہ چون ست
عنانِ گریہ چوں شاید گرفتن
کہ از دستِ شکیبائی برون ست
مگر شاہنشہ اندر قلبِ لشکر
نمی آید کہ رایت سرنگون ست
دگر سبزی نروید بر لبِ جوئے
کہ آبِ چشمہا عنّاب گون ست

---

[1] دیکھو کلیاتِ سعدی ۔

امیر خسرو

چشم و چراغِ خسروِ روے زمیں برفت
پشت و پناہِ کشورِ ہندوستاں نماند
از مملکت چہ کام برآید چو خاں بشد
وز کالبد چہ کار کشاید چو جاں نماند
خواہم زباں زبارۂ دنداں فرو برم
گر خواہد ایں حدیث بگوید کہ خاں نماند
آں دستگاہِ دولت و دیں انگیں کجاست
واں شاہزادۂ ہمہ روئے زمیں کجاست

شیخ سعدی

دگر خونِ سیاوشاں بود رنگ
کہ باراں بیشتر سیلابِ خون ست
کہ دنیا صاحبے بہ عہد و خوں خوار
زمانہ مادرِ لب مہر دون ست
نہ اکنون ست بر ما جورِ ایام
کہ از دورانِ آدم تا کنون ست
ہمیدانم حدیثِ نامہ چون ست
ہمیدانم کہ عنوانش بخون ست

ہر ہر شعر کے مقابلہ کی ضرورت نہیں دونوں کے ہاں قدرِ مشترک شہزادہ کی موت پر اظہارِ غم ہے۔ شیخ نے شہزادہ سعد بن ابوبکر کا مرثیہ لکھا ہے اور امیر نے خان محمد کا۔ شیخ کے بند میں کسی شعر سے یہ پتا نہیں چلتا کہ شہزادہ کا کیا نام ہے اور لقب کیا اور یہ کہ وہ راستہ میں شہید کیا گیا ہے یا اپنی موت سے مرا ہے۔ شعر ؎

مگر شاہنشہ اندر قلبِ لشکر الخ

میں رایت کے سرنگوں ہونے اور شاہنشہ کے قلبِ لشکر میں نہ آنے کی وجہ صرف قرائن سے شہزادہ کی موت قرار دی جا سکتی ہے ورنہ احتمالِ خلاف ممکن ہے۔ علاوہ ازیں شیخ کا مذاقِ پند و نصیحت مرثیہ میں بھی موجود ہے۔

"که دنیا صاحبے .. الخ"

اس کے مقابلہ میں امیر کا انداز دیکھو ؎

"چشم و چراغِ خسروِ روے زمین الخ"

سے شہزادہ کی موت پر تصریح کردی۔ اور "خان بشد" میں نام بھی بتا دیا۔ علاوہ ازیں آخری مصرعہ میں خود لفظ شہزادہ لاکر مرحوم کے فضائل و محاسن کے ساتھ نام و لقب کو بھی بیان کر دیا۔ یہ بات شیخ کے بند میں نہیں۔ اس تاریخی حیثیت اور تعین نام و لقب کا آگے چل کر یہ ثمرہ مرتب ہوتا ہے کہ آنے والے لوگوں کو اصل واقعہ کے متعلق کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہتا۔ بخلاف اس کے جب کہ ایسا نہ ہو یہ دقت باقی رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ کے اس ترجیع کے متعلق اکثر لوگوں کو شک ہے کہ سعد بن ابو بکر کا ہے یا خود ابو بکر کا اور کلیات سعدی میں تو یہ ترجیع بند امیر فخر الدین ابو بکر کے نام پر لکھدیا ہے جو اتابک ابو بکر کے امرائے نامدار میں سے تھا[1]۔ حقیقت یہ ہے کہ امیر کا ترجیع شہزادہ خان محمدؒ کا مرثیہ بھی ہے اور اُس واقعہ کی تاریخ بھی۔ شیخ کے ہاں مرثیت تو ہے تاریخ نہیں۔

اب ہم اس ترجیع سے چند ضروری مضامین کے اشعار اخذ کرکے ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

انتہائے غم میں امتیازِ زندہ و مردہ نہ رہنا یوں دکھایا ہے ؎

شادی کنید شاہ بملتاں ہمی رسد   قاآں ملک محمدؒ سلطاں ہمی رسد

---

[1] دیکھو حیات سعدی صفحہ ۲۱۰ مصنفہ مولانا حالی ۱۲

گویا یاد کرتے کرتے اس قدر بے ہوش ہو گئے ہیں کہ لوگ سلطان محمد کے ملتان پہونچنے کی خوش خبری سنا رہے ہیں جیسا کہ اس کی زندگی میں سناتے تھے۔ تمام عالم اس غم سے متاثر ہے۔ یوں دکھاتے ہیں ؎

نے صبر ماند و آرام بود وحش و طیر را ‏ ‏ ‏ ‏ نے فرق بود روز و شب و صبح و شام را

چوں خیمہ وقت کوچ ز پا اندر آمدہ ‏ ‏ ‏ ‏ ہر کوہی بماندہ ز کوچت مقام را

ہم وقت گریہ شد رخِ شمشیر آبدار ‏ ‏ ‏ ‏ ہم چوب شد درونہ ز خشکی نیام را

اسپان و پیل و پیکر و کبکانِ زاغ چشم ‏ ‏ ‏ ‏ از تنگ ماندہ کردہ فراموش گام را

وحوش و بہائم کی یہ حالت ہے ؎

سرہا فگندہ کردہ پریشاں بفرق موے ‏ ‏ ‏ ‏ دُمہا بریدہ بستہ دگرگوں ستام را (بریدہ ایال)

وجود و عدم بھی رو رہے ہیں ؎

اے جامِ چرخ بہرِ تو چشم خوں گریستہ ‏ ‏ ‏ ‏ بر ذاتِ تو وجود و عدم خوں گریستہ

مرحوم کے نیزہ، چوگان اور عَلَم وغیرہ کی یاد ؎

جولاں بکن کہ ہست گہِ نیزہ باختن ‏ ‏ ‏ ‏ چوگاں بزن کہ ہست گہِ گوے باختن

بانوبتی بگو کہ بجنباں دمامہ را ‏ ‏ ‏ ‏ کامروز ہست وقتِ عَلَم بر فراختن

آگے چل کر امیر نے اس بے نظیر ترجیع کو نہایت پاکیزہ دعا پر ختم کر دیا ہے ؎

سروِ ترا بسایۂ طوبیٰ پناہ باد ‏ ‏ ‏ ‏ ہمسایۂ تو سایۂ لطفِ الٰہ باد

رضواں چو بر سرِ تو کشد بارگاہِ نور ‏ ‏ ‏ ‏ گیسوے حور رشتۂ آں بارگاہ باد

اکنوں کہ دور ماندہ کلاہ زرا ز سرت　　　از رحمتِ خدا بسے سرت را کلاہ باد

کل دعا شہدا کے شایانِ شان ہی۔ اور آیات و احادیث کے مطابق۔

قطعات وسط الحیوٰۃ

وسط میں قطعات کی تعداد بقول امیر بیالیس[۴۲] ہی ؎

این چہل قطعہ است و دو گر کم نویسد کس یکے　　　باشد این نقش چہل بر جہل آں جاہل گوا

ہم نے ہر اک قطعہ کے شروع میں اس کا عنوان قائم کر دیا ہی جس سے اس کے مضمون کا پتا بآسانی چل جاتا ہی۔ ان میں اکثر قطعات اخلاقی، مدحیہ اور عاشقانہ ہیں اور بعض ہزلیہ بھی ہیں لیکن ان پر "الھزل فی الکلام کالملح فی الطعام" کی مثل صادق آتی ہی۔ چند قطعات ناظرین کی دلچسپی کے لئے نقل کئے جاتے ہیں۔

فتح یافتن شہزادہ محمد بر مغلان (مدحیہ)

نصرتِ دینِ محمد شہ فیروز مصاف　　　اے ہمہ وقت بہ شمشیرِ تو فیروزی باد

شاد باش اے صفتِ جنبشِ صفوت دارای　　　آفریں اے کششِ شکر و کوشش در کار

تفِ تیغ تو بر آورد زجاں آہے دود　　　آتش اندر دلِ کانون نہ دہ سنگِ کہسار

بندگانت بتو صفت مغل بشکستند　　　چاکرانِ تو بدم ریلہ کشیدند حصار

گفت ہفت اختر و نہ چرخ کہ چشم بد و سہ[مقام ۱۲]　　　زاں دو بازو کہ سہ فتحش بدو دو ہم یکبار[مقام ۱۲]

فتح بر زلن براقِ تو ازاں داعی شد　　　کہ چو ایں را بدوانی بدود او ناچار

باد بر فرقِ ظفر غاشیۂ دولتِ تو		فتح دنبالِ رکابِ تو دواں غاشیہ وار

مغلوں کی شکست پر شکست اور ان کے فتنہ کا ذکر امیر نے قصائد۔ ترجیعات اور مثنویات میں خوب دل کھول کر کیا ہے صنفِ قطعہ اس سے کیوں کر خالی رہ سکتی تھی چنانچہ یہ قطعہ بھی مغلوں کی شکست کی یادگار ہے جس میں شہزادہ خان محمد کو پہاڑی مقامات پر حملہ کرنے اور سخت کوشش کے ساتھ وہاں لشکر لے جانے پر سراہا گیا ہے ع

آفریں اے کششِ لشکر و کوشش در کار

اور دکھلایا ہے کہ بندگانِ شاہی نے مقام سیتو میں مغلوں کو شکست دی اور دھر بلیہ کا حصار تیار کر لیا۔ اور ماشاء اللہ متعدد فتوحات یکے بعد دیگرے حاصل کیں ع

زاں دو بازو کہ سہ فتحش بدو دو ہم یکبار

صنعتِ تجنیس تام و زاید اور تصحیف میں بھی ایک قطعہ ملاحظہ ہو (مدحیہ) ؎

اے کہ چوں خنگِ تو جولاں فرگرفت		گَرد گِرد اگِردِ گَردوں گَرد کرد

بس کہ خلق از تو بسر ما بُرد برد		بُرد بُردِ بَرد بَردا برہ بِرد

چوں دو دو دردِ درد قسمت خورد گفت		دُرد دَردِ دَردِ دردا دُردِ درد

الفاظ گرد۔ برد اور درد میں صناعی کی ہے۔ گرد بالکسر و بالفتح اور برد اور درد بالفتح و بالضم میں تجنیس تام ہے اور گردا گرد اور بردا برد اور دردا درد میں تجنیس زاید ہے۔ اسی طرح گردا اور کردمیں صنعت تصحیف ہے۔ اس قسم کی صناعیاں زیادہ تر تحفۃ الصغر میں پائی جاتی ہیں۔ وسط الحیوٰۃ کا کلام صاف ہے۔ اس میں صرف یہی قطعہ ہے

جس میں یہ تکلّف پایا جاتا ہے۔

ایک قطعہ میں امیر عدمِ وصولِ صلہ کی شکایت میں تتار خاں (بادشاہ کے چچا) کو آزادی کے ساتھ لکھتے ہیں ؎

خانِ جہاں کشائے معظم تتار خاں ۔۔۔ والا نصیر حق ملک مملکت پناہ
آنی کہ ابر دستِ تو گرد دگہر فشاں ۔۔۔ نے زر کہ کیمیای شود اندریں گیاہ
گر چرخ سوئے ہمتِ عالیت بنگرد ۔۔۔ از فرقِ او بہ او در افتد کلاہ ماہ
دانی کہ ہیچگہ بجنابت نیامدم ۔۔۔ تا سوئے من بدیدہ احساں کنی نگاہ
مدحت بگفتم و بخشش نخواستم ۔۔۔ ایں بار ناگہاں غلط کردم ایں گناہ
کردی ز نقدِ وعدہ چناں دانم گراں ۔۔۔ کز بایہ آں بخانہ شدم باقدِ دوتاہ
تو عمِ بادشاہی و من مادحِ شہم ۔۔۔ شاید کہ عشوہ تحفہ برم از نوپیش شاہ
ایں بار صلہ ام دہ و سوگند می خورم ۔۔۔ گر زحمتے دہم بجنابِ تو ہیچگاہ

خوب جبر لی ہے کہ میں نے بھول کر جو تمھاری مدح کر دی ہے براہِ کرم اس گناہ کو صلہ دے کر معاف کیجے آیندہ کے لئے قسم کھاتا ہوں کہ کبھی ایسا نہ ہو گا۔

گو لغز و معمّا میں امیر کی علٰحدہ ایک مستقل تصنیف ہے لیکن ان کے دواوین میں بھی بعض قطعات و رباعی کسی کسی چیز کے معمّا میں موجود ہیں۔ وسط الحیٰوۃ کے قطعات میں ایک معمّا پان کے متعلق ہے۔ ملاحظہ ہو ؎

آں چیست کہ خام سبز باشد ۔۔۔ در پختگی ہست زردیِ روش

خونش نہ بہ رگ وے چو خائیش — خوں از دہنت بروں دہد جوشش

ہم گفتہ سخن ز تیزیِ جوشش — ہم دادہ خبر ز تیزیِ گوشش

سب سے آخری قطعہ وسط الحیوٰۃ کے تعداد ابیات کے متعلق ہے ؎

واسطہ است از پئے حیاتِ ابد — ایں کتاب از چنیں خجستہ خطاب

در شمردن ز بیتہائے ترش — ہشت ابر آمدست بر یک آب

غیم یعنی کہ ہشت بار بخواں — ما بیکبارہ دیدہ ایم صواب

چار صد چل یکے ست و ہشت ہزار — ہمہ بیت از چل کشاد نقاب

ایں شمارے ست وضع بندہ کہ نیست — ہیچکس را درو محلِ جواب

یعنی غیم کے اعداد (۱۰۵۰) کو ۸ گنا کیا تو (۱۰۵۰ × ۸) = ۸۴۰۰ ہوئے اس میں "ما" کے اعداد (۴۱) ملائے تو کُل (۸۴۴۱) ہوئے۔ اس لحاظ سے تعداد ابیات وسط الحیوٰۃ آٹھ ہزار چار سو اکتالیس ہے۔ آخری شعر میں اس مقید ایجاد پر امیر کا فخر کرنا بالکل بجا ہے۔ غالباً اُن سے پیشتر کسی نے یہ التزام اپنے مصنفات کے متعلق نہیں کیا۔

رباعیات وسط الحیوٰۃ

صنف رباعی کمّاً و کیفاً دو جداگانہ حیثیتیں رکھتی ہے۔ اس میں ایک طرف اوزان مخصوص اور اختصار مضمون کے لحاظ سے تحدید ہے، دوسری طرف تنوع مضامین

اور ادائے خیالات کے لحاظ سے ہر قسم کے مضامین حکیمانہ، عاشقانہ، رندانہ، متصوفانہ، فخریہ، مدحیہ، ہجویہ وغیرہ ادا ہو سکتے ہیں۔ رباعی کی اس تحدید وسعت کا لحاظ اور اس کے اوزان و مضامین پر قدرت تامہ رکھنا ہر شاعر کے بس کا نہیں اور جب تک کہ اس سے خاص مناسبت نہ ہو ہر کس و ناکس کے لئے اس میں خامہ فرسائی کرنا دشوار ہے۔

امیر خسرو کا رجحان طبع (جیسا کہ ان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے) بدو شعور ہی سے رباعی کے ساتھ پوری طور پر تھا۔ انھیں بچپن ہی میں رباعی سے خاص مناسبت تھی ان کی عہد طفلی کی رباعیاں خصوصاً بالکل ابتدائی زمانہ طالب علمی کی موجود ہیں۔ دیباچہ تحفہ میں خواجہ عزیز الدین کارکانہ کی فرمائش پر چار نامتناسب الفاظ موے، بیضہ، تیر اور خربزہ کو ایک رباعی میں فی البدیہہ نظم کر دینے کا قصہ مفصل مذکور ہے۔ علاوہ ازیں وہ خود جا بجا تصریح کرتے ہیں کہ مجھے رباعی و قطعات سے ابتدا ہی سے فطری مناسبت ہے اور اس میں میرا خود اپنا رنگ ہے، کسی کا متبع نہیں ہوں۔

تحفہ کے دیباچہ میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

"عمارت عمر در خانہ دوازدہ بود کہ بنا ر ارکان بیت و بنا ر تقطیع رباعی در آن خانہ آب و گل این خاکی اساس یافت۔"

اور لکھتے ہیں:-

"ہر بار کہ بندہ از راہ دو بیتی در ہی آمد و یا از باب دو مصراع سلسلہ

می جنبانید و بہ تعجب برایشاں (فضلا و بلغا) کشادہ می شد "

غرۃ الکمال کے دیباچہ میں فرماتے ہیں :

" شجرہ سخن بندہ شعب بسیار دارد ..... آنچہ از قطعات و رباعیات و

نغزست از وجودِ من خاکی ست "

یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام کا ایک معتدبہ حصہ صنف رباعی کے لئے مخصوص ہے اور ہر دیوان میں کافی تعداد رباعیات کی پائی جاتی ہے۔ وسط الحیوٰۃ میں بھی تقریباً (۱۵۷) رباعیات ہیں (جو امپیریل لائبریری کلکتہ کے نسخہ وسط الحیوٰۃ سے نقل کرا کر شاملِ دیوان کی گئی ہیں)

رباعی کے مضامین کے متعلق ہر شاعر کا اپنا جداگانہ مذاق ہے۔ کوئی فلسفہ (آزادانہ خیالات) اور خمریات کو لئے ہوئے ہے کسی نے تصوف و اخلاق کے مضامین پر اکتفا کیا ہے، بعض نے محض حسن و عشق، ہجر و وصل اور سوز و درد کے مضامین ادا کئے ہیں لیکن امیر خسرو کی رباعی تاریخ اور فطرت نگاری کے لحاظ سے ایک خاص امتیاز رکھتی ہے اور مضامین تصوف، اخلاق، فلسفہ، حسن و عشق، مدح و ہجو، رندی و ہزل، خزاں و بہار وغیرہ کی جامع ہے۔ ذیل میں چند نمونے ملاحظہ ہوں:۔

بہارِ نوروز ؎

نوروز رسید بوستاں شد گلگوں   می نوش مشو بدستِ اندیشہ زبوں

بارے بنگر کہ چوں ہمی آید چوں   از بیضۂ خاک طوطیِ سبزہ بروں

دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر عجائبات فطرت کا تماشا اور اس میں غور و خوض کرنے کی ہدایت ہے اور تنبیہ ہے کہ دیکھو خاک سے کیا کیا خوش نما اور خوش رنگ چیزیں پیدا ہوتی ہیں طوطیِ سبزہ . بیضۂ خاک نادر تشبیہات ہیں۔

مدحیہ رزمیہ ۔ تیغِ تو کہ خصم را سر می آید — در رزم چو آفتاب بر می آید
دستِ تو کہ دریاست کماں اندر دے — انصاف کہ ہمچو آب در می آید

ممدوح کی سخاوت آمیز شجاعت پر خامہ فرسائی کی گئی ہے۔ یعنی ممدوح کی تلوار دشمن کا خاتمہ کرنے کے لئے رزمگاہ میں آفتاب کی طرح چمکتی ہے اور اس کی کمان اس کے فیاض ہاتھ میں تیروں کی بارش برساتی ہے۔

زار نالی ۔ چوں گریہ درونِ دلِ من داد گرہ — دانی کہ درین دل زچہ افتاد گرہ
با دست دمِ سردِ من خونِ دل آب — در آب افتد ز جنبشِ باد گرہ

گریہ کو پانی اور آہ کو ہوا قرار دے کر خوب دل گرہ لگائی ہے۔

شکایتِ سرما ۔ تا لشکرِ سرما بجہاں پیوستہ است — از تندیِ باد شاخہا بشکستہ است
ہر قطرۂ آب بستہ شد بر گلِ تر — گوئی کہ ہوائے برسرِ بربستہ است

سردی کی شدت سے گلاب پر شبنم کے قطرے بستہ ہو کر رہ گئے اور بادِ تند سے درختوں کی شاخیں ٹوٹ گئیں۔

عشقیہ ۔ در عالمِ عشق آں بتِ بندہ نواز — چوں خستہ دلم عزمِ سفر کرد آغاز
گفتم کہ دلا بزلفِ او داری راہ — ہشدار کہ راہِ ما بہ پیچ ست دراز

زلف کی تعبیر "راہِ مار پیچ" سے لطیف و نادر ہے۔ خواجہ حافظ لکھتے ہیں ؎

ببیں بہ سیبِ زنخداں کہ چاہ در راہ است
کجا ہمی روی اے دل بدیں شتاب کجا

میر تقی لکھتے ہیں ؎

خط و زلف و کاکل ہیں دل جاکے الجھا ✤ نہ سمجھا یہ ناداں کہ ہندوستاں ہے

تاریخ۔ جمعے ہمہ گردن برسن کردہ گرد ۔ بودند چو خوں گشتگاں اندر دو
ہم خار ہمی گرفت دامن کہ مپوے ۔ ہم آبلہ می فتاد در پا کہ مرو

یہ رباعی واقعہ مغل کے متعلق ہے۔ جانبازانِ شاہی کو بعد شہادت شہزادہ مغلوں نے گرفتار کر لیا ہے۔ امیر بھی اسیر ہیں۔ پیادہ پا ہیں۔ آبلہ پائی سے چلا نہیں جاتا۔

یادِ رفتگان و اسیران آں کیست کہ سوئے رفتگاں رہ جوید ۔ ما را خبر از حالِ اسیراں گوید
پائے کہ بزیرِ گل خراشیدہ شدے ۔ یارب کہ میانِ خار چوں می پوید

مولانا خوب فرماتے ہیں ؎

با دیارِ یار را میموں بود
خاصہ کاں لیلیٰ و آں مجنوں بود

واقعہ شہادت خاں شہید میں جو نازک اور لطیف طبع احباب متفرق ہو گئے ہیں اُن کو نہایت دردناک لہجہ میں یاد کیا ہے ؎

رفتی و بکا۔ زیں واقعہ کامساں بلستاں ناز است ۔ از گریہ نفیر در جہاں اُفتادست

فریاد ز گوشِ من برآمد چہ کنم ہر سوئے کہ گوشِ من نہم فریاد ست

واقعۂ شہادت خان شہید کے متعلق علاوہ ان بے نظیر ترجیعات کے جن کا تبصرہ اوپر گزرا وسط میں متعدد رباعیات ہیں۔ یہ رباعی بھی اسی واقعہ سے متعلق ہے جس پر برسوں کو بکا اور سو بسو نوحہ و فریاد بپا رہی ہے بالکل صحیح ہے ع

ہر سوئے کہ گوشِ من نہم فریاد ست

ہجو مقل۔ وی کوشگی گندہ دہاں بد بوئے با من بمزاح کرد روئے اندر روئے

من کودک او پیرد و مویش در ریش تا چند زنم خندہ برآں ریش دو موئے

کوسہ کچی داڑھی والے مرد کو کہتے ہیں جس کی ٹھڈی پر صرف دو چار بال ہوں پھر اس کی تصغیر کرکے کوشگی بنایا۔ اور بطور ہجا اس کی داڑھی اور گندہ دہنی کا ذکر کرکے طفلانہ ریشخند کیا ہے۔ من کودک او پیر الخ

صفتِ دُہل۔ ہستم دُہلے چوں مرا ساز کنند زاوازۂ من جہاں پر آواز کنند

در معرکہ گر بانگ بر اعدا نزنم فرماں ست کہ پوست از سرم باز کنند

انتخاب جزئیات اور چھوٹی چھوٹی چیزوں سے اخذ تخئیل امیر خسرو کی شاعری کا ایک نمایاں وصف ہے وہ ارد گرد کی معمولی چیزوں کے وہ حالات اور اوصاف بیان کر دیتے ہیں کہ اگر خود وہ چیزیں زبان رکھتی ہوتیں تو وہی کہتیں جو امیر نے کہا ہے وسط میں اس قسم کے اکثر چیزوں کے متعلق رباعیات ہیں۔ یہ رباعی دُہل کے متعلق ہے۔ وہ کہتا ہے کہ معرکۂ جنگ میں مجھ سے اعدا پر رعب پڑتا ہے اگر میں اس میں ذرا بھی کوتاہی

کروں تو میری طرف سے اجازت ہی کہ میرے سر کی کھال کھینچ لی جائے۔

صفتِ انگور۔ انگور کہ گرد خانۂ عیش آباد　　ہر خوشہ چو مادرے کہ صد بچّہ بزاد
تو عاقبتش راہ نمودی بفساد　　ہر چند کہ پستاں بدہانِ تو کشاد

انگور کے متعلق جو کچھ امیر نے نقل کیا ہی اور اس کی حالت واقعیہ سے جو خیال اخذ کیا ہی بالکل مطابق حال ہی۔ انگور سے عیش کی خانہ آبادی، اس کا مادرِ صد بچّہ زا ہونا، اور اسی مناسبت سے دانہ ہائے انگور کو دانۂ پستان کہنا تشبیہات نادرہ و واقعیہ ہیں باوجود ان خدمات وفیاضی کے اس غریب کو الزام فساد اور لقب ام الخبائث عطا ہونا کس قدر ظلم ہی۔ نہایت پاکیزہ تخیّل پر اس رباعی کی بنا ہی۔ ہمدردی کے پردہ میں سب کچھ کہدیا ہی جو کمال شاعری پر دال ہی۔

مثنویات وسط الحیوٰۃ

عام خیال ہی کہ جو اچھا مثنوی نگار ہی وہ تغزل اور قصائد میں کمال نہیں پیدا کرسکتا اور جو عمدہ تغزل کرسکتا ہی اس سے عمدہ مثنوی نویسی نہیں ہوسکتی لیکن یہ خیال سب سے پہلے شیخ سعدی اور اُن کے بعد حضرت امیر خسرو کی شاعری پر منطبق نہیں ہوتا۔ ان بزرگوں کی شاعری میں جب غزلیات پر نظر پڑتی ہی تو خیال ہوتا ہی کہ اُن کو مثنوی نویسی میں شاید یہ کمال نہ ہو جو اس صنف میں ہی، اور اسی طور پر مثنویات دیکھکر گمان ہوتا ہی کہ تغزل میں ان کو وہ رتبہ حاصل نہ ہوگا جو مثنوی میں ہی۔ لیکن یہ امر اُن کے کمال سخن

اور ہمہ گیری کا پختہ ثبوت ہے کہ وہ مثنوی اور تغزل میں یکساں کمال رکھتے ہیں اور ہر صنف میں پوری طور پر خامہ فرسائی کر سکتے ہیں۔

امیر خسرو (قصائد اور غزل سے ہٹ کر) جب مثنوی پر متوجہ ہوتے ہیں تو واقعہ نویسی فطرت نگاری، کیرکٹر نویسی اور رزم و بزم و نصائح و اخلاق میں سعدی و نظامی نظر آتے ہیں اور ان کی مثنوی میں مثنوی کے عام لوازم و خصوصیات اسی طرح پائے جاتے ہیں جیسا کہ ان بزرگوں کی مثنویات میں ہیں۔ اس وقت ہمارے پیش نظر دیوان وسط الحیوٰۃ کی مثنویات ہیں جو تاریخی حیثیت سے نہایت مہتم بالشان ہیں۔ ان میں اکثر نے مضامین مذکورہ کے موجود ہیں ہم ان پر اجمالی نظر ڈال کر تفصیلی بحث کریں گے۔

وسط کی پہلی مثنوی پر اجمالی نظر

یہ مثنوی ایک رزمیہ مثنوی ہے جس میں ۲۷۵ شعر ہیں۔ ذیل میں ان اشعار کا تجزیہ مضامین کیا جاتا ہے جس سے اس رزمیہ کی اجمالی کیفیت ناظرین پر روشن ہوگی

از شعر ۱ تا ۴۸ حمد نعت اور مدح سلطان بلبن

" ۴۹ تا ۸۵ ذکر فتح بلبن بر طغرل

" ۸۶ تا ۱۴۵ مدح خان محمد و ذکر بعضے از فتوحات

شہزادہ خان محمد کی مغلوں سے لڑائی اور مغلوں کی شکست فاش ذکر میں تفصیل ہے۔

از شعر ۱۴۶ تا ۱۷۲ لشکر شاہی کی شجاعت اور تمام ساز و سامان جنگ آراستہ ہونے اور مغلوں کے لشکر کی نامردی اور بدحالی کا ذکر

از شعر ۱۷۳ تا ۱۷۷ - چتر برداران شاہی کی نام بنام تفصیل -

" ۱۷۸ تا ۲۱۳ - اُن پہلوانان وجان نثاران کی نام بنام تفصیل جنھوں نے جان پر کھیل کر مغلوں کو شکست فاش دی -

از شعر ۲۱۴ تا ۲۳۱ - مغلوں اور اُن کے لشکریوں کا ذکر، حلیہ، کیرکٹر، شباہت وغیرہ

" ۲۳۲ تا ۲۵۳ - دونوں طرف سے لشکروں کا حملہ، تیر اندازی، تیغ زنی اور بے حد کشت وخون کا ذکر -

تمجلاک اور اس کے ساتھی بڑے بڑے نامور مغل مارے گئے۔ بقیۃ السیف لیڑوں کے ہاتھوں سے تلوار کے گھاٹ اُترے - ۱۱ رمضان ۶۸۲ھ یوم جمعہ بوقت شام -

از شعر ۲۵۴ تا ۲۶۴ - واپسی شاہ (خان محمد) با فتح وظفر بملتان وتہنیت نامہ خسروؔ باستدعائے قبول وخطاپوشی -

پہلی مثنوی پر تفصیلی نظر:

حمد

حیِّ مطلق بادشاہِ لم یزل　　حاکمِ بنیادِ ہستی در ازل

بے گزند از ہر چہ آمد در زوال　　بے نشاں از ہر چہ بینی در خیال

صورتِ عقل از وجودِ پاکِ او　　چشم و صورت بستہ بر ادراکِ او

صانعِ مردم کہ از رشحے صواب　　بے قلم صورت کند بر روئے آب

آنکہ بندد بر بیخ یاقوت رنگ　　لعل چوں آتش بروں آرد ز سنگ

اس شاندار حمد میں آسیر نے سعدی اور نظامی کی طرز کا بین اتباع کیا ہے (جیسا کہ ابھی ثابت ہوتا ہے) پہلے شعر میں واجب الوجود کے لئے ہستیِ مطلقہ اور سلطنت ازلیہ کا ثبوت حمد کا بہترین اسلوب ہے۔ بنیادِ ہستی سے مراد اگر اعیان ثابتہ اور حقائق ممکنہ ہوں تو ان پر واجب تعالی کی حکومت ازلی کے یہ معنی ہونگے کہ جس طرح پرما بالعرض کی احتیاج ما بالذات کی طرف بدیہی ہے اسی طور پر تمام حقائق ممکنہ نفس وجود میں ذات باری کی محتاج ہیں اور اس کے ظل و عکس ہیں اور اگر بنیادِ ہستی سے مراد خود ذاتِ واجب ہو تو بدیں صورت یہ معنی ہونگے کہ اس کا وجود ازلی ذاتی اور مستقل ہے اور جملہ ممکنات کے وجود کی علت ہے۔ دوسرے اور تیسرے شعر میں واجب الوجود کا ہر نقص و زوال سے بری ہونا اور ہر اس چیز سے جو خیال میں آسکتی ہے۔ باہر ہونا بیان کیا ہے۔ گویا شیخ سعدیؒ کے اس قطعہ کا مضمون ہے

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم الخ

خواجہ میر درد خوب فرماتے ہیں ؎

جس مسندِ عزت پہ کہ تو جلوہ نما ہے
کیا تاب گزر ہووے تعقل کے قدم کا

چوتھے شعر میں واجب الوجود کو صانع بے آلت و بے جارحہ مان کر سطحِ آب پہ بدون کسی آلہ و پرکار و قلم کے انسانی تصویر بنانے والا بتایا ہے اور مضمون ؎

دہد نطفہ را صورتے چوں پری
کہ کردہ است بر آب صورت گری (سعدی)

ادا فرمایا ہے۔ آخری شعر نظامی کے شعر سے

آنکہ آرد برون از دل سنگ
آتش لعل و لعل آتش رنگ

کا ہم مضمون ہے۔ اس کا حاصل بھی قدرت صنعت باری پر اظہار حیرت ہے۔ جو اصل حمد ہے

نعت

اولیں شمع از شبستانِ وجود	آخریں گل در گلستانِ کبود
ہر کہ سنگ افگند سوے گوہرش	خود نہد تاجِ ہدایت بر سرش
دستِ اقبالش بریدہ گلو	مشرکان را زیر تیغ اقتلوا
خنگ چرخ از گرد نہ گنبد گذشت	تو سنش از وسے بیک گنبد گذشت
از تفاخر چوں کند آیت فراز	بر لواے فقر بر بندد طراز

پہلا شعر مولانا نظامی کے شعر سے

نقطۂ خطِ اوّلیں پرکار
خاتم کار آفرینش کار

کا ہم مضمون ہے، اس کا مصرعۂ اولیٰ حدیث اول ما خلق اللہ نوری اور دوسری آیت ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین کو متضمن ہے۔ امیر کے ہاں شمع شبستانِ وجود اور گل گلستانِ کبود نادر اور لطیف تشبیہات موجود ہیں

دوسرے شعر میں ایک مفصل تلمیح ہے یعنی جنگ احد میں آپ کا مقابلہ کیا گیا خود آپ کی ذات پر پتھروں سے حملے ہوئے اسی میں دندانِ مبارک شہید ہوا اور صحابہ کو منتشر ہوکر اِدھر اُدھر چھپ جانا پڑا لیکن امدادِ غیبی رفیقِ نبوت تھی فتح ہوئی اور بڑے بڑے حریف زیر پا بزنجیر حضورِ نبوی میں لائے گئے جن کو اُن کی درخواست پر فوراً معافی دی گئی اور بالآخر وہ مشرف باسلام ہوئے۔ خالد بن ولید اور عکرمہ ابن ابی جہل اسی جنگ کے مفتوحین میں سے ہیں جن کے سروں پر تاج ہدایت رکھا گیا ؎

ہر کہ سنگ افگند سوئے گوہرش　　　خود نہد تاجِ ہدایت برسرش

اس تفصیل کا بہترین اجمال ہے۔

تیسرے شعر میں علت جہاد شاعرانہ انداز میں بیان کی گئی ہے جس کا ماحصل یہ ہے جس طور پر جسم کے اُس عضو کو جو سڑ کر ازکار رفتہ ہوگیا ہو اور جس سے اور اعضا کے فاسد ہوجانے کا اندیشہ ہو جسم سے علیحدہ کر دینا اور کاٹ ڈالنا عقلاً ضروری اور قرین مصلحت ہے۔ اسی طرح اُن افرادِ انسانی کو جو اپنی روحانی گندگی سے تمام جسم عالم کو گندہ کرنے کو ہوں مٹا دینا قرینِ عقل و مصلحت ہے۔ پس مشرکین مکہ کو ان کی فساد روحانی اور خباثت نفس کے سبب کہ ہر دم مخالفت حق اور آنحضرت صلعم کی جان کے درپے تھے بحکم خداوند عالم صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا اور اُن کا استیصال کلی کر دیا گیا اور ایسا کرنا عین قرینِ عقل و مصلحت تھا۔ تاکہ تمام عالم اُن کے فاسد مادّہ سے محفوظ رہے۔ اس مصلحت کو امیر نے "دستِ اقبالش" سے تعبیر کیا ہے جو مدح کے موقع پر چسپاں ہے۔ مولانا نظامی نے

یہی مضمون اپنے ہاں اس طرح ادا کیا ہے لیکن دو شعروں میں ادا ہوا ہے ؎

محیطے چہ گویم چہ بارندہ میغ — بیک دست گوہر بیک دست تیغ

بگوہر جہاں را بیاراستہ — بہ تیغ از جہاں داد دیں خواستہ

مولانا نے علتِ عفو و انتقام بصراحت بیان کرتے ہوئے اس مضمون میں ایک شاعرانہ لطافت پیدا کی ہے۔

چوتھے شعر میں معراج ختمی مآب کی طرف اشارہ ہے اور مولانا نظامی کے شعر ؎

زمیں زادہ بر آسماں تاختہ — زمین و زماں را پس انداختہ

کا مضمون ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔ آخری شعر میں مضمون الفقر فخری کی عظمت ذہن نشین کی ہے۔ مولانا نظامی اس مضمون کو یوں ادا کرتے ہیں ؎

تہیدست سلطان پشمینہ پوش — غلامی خرد پادشاہی فروش

خواجہ میر انصار نے اس مضمون میں اک خاص شان اور لطف پیدا کیا ہے ؎

عاشقانت نعرۂ الفقر فخری میزنند
بر سرِ کوئے ملامت پائے کوباں آمدہ

مدح سلطان غیاث الدین

چترِ او باد و رباشِ جاں خراشش — آفتاب و آسماں را خواجہ تاشش

خسرواں چوں در رضایش رو نہند — خسروی خویش را یکسو نہند

تا ز ملکش در جہاں آوازہ گشت — ملک را تاریخ دارا تازہ گشت

ہر کہ خدمت پیش آں دارا کند　　سر نہ بیند گر نظر بالا کند

یک سوارش بر صد اسکندر زند　　بانگ بر سدِ سکند بر زند

چتر دور باش آفتاب اور آسمان کے ہم پایہ ہیں شاہانِ ملک اس کی جناب میں بندۂ زر خرید ہیں اس کے ممالکِ محروسہ میں ہر دم نئی فتوحات کا اضافہ ہو کر سکندر و دارا کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ اس کے روبرو ہر گردن کش نظر اٹھاتے ہی گردن زدنی ہو جاتا ہے اس کا ادنیٰ چاکر سو عظیم الشان بادشاہ اور ان کے عساکر پر بھاری ہے۔ یہ سب وہ اوصاف ہیں جو سلطان غیاث الدین بلبن جیسے عظیم الشان بادشاہ کی شوکت و شکوہ کے مطابق و مناسب ہیں محض فرضی مدح نہیں بلکہ بہت کچھ مبنی بر حقیقت ہے۔

فتح بر طغرل[1]

طغرل سلطان بلبن کا ترکی النسل غلام تھا جو لکھنوتی (بنگال) کا حاکم مقرر کیا گیا تھا صوبہ لکھنوتی دار السلطنت دہلی سے دور دراز فاصلہ پر تھا اور دہلی سے لکھنوتی تک کا راستہ بھی پُر خطر تھا۔ اس لئے وہاں کا جو صوبہ دار بنایا جاتا تھا وہ ضرور بغاوت کرتا یا وہاں کے تجربہ کار اور دانشمند کارکنوں کے اغواء سے بغاوت پر آمادہ ہو جاتا تھا۔ طغرل نے لکھنوتی کا صوبہ دار ہو کر وہاں کی چند مہمات سر کیں اور حاجی نگر کو فتح کر کے بہت سے ہاتھی اور مال غنیمت پر قابض ہوا۔ مغویان لکھنوتی نے طغرل کو اشتعالک دی کہ وہ خود مختار ہو جائے اور سلطان بلبن سے جو ہر سال مغلوں کے دفعیہ میں مصروف ہے

[1] ماخوذ از فیروز شاہی ضیا برنی ۱۲

سرکشی کرے۔ طغرل نے یہی کیا اور بلبنی قہر و انتقام کی کچھ پروا نہ کر کے تمام سامان و اموال اور ہاتھی حاجی نگر کو خود ہی رکھ لیا اور دہلی نہ بھیجا۔ یہاں تک کہ سلطان مغیث الدین کے لقب سے ملقب ہو کر خود بادشاہ بن بیٹھا اور اپنے نام کا سکہ و خطبہ جاری کر دیا۔

سلطان بلبن اس خبر سے نہایت برافروختہ ہوا اور طغرل کی یہ حرکت ناقابلِ معافی قرار دے کر طغرل کی سرکوبی کے لئے ایک مہم بھیجی جو طغرل کے مقابلہ میں ناکام رہی۔ دوسری دفعہ پھر ایک لشکر طغرل کے مقابلہ کے لئے لکھنوتی بھیجا گیا۔ طغرل نے اس کو بھی مار بھگایا۔ اس دفعہ بلبن نہایت پُرغضب اور شرمندہ ہوا اور طغرل کے قلع قمع کے لئے خود آمادہ ہوا۔ سامانہ سے بغرا خاں کو لیا اور مختلف اطراف و جوانب سے ایک کثیر التعداد لشکر لے کر لکھنوتی کا رخ کیا۔ امیر خسرو نے اس مثنوی میں بلبنی لشکر اور اس کے کوچ کی تفصیل اس طرح دکھائی ہے ؎

چوں ہلالِ دولتش پر داز کرد | چنگلِ خوں ریز طغرل باز کرد
آسماں چتر بر بالا کشید | لشکرے چوں کوہ در صحرا کشید
نیزہ عدد چندانکہ نتواں عرض تفت | چار منزل دست چپ تا دست راست
از غبارِ نعل مہ در میغ بود | ربعِ مسکوں زیر آبِ تیغ بود

امیر خسرو کی شاعری مخزن محاسن ہے۔ طغرل کی خوں ریزی اور اس کی بازمکاری لشکر کی کثرت اور میمنہ میسرہ کی کیفیت سب کچھ بیان کر کے آبِ تیغ اور مہ در میغ بود سے یہ بھی اشارہ کیا ہے کہ کوچ کرتے ہی برسات شروع ہو گئی تھی اور کثرتِ باراں سے

سلطانی لشکر کوئی حرکت نہ کرسکتا تھا ؂

خیمہ ہا بستہ طناب اندر طناب   گوئی از دریا ہمی خیزد حباب

کثرت بارش گنگا کا جوش ؂

آب گنگ از جوش بر ہمیزد خروش   گشتہ آب موج کشتی تختہ پوش

طغرل نے اس وقفہ سے فائدہ اٹھایا اور قبل اس کے کہ لشکر بلبنی اس کی سرکوبی کرے اس نے بھاگنے کی تیاری کردی ؂

تا ہمایوں فرش از چتر بلند   سایہ در صحرائے لکھنوتی فگند

طغرل بر داشتہ از جاں امید   نامدہ در جنگ آں باز سپید

اور اپنے ساتھیوں سمیت (حاجی نگر کی طرف) بھاگ گیا ؂

بوم خالی کرد ازاں دیار شوم   شد رواں سوئے خرابی ہمچو بوم

سلطان بلبن نے لکھنوتی پہونچکر چند روزہ قیام کے بعد طغرل کا تعاقب کیا اور خود حاجی نگر کا قصد کیا۔ جب بلبن سنارگاؤں پہونچا ہے تو وہاں کے راجہ دنوج رائے نے اس سے آکر ملاقات کی اور عہد کیا کہ طغرل اگر بھاگ کر کہیں نکل جائے گا تو اس کی ذمہ داری راجہ پر عاید ہوگی۔ چنانچہ راجہ نے طغرل پر اپنی فوج کے ذریعہ سے بحری راستہ بند کردیا۔ امیر خسرو ان واقعات کو یوں دکھاتے ہیں ؂

دور کرد از ہمگناں سودائے جنگ   داد چوں سودائیاں در راہ بنگ

رائے بنگ آورد بسیہ بیکراں   بستہ شد آب بر اندیشہ گراں

این مخالف چوں بہ تری رہ نیافت | خاک خایان جانبِ خشکی شتافت

بالآخر بلبن نے حدود حاجی نگر میں پہونچکر طغرل کی گرفتاری کے لئے خاص لوگوں (ملک محمد تیر انداز، ملک مقدور وغیرہ) کو نامزد کیا جنھوں نے پتا لگا کر طغرل اور اس کے لشکر پر چھاپا مارا۔ طغرل بھاگ کھڑا ہوا لیکن ملک مقدور اور طغرل کش نے اس کا تعاقب کرکے اس کو تیر مار کر گرا لیا۔ ملک مقدور نے اس کا سر اُتار کر لاش پانی میں پھینک دی اور بشارت فتح حضور بلبنی میں پہونچائی۔ امیر خسرو نے یہ سب حالات اس طرح دکھائے ہیں ؎

لشکرش چوں تیغ زن شد نام زد | ناگہاں بر قلبِ آں گمنام زد
سرکشاں شد آنکہ پے در کیں فشرد | وانکہ ناکشتہ بماند از غم بمرد
طغرلِ بیدولت از اقبال شاہ | تافت روئے نامبارک زاں سپاہ
گر غبارے داشت بہرِ کارزار | جز زآبِ تیغ ننشست آں غبار
گرچہ بود از بادہ کیں شیر گیر | خفت چوں خرگوشے از یک چوبہ تیر
حاصل آں پیلان و گنج خواستہ | جملگی ترتیب ملک آراستہ
دُور باش و چتر و رایاتِ سپاہ | یک بیک بردند پیشِ تختِ شاہ

سلطان بلبن با فتح و ظفر لوٹ کر لکھنوتی پہونچا اور وہاں کا انتظام بغرا خاں کے سپرد کرکے دہلی واپس ہوا ؎

فتح و فیروز شاہِ تاج بخش | بازگشت و باز گردانید رخش

شہزادہ خان محمدؒ کی بعض فتوحات کا ذکر

اس بیان میں شہزادہ کی مختصر مدح کے بعد فتح دمریلہ اور پہاڑی آنجہ
اور راجہ نگرکوٹ پر حملہ کا ذکر ہے۔

دمریلہ پر فوج کشی ؎

دولتِ سرش چو رایت برفراخت   تیزیِ اقبال بر دمریلہ تاخت

دمریلہ کے راجہ کا مقابلہ میں آنا ؎

رائے شاں سر از برائے کارزار   صف کشید از پیش با مردانِ کار

با فتح و نصرت مراجعت ؎

شاہ با فتح و ظفر دمساز گشت   پس بہ پیروزی بملتاں باز گشت

راجہ کو حکم جزیہ اور اس کا انکار ؎

رائے را فرمود تا فرماں برد   زر ز دل بیروں کند تا جاں برد
رائے کوہ اول بہ سختی سر کشید   روئے چوں آتش سبک اندر کشید
کاتشم را کس کجا یابد شرار   سنگم از من زر کہ جوید جز غبار

اس جواب پر اس پر لشکر کشی کی گئی اور اس کے محفوظ مقامات کو توڑ دیا گیا
اور مقام سانبہ کو جلا دیا گیا ؎

لشکرے چوں قلعۂ پولاد پوش   بلکہ چوں سدِّ سکندر ہفت جوش
راست کرد و راند بر بالائے کوہ   کوہ را بشکست زاں جنبش شکوہ
آہنِ تیغش ز سنگ آتش فروخت   سانبہ را زیر و زبر کرد و بسوخت

بالآخر سخت خوں ریزی کے بعد پہاڑی راجہ نے اطاعت قبول کی اور جزیہ بھی دیا ؎

هیچ در دامانِ کوه سنگے نبود   کش ز خونِ کشتگاں رنگے نبود
از چناں خوں ریز بیروں از قیاس   رائے کوہی راشد اندر دل ہراس
لرزه در کالوے بے فرماں فتاد   بنده شد سر بر خطِ فرماں نہاد
مال داد و خدمتے فرزند نیز   وز عجائب ہائے کہ بسیار چیز

اس فتح کے بعد راجہ نگر کوٹ پر حملہ؛ میر حاجب تکلی اور دیگر بہادرانِ لشکر کی نامردگی

پس بہ پیروزی شہِ پیروز رزم   سوے رائے نگر کوٹ آورد رزم
میر حاجب تکلیِ آں پیلِ مست   نام زد گشت و میانِ کار بست
پیل زورانِ دگر پہلوے او   چوں علم پیوستہ بازوے او

رائے نگر کوٹ نے بھی جزیہ قبول کیا مطیع و فرمانبردار بن گیا ؎

رائے خود فرماں بری را ساز کرد   بنده ست و بندگی آغاز کرد
جزیہ چنداں زر کہ نتواں بر کشید   بر کشید و پیش آں لشکر کشید

پہاڑی مقامات کی فتوحات سے فراغت پا کر شہزاده ملتان واپس آیا ؎

شاه با فرّ شکوهِ خسروی   طالعے فرخنده و بختے قوی
کوه را سفته بہ تیزیِ سناں   سوئے ملتاں داد تیزی را عناں

جنگ خجلاک اور شکست مغل

مغلوں کی شکست کے موقعہ پر امیر کا قلم رقاصہ کی طرح طرب انگیز ہو جاتا ہے وسط میں متعدد قصائد، ترجیعات و قطعات میں امیر نے مغلوں کو بھگانے اور اُن کو شکست دینے کا ذکر کیا ہے۔ یہ مثنویاں بھی اس بیان سے خالی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ شہزادہ خان محمد نے بڑی پامردی سے اپنے وقت میں مغلوں کے فتنے کو روکنے کی کوشش کی ہے اور آخر کار اسی میں کام آیا ہے۔

مغلوں کے مقابلہ کے لئے جو لشکر تیار ہوا ہے اس کا ذکر امیر نے اس مثنوی میں اس طرح کیا ہے ؎

دو نقش اسماں چوں لشکر کشید ۔ تیغِ نصرت بر سرِ کافر کشید
رخش بیروں راند بر عزم مصاف   راست کردہ لشکرے چوں کوہ قاف
قاف تا قاف از الف ہائے علم   کرد طغرائے شہنشاہی رقم

اس کوہ وقار اور غیر محدود لشکر کی بہادری اس طور پر دکھاتے ہیں ؎

جنبشِ تیزی سوارانِ دلیر   لرزہ می افگند در اندام شیر

ایسے ہی وقت میں بہادروں کے مقابلہ میں مرد و نامرد کا پتا چلتا ہے ؎

آنکہ میزد لاف و سبلت می کشید   مرد و نامرد آں زماں می شد پدید

خان شہید کے مرثیہ میں اسی مضمون کو یوں ادا فرمایا ہے ؎

اندراں میداں کہ فرق از مرد تا نامرد بود
اے بسا کس را کہ لب ہا خشک و رو ہا زرد بود

آگے چل کر مزید تفصیل کے ساتھ بہادر اور ہنر کا فرق بیان کرتے ہیں ؎

این و رآمد تند و در پیکار شد — واں دگر را دست و پا بے کار شد
این بگردن سرکشد از پشتِ زین — واں دگر می خواست کافتد بر زمین
این ز بہر حملہ می شد پُر زباد — واں دگر از جان و ماں می کرد یاد

اس کے بعد یہ دکھاتے ہیں کہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مرد کی موت نامرد کے ہاتھ سے واقع ہو جائے اور نامرد مرد پر فتح پا جائے ؎

اے بسا شیرا کہ در ہنگامِ جنگ — یوز گشت از پیش یک روباہ لنگ
اے بسا آہو نمایاں در مصاف — شیر را چوں نافہ بدریدند ناف

لشکر کی اس تفصیل کے بعد امیر خسرو نے نام بنام اُن لوگوں کا ذکر کیا ہے جو مختلف خدمات پر مامور تھے مثلاً چتر بردار، علم بردار، دور باش بردار وغیرہ وغیرہ۔ ساتھ ہی ان پہلوانوں کا نام بھی لیا ہے جو مغلوں کو شکست دینے میں خون و پسینہ ایک کر رہے تھے اس کے بعد امیر نے مغلوں کے کیرکٹر نویسی میں جو کمال دکھایا ہے وہ نہایت دلچسپ ہے ملاحظہ ہو۔

سر گھٹا ہوا۔ اُلّو کے پروں کی کلغی ؎

بستہ پرِّ بوم بر بالائے سر — سر تراشیدہ چو بیضہ زیر پر

بد نما کپڑے ہیں مجھ عاجز کے جسم زار پر
یوں کلہ سر پر ہے جیسے آبلہ ہو خار پر — (آتش)

ریش قدرتاً ندارد (بشکل مخنث) چوڑا چکلا ڈھال سا چہرہ ؎

چہرہ شاں چوں اسپر غوری پہن
ہم بہ پہنائے سپر دو یر دہن

آنکھیں ماتھے میں گھسی ہوئیں اور نہایت بدزیب ؎

چشم شاں در روئے ناپیدا شدہ
ہر کہ دیدہ چشم شاں شیدا شدہ

شیدا شدہ کی تعریف پرلطف ہے۔

چپٹی ناک جس سے ریزش جاری اچھے خاصے مینڈک ؎

بینی پست و خلیش از وے رواں
ہمچو غوکے بر سرِ آب رواں

سب سے زیادہ ان کی خوراک کا خاکہ اڑایا ہے۔

موش خوری ۔ موش خوارانِ دو ندہ موش وار
گشتہ صحرا پر ز ستے موش خوار

ذلیل و حریص اور حد درجے کے بے تہذیب اور نہایت میلے کچیلے بدبودار

در نگا پو چوں سگِ لقمہ ربا
آفتِ نان و بلائے شوربا

ہر کہ با ایشاں معاذ اللہ نشست
قے کند در ساعت از بوئے کہ ہست

داڑھی کے نہ ہونے پر لطیف ایہام اور ان کی پوشش و بے حیائی کا ذکر ؎

کز نہادہ سبلتانِ گندہ را
وام دادہ ریش اہلِ خندہ را

پوستیں پوشیدہ و بے پوست روے
درگریز از غازیانِ دست روے

سینہ بر روئے حیا بر دوختہ
واز ہمہ فنہا ہمیں آموختہ

دونوں لشکروں کی معرکہ آرائی اور رزم کا ہولناک منظر ؎

ہر دو لشکر رو برو بر تافتند — تیغ و بازو یک دگر بر تافتند
از تزنگِ خنجرِ پہلو شگاف — پارہ می شد مرد را پہلوئے ناف
وز طراقِ گرزۂ پولاد دست — پہلوے ہر پہلوانے می شکست
کشتہ می شد چوں ز شیری آمدے — ہشت پہلوے ز ہر شش پہلوے
سر کہ می برید تیغِ کینہ جو — مرگ بر آبِ رواں می باخت گو
بر زمیں از خوں شدہ دریا پدید — رو دشتی گشتہ ز عالم ناپدید
از مغل ہر سو فغاں برداشتہ — رستخیز از جہاں برخاستہ
ہر یکے زاں خاکسارا ناں خوار — بر زمیں غلطیدہ خاک آلودہ خوار
جیش اول حملہ چوں بر کار شد — خصم را یک لحظہ دارا دار شد

بہادر بادشاہ قلب لشکر کو للکارتا اور جنبش کا حکم دیتا ہے۔ جس نے تمام مغلوں کو پیس کر گرد کر دیا اور خجلک بھی گر کر مر گیا ؎

تند شد شاہنشہِ پیروز رائے — قلب افرمودہ جنبیدن ز جائے
قلب چوں دریائے جوشاں حملہ کرد — خاکساراں را درآمد سر بگرد
خجلک افتاد و سرانِ نامدار — دیگراں را خود کہ آرد در شمار

ہر ایک مغل کا خاتمہ ہو گیا کوئی زندہ نہیں بچا ؎

ہر کہ زیرِ تیغِ ترکاں مرد مرد — وانکہ بیروں شد ز ہندو جاں نبرد

تاریخ واقعہ بقید وقت و یوم و ماہ و سن ؎

بود روز جمعہ و ہنگامِ شام　　یازدہ بگزشت از ماہِ صیام
سال ہشتاد و دو با ششصد ہم　　کیں چنیں فتحے بگردوں زد الم

(۱۱ رمضان المبارک یوم جمعہ ۶۸۲ھ وقت شام)

وسط الحیٰوۃ کی دوسری مثنوی پر

اجمالی نظر

اس مثنوی میں ۱۹۰ شعر ہیں۔ تجزیۂ مضامین حسبِ ذیل ہے:

از شعر ۱ تا ۳۲ تشبیب
" ۳۳ تا ۸۱ مدح رزمیہ سلطان محمد
" ۸۲ تا ۱۲۰ مدح بزمیہ "
" ۱۲۱ تا ۱۴۰ عرضِ حال
" ۱۴۱ تا ۱۵۵ مغلوں کا کیریکٹر
" ۱۵۶ تا ۱۶۲ شکست مغلاں
" ۱۶۳ تا ۱۶۹ پند و نصیحت
" ۱۷۰ تا ۱۷۳ میر حاجب و لشکر شاہ

از شعر ۱۷۴ تا ۱۷۵ مراجعت شاہ بملتان

〃 ۱۷۶ تا ۱۷۸ درخواست حاضری بارگاہ

〃 ۱۷۹ تا ۱۸۰ آنا مصلحتاً ملتوی کرنا

〃 ۱۸۱ .. .. حضوری درگاہ

〃 ۱۸۲ تا ۱۸۴ تمنائے مداومت حضوری

〃 ۱۸۵ تا ۱۸۸ دعا

〃 ۱۸۹ تا ۱۹۰ معذرت طول کلام

تفصیلِ نظر

یہ مثنوی رزم و بزم دونوں کی جامع ہے اس میں امیر نے ایک شاندار عشقیہ تمہید کے بعد مدح شہزادہ محمد کی ہے اور اسی ضمن میں واقعات حربِ مغل بشرح و بسط بیان کرکے حقِ بزم و رزم ادا کیا ہے۔

ذیل میں چند نمونے ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں :

تشبیب

اے تازہ نسیم نو بہاری … وے پیک رہِ اُمیدواری

اے محرمِ رازِ مستمنداں … وے مونسِ روز دردمنداں

اے مرغ ہوائے دل نوازی … وے قاصدِ راہِ عشق بازی

اے نامہ رسانِ گل بہ بلبل … پیغام گزار سبزہ بہ گل

در کوئے نگارِ من گذر کن … وز حالِ دلِ منش خبر کن

نسیم نو بہار کو کوچۂ جاناں میں اظہار دردِ دل کے لئے قاصد بنا کر بھیج رہے ہیں اور وہ دردِ دل یہ ہے ؎

دوری ز نظر نہ ز دل دور | دل بے نظرست و دیدہ بے نور
این خستہ در گداز ماندہ | تشنہ ز زلال باز ماندہ
دارد غم تو چنانچہ دارد | با یادِ تو دارد آنچہ دارد

مصرعۂ آخری میں غم محبوب اور اس کی یاد کی کوئی تحدید نہ کرنا اور "دارد آنچہ دارد" کی تعمیم سے غم و الم کی عظمت و شدت ظاہر کرنا بلیغ اسلوب ہے۔

جز نامۂ مہر تو نخواند | جز نامِ تو بر زباں نراند
آں روز کہ نام تو نگیرد | زندہ نشود اگر بمیرد

یادِ محبوب وظیفۂ شبانہ یوم ہے۔ اس دعا کی تاکید قسم سے کی گئی ہے اور مقسم بہ میں ایک لطف پیدا کیا ہے جو "زندہ نشود اگر بمیرد" سے مستفاد ہے یعنی قیامت کو دوبارہ زندگی جس میں لقائے محبوب ہو سکے گا نصیب نہ ہو۔ یقین دلانے کی تاکید اس سے زائد کیا ہو سکتی ہے کہ عاشق مر کر پھر نہ اٹھنے کی قسم کھائے۔

من در غم تو بجاں گدازی | تو با دگرے بدل نوازی
من سر بوفا نہادہ در پیش | تو بر سرِ بے وفائی خویش
دل جوئے یکے و دل یکے جوئے | یکسال بہ بست بہ یکے روئے

اس شکوہ و شکایت اور عرض و معروض کے بعد امیر نے اس عشقیہ تشبیب کو ختم کر دیا ہے

اور آغاز مدح شہزادہ اس طرح کیا ہے ؎

رزم۔

دارا منش و سکندر آثار	لشکر شکن و مخالف آزار
جم مملکت و کیقباد تمکین	شہزادۂ عصر نصرۃ الدین
از لرزۂ تیر در دل خاک	زلزال در افتد اندر افلاک
تیرش ز دل عدو شگافد	وان و رشتہ تار موشگافد
زاں موئے شگاف تیر دل جوے	بدخواہ شود ز لاغری موئے

ممدوح کو دارا منش، سکندر شوکت، جمشید مملکت اور کیقباد تمکین بتاتے ہوئے اس کی نبرد آزمائی، لشکر شکنی اور تیر اندازی کا ذکر کیا ہے۔ تیر اندازی پر جو خاص توجہ کی گئی ہے وہ محض شاعرانہ مدح سرائی نہیں ہے بلکہ یہ وصف شہزادہ ممدوح کی جنگی قابلیت کے ساتھ ایک ممتاز وصف تھا۔ اس میں جو کچھ موشگافی کی گئی ہے وہ مبنی بر واقعیت ہے "تیرِ دل جو" کا ایہام پُرلطف ہے۔ ریختہ میں حکیم مومن خاں دہلوی نے "قاتلِ دل جو" لکھ کر تخیلی نکتہ پیدا کیا ہے ؎

روزِ جزا جو قاتلِ دل جو خطاب تھا　　میرا سوال ہی مرے خوں کا جواب تھا

بزم

مجلس چہ صفت کنم بہارے	وز جنتِ عدن یادگارے
ہر دستۂ گل شگفتہ باغے	ہر لالۂ تر چو شب چراغے
نیلوفرِ سبز پوش زیبا	از عشق بنفشہ ناشکیبا
گل بانگ زناں چو بلبلِ مست	ساقی و شرابِ لعل بر دست

سامانِ عیش مہیا تھے ؎

از بوئے بخور و نکہتِ عود   مشکیں شدہ خاک عنبر آلود

وز بانگِ سماع و نغمۂ نوش   دل را شدہ نامِ غم فراموش

چنگے ز نوائے چنگ سرمست   سر رشتۂ عیش کردہ بر دست

جود و سخا ؎

دستِ تو کلیدِ گنجِ شاہی ست   گنجینۂ رحمتِ الٰہی ست

بر گنج نہد اگر نہد رنج   بے رنج دہد اگر دہد گنج

خزانہ تو زیر بار ہو ورنہ خواہندہ پر کوئی زحمت نہیں، بے رنج سوال حل جاتا ہے۔ اس لئے کہ ممدوح کا ہاتھ گنجینۂ رحمتِ الٰہی ہے۔

امیر نے مختصر عرض حال کے بعد مغلوں کی پسپائی کا ذکر اس طرح کیا ہے ؎

از عونِ خدائے دولتِ شاہ   بر تافتہ گشت روئے بدخواہ

جمعیتِ آں جہود کیشاں   چوں تخم جہود شد پریشاں

مغلوں کے اقدام کی وجہ ؎

غازی بغزا چو می نپرداخت   کافر بچہار سوئے می تاخت

مغلوں کی شکست اور پسپائی کی وجہ ؎

چوں لشکرِ غازیاں برآمد   کافر بشہادت اندر آمد

کافر پر شہادت کا اطلاق بطورِ تعریض ہے۔

ہجوِ مغلاں ؎

قومے ہمہ گربہ چشم سگسار　　　چوں گرگ درندہ آدمی خوار

ہم بوزنہ وار نا وفا جوے　　　ہم پوست سگے کشیدہ بر روے

چوں سگ ہمہ در دواں بماندہ　　　چوں بوزنہ در جوال ماندہ

اس سے پہلی مثنوی میں بھی خوب دل کھول کر مغلوں کی خبر لی ہے۔ یہاں بھی ان کی شکل و شباہت اور خصائل کا نقشہ کھینچا ہے۔ مردم خوار، گربہ چشم، بے وفا، بد شکل، بوزنہ حرکت، سگ صفت۔ غرض ہمہ نا بودنیہا اوصاف ان میں موجود تھے۔

مغلوں کی نامردی اور گریز ؎

فتحے کہ از دو جہاں کشادند　　　چوں روے بداد پشت دادند

اس کے بعد امیر نے شہزادہ کو چند مشورے دیئے ہیں جو تجربہ کی بنا پر نہایت مفید ہیں :۔

۱۔ جنگ میں بے وجہ تعجیل و اقدام نہ کرنا چاہیئے ؎

بے صرفہ مکن بجنگ تعجیل　　　کز خار خسک زبوں شود پیل

۲۔ اپنی پوری حفاظت کر لینے کے بعد دوسرے پر حملہ کرنا چاہیئے ؎

گر سر خواہی برید زنہار　　　اول سر خویشتن نگہ دار

۳۔ جنگ (دوسرا درد تھوڑی سی کامیابی پر مغرور نہ ہونا چاہیئے) ؎

کم کن سبکی چو برق در میغ　　　زیرا کہ دو رویہ می رود تیغ

۴- کمزور دشمن سے غافل نہ ہو جانا چاہیئے ؎

بد خواہ مبیں کہ ہست بے زور   خس دیدۂ آدمی کند کور

سب سے آخر دعا ہی اور اسی پر ختم مثنوی ہی ؎

شہ بر سر ملک جاوداں باد

بر بندۂ خویش مہرباں باد

"بندۂ خویش" سے "امیر خسرو" مراد ہیں اس لئے یہ دعا ممدوح و مادح دونوں کے لئے جامع دعا ہے۔

غزلیات

پہلے گزر چکا ہی کہ وسط الحیوٰۃ کا کلام امیر خسرو کی بیس[۲۰] سالہ عمر سے چونتیس سالہ عمر تک کا ہی امیر کا یہ زمانہ زیادہ تر دار الحکومت ملتان میں شہزادہ سلطان محمد خاں شہید کی خدمت میں گزرا ہی۔ اس زمانے کے کارناموں سے وسط الحیوٰۃ کے قصائد ترجیعات قطعات اور مثنویات بھرے پڑے ہیں۔ یہ وہ زمانہ ہی جس میں سلطان محمد نے شیخ سعدی کو شیراز سے ہندوستان طلب کیا ہی مگر شیخ نے پیرانہ سالی کا عذر کر کے آنے سے انکار کر دیا ہی اور لکھ بھیجا ہی کہ امیر خسرو جوہر قابل ہیں اُن کی تربیت کی جائے ساتھ ہی اپنے دواوین (غزلیات) بھی بھیجے ہیں۔

لہٰذا یہ قیاس چاہتا ہی کہ امیر کو اس زمانہ میں جب کہ دیوان وسط الحیوٰۃ مرتب ہوا ہے

شیخ کے کلام کے مطالعہ اور اس سے استفادہ کا موقع اچھی طرح ملا ہوگا۔ اور اسی زمانے میں شیخ کی اساس غزل پر امیر نے وہ شاندار عمارت قائم کی ہوگی جس کا خوش نما وسیع منظر آج ہمارے پیش نظر ہے۔ امیر کا شباب، طبعی جودت، اور تغزل سے فطری مناسبت ساتھ ہی شیخ کے دواوین کا مطالعہ یہ سب وہ اسباب تھے جنھوں نے امیر کی غزل کو شہرتِ عام و بقائے دوام کا خلعت بخشا۔ ان کی غزل میں وہی سادگی صفائی، گھلاوٹ اور بیساختگی موجود ہے جو شیخ کے ہاں ہے۔ علاوہ ازیں سوز و درد اور شوخی کے لحاظ سے بعض اہل نظر کے نزدیک امیر کا نشتر شیخ سے بھی زیادہ تیز ہے ؎

اگرچہ شاعرانِ نغز گفتار　　ز یک جام اند در بزم سخن مست

و لے با بادۂ بعضے حریفاں　　خمارِ چشم ساقی نیز پیوست

مشو منکر کہ در اشعارِ ایں قوم　　ورائے شاعری چیزے دگر ہست

شیخ کے ہاں اگر "خمار ساقی" ہے تو خسرو کے ہاں "چیزے دگر" بھی ہے یعنی "سوز و درد"۔

وسط الحیوٰۃ کا جو نسخہ ہمارے پیش نظر ہے اس میں صرف ردیف میم، نون اور ی تک کی غزلیات ہیں۔ باقی ردیفوں میں یا تو امیر نے اس دیوان میں کوئی غزل نہیں لکھی یا مرتبین دیوان و ناقلین کے خلط ملط اور بے احتیاطی سے اس نسخہ میں موجود ہیں۔ پہلے سے ثانی احتمال زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ صرف ردیف میم میں جس نے دو ڈھائی سو غزلیات لکھکر داخل دیوان کی ہوں اس نے اس سے

پہلے کی ردیف مثلاً دال شین وغیرہ کو کیوں کر خالی چھوڑ دیا ہوگا۔ ظنِ غالب یہ ہے کہ اس دیوان کی صنف غزل کا جزو (ہی) بہت طویل ہوگا اور اس میں بقیہ حروف کی ردیفوں میں بھی غزلیات ضرور ہونگی۔ موجودہ ردیفوں کی غزلوں کی تعداد تین سو سے زاید ہے کیا اچھا ہوتا کہ اس دیوان کے کل غزلیات کے مجموعہ سے ناظرین لطف اندوز ہوتے غزلیات کے اعتبار سے ہمیں اب تک وسط کا ہمہ جہت کامل نسخہ (باوجود سعی بلیغ) دستیاب نہیں ہوا۔ مجبوراً نسخۂ موجودہ کی غزلیات ہی پر نظر ڈالی گئی ہے۔

صنف غزل میں امیر خسرو (جیسا کہ انھوں نے تصریح کی ہے) شیخ سعدی شیرازی کے متبع ہیں بنابریں شیخ اور امیر کے تغزل کا مابہ الاتحاد معلوم کرنا اور دونوں کے کلام کو بغور پڑھکر متبوعہ اور جوابیہ غزلیات تلاش کرنا ایک تنقید نگار کا فرض ہے۔ لہذا ہم نے وسط کی غزلیات کے ساتھ کلیات سعدی کے غزلیات کا مطالعہ بھی کیا تاکہ ہم کو متحد المضمون اور متحد الوزن غزلیات دستیاب ہوجائیں جن میں اچھی طرح تابع اور متبوع کا فرق دکھایا جاسکے۔ کلیات پڑھکر معلوم ہوا کہ اس میں کچھ غزلیات ایسی موجود ہیں جن کا جواب امیر خسرو کے غزلیات (موجودہ دیوان وسط) کو کہا جاسکتا ہے اور جو لفظاً یا معناً متحد معلوم ہوتی ہیں (جیسا کہ موازنہ میں ثابت ہوگا) دورانِ مطالعہ میں ایک غزل ایسی بھی ملی جو وسط الحیوٰۃ میں اور کلیات دیوان طیبات میں ص۸۶ پر یکساں طور پر بلفظہٖ مشترک موجود ہے صرف فرق یہ ہے کہ وسط میں خسرو تخلص ہے اور کلیات میں "سعدی" وہ غزل یہ ہے ؎

؎ ... نے دستِ رسی بیار دارم } وسط صـ ۱۵۲

نے طاقتِ انتظار دارم } طیبات صـ ۸۶

یہ غزل خسرو کی ہے یا سعدی کی؟ اس امر کا قطعی فیصلہ مشکل ہے لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر کی بیاضِ مشق میں جس پر شیخ کی غزلیں بطور نمونہ درج ہوں گی دیکھنے والوں نے یہ غزل امیر کی تصوّر کر کے خسرو تخلص کے ساتھ داخلِ دیوانِ امیر خسرو کردی ہوگی یعنی ناقلین نے بے احتیاطی سے سعدی کی بجائے "خسرو" ہم وزن لاحق کر کے اس غزل کو خسرو کی غزل قرار دیدیا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ہر اچھی غزل کو امیر خسرو کی مقبولیتِ عامّہ اپنی طرف جذب کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہو خصوصاً جب کہ دوسری غزل کا تخلص ہم وزن ہو۔ بہرحال ہمارے نزدیک یہ غزل شیخ کی ہے۔ شیخ کے دیوان میں موجود ہونے کے علاوہ شیخ کا طرز بھی اس میں موجود ہے ؎

دشنام ہمی دہی بہ سعدی — من با دو لبِ تو کار دارم

شیخ ؎

رنجیدۂ رنجیدۂ از من گناہے دیدۂ — دائم گنہ بخشیدۂ از من چرا رنجیدۂ

یا ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ — لعلِ لبت حلوائے من از من چرا رنجیدۂ

موازنۂ خسرو و سعدی

(۱)

سعدی

گر دروں سوختۂ با تو برآرد نفسے
چہ تفاوت کند اندر شکرستاں مگسے
اے کہ انصاف دلِ سوختگاں می ندہی
خود چنیں بے سببے نبایست نمودن بکسے
چوں سحر نیدنِ بلبل کہ خوش آید بہ باغ
لیکن آں سوز ندارد کہ بود در قفسے
تا بامروز مرا در سخن ایں سوز نبود
کہ گرفتار نبودم بکمندِ ہوسے

خسرو

من ترا دارم و جز لطفِ توام نیست کسے
در جہانم نبود غیرِ تو فریاد رسے
نفسے بے تو نیارم زدن اے جاں گرچہ
نکنی یاد منِ سوختہ بعمرے نفسے
بلبلِ جانِ من از شوقِ گلستانِ رخت
تا بکے صبر کند نعرہ زناں در قفسے
ہر کسے راست ہوائے ز وصالت در سر
من بجز فکرِ خیالِ تو ندارم ہوسے
پیش از نیم چو مگس از شکرِ خویش مراں
کہ تفاوت نکند در شکرستاں مگسے

امیر کی غزل شیخ کی غزل کا لفظاً و معناً جواب ہے۔ وزن و قوافی متحد ہونے کے لاوہ شیخ کے مطلع کا دوسرا مصرعہ امیر نے آخری شعر میں بالکل اپنا بنا لیا ہے۔ مطلع میں خ بطور تذلل اپنی آواز کو آوازِ مگس قرار دیتا ہے اور شکر و مگس کی تمثیل سے اپنے فطری ق کا ثبوت دیتے ہوئے محبوب کی دولتِ حسن کو بے پایاں بتاتا ہے۔ امیر بھی لطفِ دوست ے مالا مال ہیں اور محبوب کے ہوتے ہوئے کسی سے فریاد رسی نہیں چاہتے۔ دوسرے

شعر میں شیخ نے محبوب کے روئے تاباں کی شکایت آمیز تعریف کی ہے یعنی تمھیں جو دیکھے گا فدا ہو گا۔ اس میں کسی کا کیا قصور ہے۔ امیر بھی شاکی ہیں کہ جس کی یاد میں ہم سب کچھ بھول گئے وہ ایک دم کے لئے بھی ہمیں یاد نہیں کرتا۔ تیسرے شعر میں شیخ مقید بلبل کے سوز کو باغ میں آزاد بلبل کے گانے سے بہتر بتاتا ہے لیکن امیر خسرو اس مضمون کو یوں ادا کرتے ہیں کہ میں بدون دیدار، مقید بلبل کی طرح نعرہ زن ہوں۔ اب تیری یاد صبر کی تاب نہیں۔ اپنی بے تابی اور شوق دیدار کا مضمون امیر کے ہاں زیادتی مقیدہ موجود ہے۔ چوتھے شعر میں "ہوس" سے شیخ کی مراد عشق ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب تک عشق نہ ہو، کلام میں درد پیدا نہیں ہوتا۔ امیر کہتے ہیں کہ اور لوگ تو تیرے وصل کا سودا پکار رہے ہیں، میں ہی صرف ایک ایسا محب ہوں جو تیرے تصور کے سوا اور کسی چیز کی خواہش نہیں رکھتا۔ امیر کا مضمون لطیف اور رنگین ہے۔ آخری شعر میں امیر خسرو نے شیخ کی طرح حسنِ دوست کو لازوال اور غیر متناہی دولت مالا مال بیان کرتے ہوئے اپنے عجز و قصور کا اظہار اس خوبی سے کیا ہے کہ اپنا مطلب بھی فوت نہیں ہوتا۔ اس کے سوا "شکر خویش" کی اضافت سے لفظ "شکر" میں صنعت ایہام نے لطف مزید پیدا کر دیا ہے ؎

"پیش از نیم چو مگس از شکر خویش مراں"

خواجہ حافظ نے اس "شکر" کو یوں باندھا ہے ؎

یک شکر انعام با یو دلبیت خصت ندا د

(۲)

سعدی	خسرو
فراقِ دوستانش باد و باراں	ہمی ریزی بیبازی خونِ یاراں
کہ ما را دُور کرد از دوستداراں	ہمی باشد سزائے دوستداراں
ہلاکِ ما چناں آساں گرفتند	منم سرگشتہ زیرِ پائے خوباں
کہ قتلِ مور در پائے سواراں	چو گوُ افتادہ در پیشِ سواراں
بخیلِ ہر کہ می آیم بزنہار	نگویم رازِ خود با کس کہ ایں راز
نمی بینم بجُز زنہار خواراں	نگنجد در دلِ بے استواراں
دلم در بندِ تنہائی بفرسود	چہ خوش می نالد اندر عشق خسرو
چو بلبل در قفس فصلِ بہاراں	چو بلبل در قفس وقتِ بہاراں

مطلع میں شیخ باد و باران کے وقت فراق احباب سے غمگین ہے۔ امیر اپنے مطلع میں "ہمیں ریزی" اور "ہمیں باشد" سے لطفِ تخاطب اٹھا رہے ہے اور محبوب کے جور و جفا کی شکایت مزہ لے لے کر کر رہے ہیں۔ دونوں مطلعے خوب ہیں۔ دوسرے شعر میں شیخ تمثیل دے کر قتلِ عشاق معشوقوں کے لئے اک آسان کام قرار دیتا ہے امیر بھی اسلوبِ تمثیل بدل کر بالکل وہی مضمون ادا کر رہے ہیں۔ امیر کے شعر میں اپنے کمال عشق و اطاعت کا اظہار نہایت لطیف پیرایہ میں ادا ہوا ہے لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اساسِ مضمون شیخ ہی کا شعر ہے۔ تیسرے شعر میں دونوں کو شکایت ہے کہ عشاق کا کوئی ہمدرد نہیں۔ شیخ جس سے مدد چاہتے ہیں وہی دُور بھاگتا ہے۔

امیر پہلے ہی سے اپنا راز کسی سے اس لئے نہیں کہتے کہ کوئی ان کے نزدیک بچّا رازدا نہیں ہے۔ امیر کا یہ مضمون بھی شیخ کے شعر سے ماخوذ ہے۔ آخری شعر میں شیخ نے غمِ تنہائی کا نقشہ تمثیل دے کر کھینچا ہے ؎

چو بلبل در قفس فصلِ بہاراں

امیر نے بھی اپنے عشقیہ نالہ و فریاد کی تصویر بلبل ہی کو قرار دیا ہے اور حق یہ ہے کہ امیر نے شیخ کا یہ بلند مصرعہ ؎ چو بلبل در قفس فصلِ بہاراں۔ اپنے مقطع میں اس خوبی سے تضمین کیا ہے کہ گویا اُس سے چھین لیا ہے جس سے شیخ کے لفظی و معنوی اتباع کا بیّن ثبوت ملتا ہے۔

امیر خسرو	(۳)	شیخ سعدی
اے وجودِ تو دیدۂ جانم		بسکہ در منظرِ تو حیرانم
جسم پیدا و جانِ پنہانم		صورتت را صفت نمی دانم
بسکہ سوئے تو می دوم نجباں		پارسایاں ملامتم مکنید
سوئے خود باز رہ نمی دانم		کہ من از عشق تو بہ نتوانم
تا ترا دیدم و ندا دم جاں		بچہ کار آید ایں بقیۂ عمر
واللہ از زیستن پشیمانم		کہ بہ معشوق برنفشانم
مہرت از جانِ من بروں نرود		گر تو از من عناں نگردانی
جانِ من گر بروں رود جانم		من بشمشیر برنگردانم

شیخ کا مطلع محبوب کی تصویر نہ کھینچ سکنے کا عجز ظاہر کرتا ہے اور وجہ عجز حیرانی ہے جو کمالِ حسن سے پیدا ہوئی ہے۔ امیر کا مطلع بہت بلند ہے۔ وجودِ معشوق علت ہے وجودِ عشاق کے جسم و روح کی تمثیل سے جو لطیف استدلال اس پر قائم کیا ہے وہ اُن کا حصّہ ہے۔ دوسرے شعر میں شیخ یہ دکھاتے ہیں کہ عشقِ کامل ملامت سے دُور نہیں ہوتا۔ اس میں ناصحین کی نصیحت بے کار ہے۔ امیر خسرو یہاں تک اپنی محویت اور کمالِ عشق کا اظہار کر رہے ہیں کہ اُن کو اپنی خودی کا خیال بھی نہیں رہا ؎

"با وجودت زمن آواز نیاید کہ منم" (سعدی)

دونوں نے اپنے عشقِ فطری کا اظہار کیا ہے۔ تیسرے شعر میں شیخ اور امیر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جو جان' جاناں پر قربان نہ ہو بے کار ہے۔ شیخ کے سادہ مضمون کو امیر نے لفظ "پشیمانم" سے لطیف کر دیا ہے۔ چوتھے شعر میں جس مدعا کو شیخ نے مخفی رکھا ہے (کہ میں عاشقِ کامل ہوں) اس کو امیر نے اجاگر کر دیا ہے۔ یعنی محبوب کی بے اعتنائی سے خام کار ہوس پرست عشاق متاثر ہو کر ترکِ عشق کر دیتے ہیں لیکن جاں بازانِ حقیقی جان جانے پر بھی محبت سے باز نہیں آتے جو کمالِ عشق کی دلیل ہے۔

(۴)

امیر خسرو	شیخ سعدی
بدیدہ کہ ترا دیدہ ام نمی یارم	من آں نیم کہ دل از مہرِ دوست بردارم
کہ آں نظر زتو بر روئے دیگرے آرم	وگر زغصّۂ دشمن بجاں رسد کارم

خسرو	سعدی
چہ وقت بود کہ افتاد با تو ام سروکار	نہ روے رفتنم از خاکِ آستانۂ او
کہ کار سر شد و در سر نمی شود کارم	نہ احتمالِ نشستن نہ پائے رفتارم
کجا روم چہ کنم کز تو ہر کجا کہ روم	کجا روم کہ دلم پائے بندِ مہرِ کسیست
کمندِ گیسوئے تو می کند گرفتارم	سفر کنید رفیقاں کہ من گرفتارم
مرا بہر سخنے از زبانِ غمزہ مسوز	اگر ہزار تعنّت کنی و طعنہ زنی
بدستِ خویش بزن تیغ اگر گنہگارم	من ایں طریقِ محبت ز دست نگزارم
فتادہ بر درِ تو خسرو و ندانستی	بعشقِ روئے تو اقرار می کند سعدی
کہ افتادۂ خود را فرو نہ بگزارم	ہمہ جہاں بدر آئید گو بانکارم

مطلع میں شیخ دشمن کی کچھ پروا نہ کرکے اپنے آپ کو سچّا وفادار ظاہر کرتا ہے۔ امیر کی نظر میں رخِ یار کے سوا کچھ نہیں سماتا جس سے ان کی وفاداری اور محبت صادقہ کا پتا چلتا ہے۔ دوسرے شعر میں شیخ نے کمال اضطراب کا اظہار کیا ہے جو خاصۂ عشق ہے "نہ روے رفتن" "نہ احتمالِ نشستن" اور "نہ پاے رفتن" سے شعر میں لطف پیدا ہو گیا ہے۔ امیر بھی اپنے انعقادِ محبت کے وقت کو یاد کرکے سر دھن رہے ہیں اور "کار سر شد و در سر نمی شود کارم" میں اپنی ناکامی پر افسوس کر رہے ہیں۔ تیسرے شعر میں شیخ اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے کہ تم جاؤ کیوں کہ میں محبوب کی محبت میں گرفتار ہو گیا ہوں لہذا یہیں ہوں۔ امیر خسرو اپنے تئیں ہر جگہ گرفتارِ گیسو پاتے ہیں اس لیے کہیں نقل و

حرکت نہیں کرسکتے۔ چہ چارہ کنم، کجا روم کے ساتھ مل کر وہ لطیف نکتہ ہے جس سے گرفتارِ گیسو پر ترحم کی حد باقی نہیں رہتی — چوتھے شعر میں شیخ نے طعن و تشنیع سے ترکِ محبت نہ کرنا بیان کیا ہے۔ امیر نے بھی "مرا بہر سخنے از زبانِ غمزہ مسوز" سے یہ دکھلایا ہے کہ اب طعن و تشنیع کی برداشت نہیں رہی۔ جرمِ عشق میں آپ قتل کردیں تو بہتر ہے (اپنا مطلب یعنی درخواستِ قتل اب بھی محفوظ ہے) مقطع میں شیخ محبوب کی محبت و عشق کا مقر ہے گو تمام جہان اُس کا مخالف ہو جائے جس سے اس کی پختگیِ عشق کا پتا چلتا ہے امیر کے مقطع میں "فتادہ بر درِ تو" سے صرف اقرار و پختگیِ عشق ہی ثابت نہیں ہوتے بلکہ اس سے لزومِ خدمت کا پتا بھی چلتا ہے جس پر ترحم اور التفات کی توجہ دلانا نہایت مناسب ہے۔ کہ افتادہ خود را فرو نہ بگزارم۔

(۵)

شیخ سعدی

شکست عہدِ مودّت نگارِ دلبندم
برید عہدِ وفا یارِ سست پیوندم
تطاولے کہ تو کردی بدوستی با من
من آں بدشمنِ خونخوارِ خویش نپسندم
بخاکِ پائے تو سوگند و جانِ زندہ دلاں
کہ من بپائے تو در مردن آرزومندم
من آں نیم کہ پذیرم نصیحتِ عقلا
پدر بگوی کہ من بے حفاظ فرزندم

امیر خسرو

چو من نہ دوست بداغِ درونہ خرسندم
نہ دوستی بود ار دل بمرہمے بندم
ہزار کوہِ غم ار بر دلم نہی بکشم
غبارِ خنگِ تو بر دامنِ تو نہ پسندم
روا مدار کہ از دیدنت شوم محروم
چنیں کہ من بجمالِ تو آرزومندم
مگر کہ مادرِ پیرم شکستہ بود انگشت
کہ از ہوا دہی بادِ دستِ فرزندم

شیخ سعدی	امیر خسرو
بیار ساقیِ سرمست جام بادہ عشق	تو ہوشیاری اے پند گو و من بیہوش
بدہ برغم نباصح کہ می دہد پندم	چہ جائے اینست کہ بیہودہ میدہی پندم

شیخ محبوب کو بے وفا اور سست پیمان بتا کر شکوہ شکایت کا مزہ لے رہے ہیں۔ امیر نے مطلع میں محبوب کی بے وفائی سے جو دل داغ پیدا ہوئے ہیں اُن سے اپنا بجید خوش ہونا ظاہر کیا ہے یہاں تک کہ مرہم کی پروا بھی نہیں جس سے محبوب کی جفا کا بالطبع مرغوب ہونا ثابت ہوتا ہے۔ امیر کا مطلع بلند ہے۔ دوسرے شعر میں شیخ نے محبوب کی جفا کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ اُس سے اپنا بے حد بلاکش اور صابر و ضابط ہونا مفہوم ہوتا ہے یعنی محبوب جو جفائیں عشّاق پر کرتا ہے ان کو دشمن سے دشمن پر بھی روا نہیں رکھتا لیکن امیر کے ہاں اظہار بلاکشی کے ساتھ محبوب کے طبع نازک کا لحاظ و ادب بھی ملحوظ ہے۔ "غبار خنگِ تو بر دامنِ تو نہ پسندم"

تیسرے شعر میں شیخ کے ہاں "خاکِ پائے تو" اور "جانِ زندہ دلاں" کے متقسم بہ لانے سے (بقاعدۂ بلاغت) خاک پائے محبوب اور زندہ دلوں (عشاق) کی جان کی عظمت کا نکتہ موجود ہے۔ باقی مضمون شیخ اور امیر کے ہاں یکساں وارد ہوا ہے یعنی "محبوب کی قدمبوسی اور زیارت" چوتھے شعر میں شیخ کہتا ہے کہ عاشق باپ کی نصیحت بھی نہیں سنتا اور اس معاملہ میں وہ ایک نالائق فرزند ہے۔ جس کا نامراد اور بدنصیب ہونا ظاہر ہے۔

امیر کہتے ہیں گویا عشّاق کو ماں کی بد دعا نے بدنصیب کر دیا ہے جن کا دستِ مراد ہمیشہ خالی رہتا ہے۔ دونوں شعر یکساں رتبہ کے ہیں۔ شعر پنجم میں دونوں نے ناصحِ خشک کا خاکہ اڑایا ہے۔ شیخ محبوب کی طرف مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ ذرا ان ناصحِ مشفق کو بھی چکھادو کہ سب نصیحت و ملامت بھول جائیں۔ امیر فرماتے ہیں (اور صحیح فرماتے ہیں) کہ ناصح (نادان) ہشیار تو بنتا ہے مگر اتنا نہیں جانتا کہ بے ہوش اور بے خبر (عشّاق کو) نصیحت و ملامت کرنا۔ اپنی نادانی اور بیہودگی کا ثبوت دینا ہے ؎

ما کجا ایم و نصیحت گرِ بیکارہ کجاست (حافظ)

دونوں شعر بلیغ ہیں۔

اس قدر موازنہ سے غالباً امیر خسرو کے طرزِ تغزل اور ان کے اتباع کی حقیقت ناظرین پر اچھی طرح منکشف ہو جائے گی۔ وسط میں ایسی اور غزلیات بھی موجود ہیں جو سعدی کا جواب معلوم ہوتی ہیں۔ بخوفِ طوالت ان کا موازنہ قلم انداز کیا جاتا ہے صرف اُن کے اور شیخ کی غزلیات کے مطلعے نقل کئے جاتے ہیں تاکہ اہلِ ذوق ہر ایک کو اپنی اپنی جگہ ملاحظہ فرما کر محظوظ ہو سکیں۔

سعدی		خسرو
کس نگزشت در دلم تا تو بخاطر منی	(۱)	اے زغبارِ خنگِ تو یافتہ دیدہ روشنی
یک نفس از درونِ جاخیمہ برون نمی زنی[1]		چند بشوخی و جفا قصدِ ہلاکِ من کنی

[1] صفحہ ۱۷۰ کلیاتِ سعدی۔ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ

خسرو		سعدی
	(۲) (باختلاف قافیہ)	
ترکِ من بہ شکلِ دیگری می روی		سرو سیمینا بصحرا می روی
بامہ از خوبی برابر می روی		نیک بدعہدی کہ بے ما می روی
	(۳)	
نہ کنم ز عشق توبہ کہ سرِ گناہ دارم		[1] باز از شرابِ دوشیں سر در خمار دارم
دلِ خود نمی توانم کہ ازیں نگاہ دارم		در باغِ وصلِ جاناں گل در کنار دارم
	(۴)	
منم امروز کہ در خانہ گلستاں دارم		[2] منم ایں بے تو کہ پروائے تماشا دارم
نظر اندر سمن و سنبل و ریحاں دارم		کافرم گر دلِ باغ و سرِ صحرا دارم
	(۵)	
بازاے سروِ خراماں ز کجا می آئی		[3] تو پری زادہ ندانم ز کجا می آئی
کز برائے دلِ دیوانۂ ما می آئی		کآدمی زادہ نباشد بچنیں زیبائی
	(۶)	
اے باد گاہ گاہ من نامِ او بگوے		اے باد صبحدم خبرِ دلستاں بگوے
خونابِ غیرتم بہ لبِ جامِ او بگوے		وصفِ جمالِ آں بتِ نامہرباں بگوے

---

[1] کلیات سعدی ص ۱۹۹ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ [2] ایضاً ص ۲۰۱ [3] ایضاً ص ۱۹۶

امیر خسرو اور خواجہ حافظ

پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ شیخ سعدیؒ کی زندگی ہی میں خسرو کا شہرہ (جب کہ وہ ملتان میں شہزادہ خان شہید کی ملازمت میں تھے) شیراز پہونچ چکا تھا اور خود شیخ نے امیر کے جوہر قابل ہونے کا اعتراف کیا تھا۔

بنا بریں خیال پیدا ہوتا ہے کہ خواجہ حافظ شیرازیؒ کو بھی (جو سعدی اور امیر دونوں کے بعد ہیں اور زمانی حیثیت سے تابع ہیں) امیر کے کلام پر نظر ڈالنے اور اس سے استفادہ کا موقع ملا ہوگا۔ اس خیال کی تصدیق کے لئے ہم نے خود خواجہ صاحبؒ کے دیوان کا مطالعہ کیا۔ پڑھنے کے بعد پتا چلا کہ بعض غزلیات خواجہ کے دیوان میں ایسی موجود ہیں جن کو امیر کی غزلیات (موجودہ وسط الحیوٰۃ) کا جواب کہا جا سکتا ہے (جیسا کہ موازنہ سے ثابت ہوگا) امیر نے شیخ کے قائم کردہ اساس پر جو عالی شان عمارت قائم کی تھی اس کے نقش و نگار خواجہ صاحب کے ہاں بھی موجود ہیں۔ اگرچہ اُن کے ہاں شراب، ساقی، مستی و مدہوشی اور زلف و خال کے استعارے میں وارداتِ قلبی اور نکاتِ تصوف کا بیان خود اُن کا حصّہ ہوگیا ہے اور کھلے لفظوں میں انھوں نے خواجو کی پیروی اور سعدی کا اعتراف کیا ہے؛

استادِ غزل سعدی ..... الخ

لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ خواجہ کے کلام میں امیر خسرو کی جھلک بھی

موجود ہے۔ وہ شیخ اور خواجہ کے کھلے لفظوں میں متبع ہیں اور امیر کے دبے لفظوں میں۔

شکر شکن شوند ہمہ طوطیانِ ہند
این قند پارسی کہ بہ بنگالہ می رود
(حافظ)

علاوہ ازیں جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے کہ شیخ کی ایک غزل امیر کے دیوان میں بلفظہٖ پائی گئی حالانکہ وہ امیر کی نہ تھی بلکہ شیخ کی تھی۔ اسی طرح خواجہ صاحب کے دیوان میں بھی امیر کی ایک غزل کے اکثر اشعار بلفظہا بہ تخلص حافظ موجود ہیں جو یقیناً حافظ کے نہیں بلکہ امیر خسرو کے ہیں۔ وہ غزل یہ ہے " بفراغِ دل زمانے نظرے بہ ماہروے " الخ جو وسط میں موجود ہے۔ دیوان حافظ[۱] میں اس غزل کے جو اشعار پائے جاتے ہیں یہ ہیں ؎

بفراغِ دل زمانے نظرے بماہروئے	بہ ازاں کہ چترِ شاہی ہمہ روزہائے وہوئے
بخدا کہ رشکم آید بدو چشمِ روشنِ خود	کہ نظر دریغ باشد بچنیں لطیف روئے
دلِ من شد و ندانم چہ شد آں غریب یارا	کہ گزشت عمر نامد خبرے بہیچ سوئے
نفسم بآخر آمد نظرم ندید سیرت	بجز ایں تماندارا ہوسے و آرزوئے
مکن اے صبا مشوّش سرِ زلفِ آں پری را	کہ ہزار جانِ حافظ بہ فدائے تارمُوئے

ان اشعار کو امیر خسرو کا تسلیم کرلینے میں ہم کو کچھ پس وپیش نہیں۔ پوری غزل کے ۹ شعر ہیں جو وسط میں موجود ہیں۔ علاوہ ازیں خود خسرو کا طرز اس غزل میں موجود ہے۔

---

[۱] مطبوعہ گلشن ہند دہلی ۱۲

اسی طرز (منقبتِ شیخ) میں ایک اور غزل ہے جس کا مطلع یہ ہے ؎

ہر قوم راست رسمے دینے و قبلہ گاہے
ما قبلہ راست کردیم باطرف کج کلاہے

اس خلط و اشتراک سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ شیخ، امیر اور خواجہ حافظ تغزل میں وحدت ذوقی رکھتے ہیں جس سے ایک گونہ استفادہ و تتبع کا پتا چلتا ہے جس سے ناقلین کو ایک کے کلام پر دوسرے کا شبہ ہوجاتا ہے۔

اب ہم خواجہ کے اُن غزلیات کا موازنہ کرتے ہیں جو امیر کے جواب میں معلوم ہوتی ہیں جس سے پتا چلے گا کہ خواجہ حافظ کے اکثر مضامین پہلے سے امیر خسرو کے ہاں موجود ہیں۔

امیر خسرو		خواجہ حافظ
بیا جانا کہ جانت را بمیرم	(۱)	بتیغم گر زند دستش نگیرم
وگر میرم بجاں منت پذیرم		وگر تیرم زند منت پذیرم
دل از ہجراں بجاں آمد کہ از جاں		غم گیتی چو از پایم درآورد
گزیرم نیست از تو ناگزیرم		بجز ساغر نباشد دستگیرم
خلاصِ من مجو اے رفیقاں		چناں پر شد فضائے سینہ از دوست
کہ من در قیدِ مہرِ او اسیرم		کہ فکرِ خویش گم شد از ضمیرم
نظر گفتند داری با فقیراں		نصابِ حسن در حدِ کمال است
منِ مسکین آخر ہم فقیرم		زکاتم دہ کہ مسکین و فقیرم

حافظ	خسرو
من آں مرغم کہ ہر شام و سحرگاہ	نمی آید بگوشت نالۂ من
رسد تا سدرہ آوازِ نفیرم	کہ گوشش چرخ کر گشت از نفیرم

مطلع میں جس مضمون کو امیر خسرو نے ادا کیا ہے وہی مضمون خواجہ حافظ کے ہاں موجود ہے۔ اگر امیر نے "وگر میرم بجاں منت پزیرم" میں اظہار امتنان کیا ہے تو خواجہ نے بھی "بہ تیرم گر زنی منت پزیرم" میں اپنی منت پزیری کا اعتراف کیا ہے۔ امیر خسرو کے مطلع میں "بیا جانا" سے مخاطبت کا لطف بھی موجود ہے۔ دوسرے شعر میں امیر غم ہجر سے جاں بلب ہیں اور خواجہ غم گیتی سے عاجز آکر اپنے مذاق کے موافق ساغر بدست ہیں۔ تیسرے شعر میں امیر نے اپنا اسیر محبت ہونا اس طرح ظاہر کیا ہے جس سے کبھی رہائی نہ ہوگی۔ خواجہ نے اس مضمون کو "فکر خویش گم شد" سے ادا کیا ہے۔ "چناں پُر شد فضائے سینہ از دوست" میں الفاظ اس تناسب سے لائے گئے ہیں کہ مصرعہ بہت بلند ہوگیا ہے۔ لیکن اساسِ مضمون امیر ہی کا مصرعہ ہے

"کہ من در قیدِ مہرا و اسیرم"

شعر چہارم میں دونوں نے اپنی مسکنت و فقر کے اظہار سے فائدہ اٹھانا چاہا ہے۔ امیر "نظر داری ...الخ" سے استدلال کرکے اپنے آپ کو مستحق نظر قرار دیتے ہیں خواجہ صاحب زکوٰۃِ حسن سے مستفید ہونا چاہتے ہیں۔ بالکل امیر کے ہم مضمون ہے آخری شعر میں اگر امیر نے اپنے نالہ و فریاد سے آسمان کو بہرا بنا دیا ہے تو خواجہ نے

بھی اپنی آواز مقامِ سدرہ تک پہونچائی ہے۔ خواجہ نے امیر کے مضمون کی تقلید کرتے ہوئے مشامِ سحر، مرغِ سدرہ اور صفیر کے اجتماعِ مناسب سے مضمون نمکین کر دیا ہے۔

امیر خسرو		خواجہ حافظ
رحمے کہ بر درِ تو غریب اوفتادہ ایم	(۲)	ما سرخوشانِ مستِ دل از دست دادہ ایم
وز خونِ دل ز دستِ تو چون جامِ بادہ ایم		ہمرازِ عشق و ہمنفسِ جامِ بادہ ایم
دی بادِ صبح بوئے تو آورد سوئے ما		اے گل تو دوش جامِ صبوحی کشیدہ
امروز دل بہوئے تو بر باد دادہ ایم		ما آں شقایقیم کہ با داغ زادہ ایم
از بہرِ نیم بوسہ کہ بر پائے تو دہیم		کارے ز تو میرود مددے اے دلیلِ راہ
یارب کہ چند بار بپایت فتادہ ایم		انصاف می دہیم کہ از رہ فتادہ ایم
آخر چہ شد کہ چشم بہ بستی بروئے من		بر ما بسے کمانِ ملامت کشیدہ اند
زینسان کہ ما بروئے تو ابرو کشادہ ایم		تا کارِ خود ز ابروئے جاناں کشادہ ایم

خواجہ اور امیر کے مطلع کا مآل واحد ہے مگر عالم جداگانہ ہے۔ امیر کے ہاں "غریب در اوفتادہ" پر محبوب سے رحم کی درخواست ہے۔ خواجہ "دل از دست دادہ" اور "ہمرازِ عشق" سے اپنی عاشقی کا دعویٰ کرتے ہوئے جامِ بادہ سے سرشار ہیں۔ انھوں نے خونِ دل (عشق) جامِ بادہ بھی تیار کیا ہے۔ دوسرے شعر میں امیر نے گل کا ذکر نہیں کیا بلکہ بادِ صبح نے اُن کی بو اُن کے مشامِ جاں میں پہونچائی ہے۔ انھوں نے اگلے مصرعہ میں بُو کے معنی اُمید لے کر تمنائے وصال میں جان دے دینا بیان کیا ہے۔ خواجہ صاحب نے

گل کا ذکر کرکے اس کو صبوحی کش اور خود کو لالۂ داغ دار بنایا ہے۔ دونوں کا حاصل واحد ہے اپنی محبوب کے کمال اور اپنے عجز و نقصان کا اظہار۔ تیسرے شعر میں ہر اک نے اپنی بےبسی کی بنا پر درخواستِ وصل پیش کی ہے۔ امیر کے شعر میں "یارب کہ چند بار" سے تکرار درخواست بھی مفہوم ہوتا ہے جو حسبِ حال ہے۔ شعر چہارم میں اساسِ مضمون دونوں جگہ ابروئے جاناں ہے۔ خواجہ نے امیر کا مضمون تشبیہی اسلوب بدل کر ادا کیا ہے اور بے حد لطیف کر دیا ہے۔

امیر خسرو		خواجہ حافظ
عزم آن دارم کہ از دل نقدِ جاں بیروں کنم	(۳)	دوش سودائے رخت گفتم ز سر بیروں کنم
آرمت در پیشِ خود را از میاں بیروں کنم		گفت کو زنجیر تا تدبیرِ ایں مجنوں کنم
چند گوئی عشق را از دل براں خوش تری		.. ..
گر توانم جانِ خود از دستِ تو بیروں کنم		.. ..
از دلِ بدخوئے خود خوں نایہ دارم کہ گر		من کہ رہ بردم بگنجِ حسنِ بے پایانِ دست
قطرۂ از دل بروں ریزم جگر ہا خوں کنم		صد گدائے ہمچو خود را بعد ازیں قاروں کنم
گوہرے دارم کہ در وے نیست جز لولوی خام		نکتۂ ناسنجیدہ گفتم دلبرا معذور دار
چوں نثارِ خاکِ پایت لولوئے مکنوں کنم		عشوۂ فرمائے تا من طبع را موزوں کنم
سرو من یک رہ بگلزار آئی تا در پیشِ تو		قامتش را سرو گفتم سر کشید از من بخشم
سرو اگرچہ تا رواں باشد رواں بیروں کنم		دوستاں از راستی رنجید نگارم چوں کنم

دونوں غزلیں ردیف قوافی اور وزن کے اعتبار سے متحد ہیں۔ مطلع میں حضرت امیر خسرو نے جس مضمون پر خامہ فرسائی کی ہے وہ اتحاد محبوب و محب ہے یعنی میرا مصمم ارادہ ہے کہ جان کے عوض محبوب کو لے کر اپنی خودی اس طرح مٹا دوں کہ "خلق گر پرسد از نام عیاں سازم ترا" کا سماں بندھ جائے۔ نہایت رفیع الشان مطلع ہے۔ خواجہ کا مطلع امیر کے دوسرے شعر سے ٹکر کھاتا ہے۔ جس میں امیر نے خود کو مخاطب بنا کر سمجھایا ہے کہ عشق کے آفات و مصائب سے گھبرا کر تن پروری کیوں چاہتے ہو۔ جب کہ تم محبوب کے قبضہ سے باہر نکل جانے کی طاقت نہیں رکھتے۔ نہایت سادگی کے ساتھ اپنا کامل وابستۂ جاناں ہونا دکھایا ہے۔ خواجہ نے بھی مطلع میں اسی مضمون کو ادا کیا ہے۔ ان کے دوسرے مصرعہ کے الفاظ نے اس مضمون کو زیادہ لطیف کر دیا ہے۔ "گفت کو زنجیر تا تدبیر ایں مجنوں کنم" گویا عاشقی سے توبہ کرنا سودا اور جنون ہے۔ تیسرے شعر میں امیر نے اپنے وارداتِ قلبی کو اس طرح ادا فرمایا ہے کہ اگر میں اپنے خونابۂ دل کا ایک قطرہ باہر کر دوں تو اس سے بہت سے جگر خون ہو کر بہ جائیں گے۔ یعنی ؎

آں عجائب ہا کہ در راہِ فنا — دیدہ ام کے شرح آں باشد روا
شمۂ زاں گر بظاہر آورم — پردہ ہائے عقلہا را بردرم (امیر)

اس کے مقابلہ میں خواجہ صاحب کا دوسرا شعر دیکھو بالکل امیر کے شعر کی شرح معلوم ہوتا ہے۔ خواجہ کے ہاں "صد گدائے ہیچ خود" میں کسر نفسی کا نکتہ مزید اضافہ

ہے۔ چوتھے شعر میں بھی خواجہ اور امیر مساوی الاقدام ہیں۔ امیر نے "لولوے خام" سے اپنے اشعار مراد لئے ہیں کہ وہ نثار جاناں بننے کی قابلیت نہیں رکھتے۔ خواجہ صاحب کے ہاں بھی "نکتہ ناسنجیدہ گفتم" سے اشعار ہی مراد ہیں۔ کہ خود محبوب کے لطیف عشوہ کے بغیر ناموزوں ہیں۔ آخری شعر میں امیر نے محبوب کے راستی و درستی قد پر صنعتِ تشبیہ میں خامہ فرسائی کی ہے اور نہایت لطافت سے محبوب کے قد کو سرو (چوبے ست ناتراشیدہ) پر ترجیح دی ہے۔ خواجہ نے بھی اسی مضمون کو لے کر بہت بلند کر دیا ہے اور "از راست می رنجد نگارم" سے نہایت لطیف ایہام پیدا کیا ہے دیکھو اساسِ مضمون سب جگہ امیر ہی کے اشعار ثابت ہوتے ہیں۔

امیر خسرو		خواجۂ حافظ
حالِ خود باز بر آئینِ دگر می بینم	(۴)	این چہ شوریست کہ در دورِ قمر می بینم
باز کارِ دلِ خود زیر و زبر می بینم		ہمہ آفاق پُر از فتنہ و شر می بینم
می رسد از پئے من رنج کہ من در برد		ہر کسے روز بہی می طلبد از ایّام
روزگارے دلِ شوریدہ بتر می بینم		مشکل اینست کہ ہر روز بتر می بینم
کہ تواند کہ مرا باز رہاند امروز		اسپِ تازی شدہ مجروح بزیرِ پالان
کیست آں فتنہ کہ در پیشِ نظر می بینم		طوقِ زرّیں ہمہ در گردنِ خر می بینم
این منم تشنۂ دیرینہ فرو پوش آں رہ		ابلہاں را ہمہ شربت ز گلاب و قندست
شہرتم دیدہ زانکہ خطر می بینم		قوتِ دانا ہمہ از خونِ جگر می بینم

خواجہ کی یہ غزل ان کی مشہور غزلیات سے ہے جس کا ماخذ امیر کی یہ غزل قرار دیئے بغیر چارہ نہیں۔ خواجہ نے مسلسل پوری غزل شکایت زمانہ میں لکھی ہے لیکن امیر نے تغیر و حوادث کا ذکر "حال دل بر آئین دگر" "کار زیر و زبر" "روزگار تبر" وغیرہ الفاظ میں کیا ہے۔ ساتھ ہی تغزل کا پہلو بھی ملحوظ رکھا ہے۔ تیسرے شعر میں انھوں نے "کہ تواند" استفہام انکاری اور "کیست آں فتنہ" برائے تعجب و تعظیم لاکر اپنی بے بسی اور معشوق کا سرتاپا فتنہ ہونے کا اظہار کیا ہے۔ آخری شعر میں اپنا عاشق صابر اور پرانا پیار محبت ہونا ظاہر کرتے ہوئے جلد تفقد حال کی درخواست کی ہے اور "خطر می بینم" میں محبوب کی نازک قلب پر اثر بھی ڈالا ہے تاکہ متاثر ہو کر جلد درخواست (شربتم زود بدہ) منظور کر لی جائے ؎

شربتم دیر مدہ زانکہ خطر می بینم

خواجہ اور امیر کے اس قدر موازنہ کلام سے جو صرف ردیف میم کی غزلیات وسط میں کیا گیا ہے۔ غالباً دونوں بزرگوں کا فرق و امتیاز معلوم ہو گیا ہوگا نیز یہ کہ خواجہ کے اکثر مضامین کی اساس حضرت امیر کے ہاں پہلے سے موجود ہے جس سے خواجہ کے استفادہ کا پتا چلتا ہے بخوف طوالت بقیہ ایسی غزلیات کے موازنہ کو ترک کیا جاتا ہے جو کسی قدر تغیر قوافی کے ساتھ دیوان حافظ (ردیف میم) میں پائی جاتی ہیں۔

شیخ سعدی، امیر خسرو، اور خواجہ حافظ کے انفرادی مقابلہ سے فراغت ہوئی اب ان سہ حضرات کا مختصر یکجائی مقابلہ بھی کیا جاتا ہے تاکہ ان کی ہم مذاقی کے ثبوت میں

مزید مد دے ملے۔

سعدی	خسرو	حافظ
تو مپندار کزین در بملامت بروم	من آن نیم کہ بعمر از وفائے خود بروم	خرم آن روز کزین منزل ویران بروم
دلم اینجاست بدہ تا بسلامت بروم	ز آستانت بجبین رضائے خود بروم	راحت جان طلبم و زپے جانان بروم
چون ہوا دار قدیم بدہم جان عزیز	منم فتادہ بجائے و ہر زمان چون باد	بہواداری او ذرہ صفت رقص کنان
تا ارادت نہ کہ از پیش غرامت بروم	گزر کنی بسرم من نہ بجائے خود بروم	تا لب چشمہ خورشید درخشان بروم
ور بدانم بدر مرگ کہ حشرم با تست	بدست بوس خیال تو گر شود ممکن	نذر کردم کہ گر این غصہ سر آید روزے
از لحد رقص کنان تا بقیامت بروم	درون دیدہ صورت نمائے خود بروم	تا در میکدہ شادان و غزل خوان بروم
گر سد از تو بگوشم کہ بمیرائے سعدی	در انتظار وصالت ز دست شد خسرو	چون صبا با دل بیمار و تن بے طاقت
تا لب گور باعزاز و کرامت بروم	دولت نہ شد کہ بسوئے گدائے خود بروم	بہواداری آن سرو خرامان بروم

ظاہر ہے کہ امیر خسرو اور خواجہ حافظ کے پیش رو شیخ سعدی ہیں لیکن وہ کچھ شیخ سے بڑھکر امیر کے ہاں اور امیر سے زیادہ خواجہ حافظ کے کلام میں جدت طرازی پائی جاتی ہے۔ پہلے شعر میں شیخ نے دربار پر مقیم ہونے اور وہاں سے چلے جانے کی صورت میں سالم نہ رہنے کو سادہ طور پر بیان کیا ہے اور وجہ بھی بتا دی کہ "دلم اینجاست" لیکن امیر خسرو نے "من آن نیم" سے ہمیشہ کے لئے آستانے سے برضائے خود چلے جانے کی نفی کی ہے ساتھ ہی اپنی قدیمی وفاشعاری کا اظہار بھی کیا ہے جس سے کمال ارادت مندی اور خدمت گزاری ثابت ہوتی ہے۔ خواجہ صاحب کا اسلوب بیان

دونوں سے جداگانہ ہے۔ انھوں نے اپنے مطلع میں دنیا کو ایک منزل ویران قرار دے کر سیدھا جاناں کی طرف رخ کیا ہے جس میں اصلی راحت و مقصد مضمر ہے۔ دوسرے شعر میں شیخ نے وفادار قدیم ہونے کی بنا پر اپنے تئیں سچا جانباز ہونا بتایا ہے۔ امیر نے بھی "منم فتادہ بخاک و ہر زماں چوں باد" سے اپنی مداومت اور قدامتِ عشق پر اشارہ کیا ہے اور اپنا کمالِ ضعف بھی ظاہر کر دیا ہے کہ محبوب کے آتے ہی میں بجائے خود قائم نہیں رہتا۔ خواجہ صاحب نے اپنی عقیدت کا اظہار محبوب کے سرتاپا کمال ہونے اپنے ہمہ تن عکس محبوب ہونے سے ذرّہ اور آفتاب کی نادر تمثیل میں کیا ہے جس سے عشق اور اس کی قدامت خود بخود سمجھ میں آتے ہیں۔ تیسرے شعر میں شیخ محبوب کے ساتھ محشور ہونے پر وجد کر رہے ہیں اور لحد سے میدانِ حشر تک رقص کناں جانے کو تیار ہیں۔ امیر محبوب کے تصور ذہنی کی عظمت کر رہے ہیں ساتھ ہی اُن آنکھوں کے جن سے یہ تصور بندھا ہے۔ خواجہ صاحب نے ترک تعلقات کو غم بسر آمدن اور رندانہ کی تفصیل "تا در میکدہ شادان و غزل خواں بروم" سے کی ہے جس سے محبوب کی معیت و تصور کی عظمت خود بخود سمجھ میں آجاتی ہے۔ خواجہ نے اس مضمون کو بے حد لطیف کر دیا ہے۔ آخری شعر میں شیخ نے محبوب کی جان طلب کرنے پر رقص کیا ہے جس سے محبوب کا جان سے زیادہ عزیز ہونا سمجھ میں آتا ہے۔ امیر نے اس مژدۂ وصل کے صرف انتظار ہی میں جان دے ڈالی ہے۔ اگرچہ محبوب نے ان کو بھول کر بھی یاد نہیں کیا۔ خواجہ صاحب باوجود بے حد بیمار اور کم طاقت ہونے کے محبوب کی خیر خواہی

ہیں صبا کی طرح اُڑنے کو تیار ہیں۔ تینوں کے اشعار کا حاصل واحد ہے لیکن امیر خسرو کا شعر زیادہ لطیف ہے۔

(۲)

شیخ	امیر	خواجہ
مستم ازیں بے تو کہ پروائے تماشا دارم	مدتے شد کہ نظر بر رخِ یارے دارم	در نہاں خانۂ عشرت صنمے خوش دارم
کافرم گر دلِ باغ و سرِ صحرا دارم	بلبلم ایں ہمہ افغاں ز بہارے دارم	کز سرِ زلف و رخش نعل در آتش دارم
بر گلِ روئے تو چوں بلبلِ مستم والہ	نازنینے ست کہ بہرش دل و دیں می بازم	ور تو زیں دست مرا بے سر و ساماں داری
از رخِ لالہ و نسریں چہ تمنا دارم	خوبروئے ست کہ با او سر و کارے دارم	من بآہِ سحرت زلف مشوش دارم
کہ نہ بر نالۂ مرغانِ چمن شیفتہ ام	مست دیدارم و گر کشتہ شوم نیست غمے	عاشق و رندم و میخوارہ بآوازِ بلند
کہ نہ سودائے گل و لالۂ حمرا دارم	ساقیِ سرو قد و لالہ عذارے دارم	ایں ہمہ منصب از آں شوخِ پری وش دارم
گرچہ لائق نبود گردِ من و دامنِ تو	می روم عاشقیہ بر دوش غبار آلود	گر بکاشانۂ رندان قدمے خواہی زد
ہر کجا پائے نہی فرقِ سر آنجا دارم	چہ کنم خدمتِ دیوانہ سوارے دارم	نقلِ شعرِ شکریں و مئے بے غش دارم

مطلع میں تینوں نے محبوبِ حقیقی کے حسن اور اس پر اپنی فریفتگی کا ذکر کیا ہے۔ شیخ (ہر طرف سے توجہ ہٹا کر) محو روئے یار ہو رہے ہیں ان کو باغ و صحرا وغیرہ کے تماشے سے کچھ سروکار نہیں "کافرم" سے تاکید دعویٰ بھی کر دی گئی ہے۔ امیر "مدتے شد" سے اپنا عاشقِ قدیم ہونا ظاہر کرتے ہوئے بہارِ حسن کی بلبل بنے ہوئے ہیں۔ خواجہ صاحب اپنا عشرت خانۂ نہانی (دل) ایک حسین محبوب سے

آراستہ کئے ہوئے ہیں جس کے رخ اور زلف سے "گاہے کافر شدن وگاہے مسلماں بودن" کی کشمکش میں مبتلا ہیں۔ دوسرے شعر میں شیخ محبوب کے مقابلے میں لالہ ونسرین سے کچھ سروکار نہیں رکھتا۔ اسی طرح امیر اپنے نازنین محبوب پر دل ودیں قربان کئے ہوئے ہیں۔ خواجہ صاحب کے ہاں اس پر اتنا اور اضافہ ہے کہ محبوب کے ہاتھ سے خواہ کتنی ہی جفائیں پہونچیں ہم اس کی یاد میں نالہ و فریاد و آہ و فغاں کرتے رہیں گے۔ تیسرے شعر میں شیخ نے مطلع کا مضمون دہرا کر تاکید مدعا کردی ہے لیکن امیر مست دیدار ہیں اور محبوب کے صفاتِ کمالیہ پر جاں نثار "گرمے کشدم نیست غمے" خواجہ صاحب بآواز بلند شیخ اور امیر کے مدعا کی تصریح کرتے ہوئے محبوب کے عشق میں اپنا رند میخوار ہونا بیان کررہے ہیں۔ عوام جن باتوں کی تذلیل کرتے ہیں خواجہ نے ان کی تحسین عجیب اسلوب سے کی ہے یعنی محبوب کی طرف سے ان کو مراتب ومناصبِ عاشقی سے تعبیر کیا ہے۔ خواجہ کا شعر نزاکت مضمون اور تناسب الفاظ کے لحاظ سے بہت بلند ہے۔ چوتھے شعر میں ہر اک نے محبوب کے کمالِ ادب کو ملحوظ رکھا ہے مگر خواجہ کے ادبی شان میں بھی رندی و آزادی محفوظ ہے۔ شیخ محبوب کے دامن تک اپنی گرد کا پہونچنا سوء ادبی سمجھتے ہیں اور جہاں محبوب کا قدم پڑے وہاں سر رکھنا فخر تصور کرتے ہیں۔ امیر اس مضمون کو دوسرے اسلوب سے ادا فرمارہے ہیں اور خدمت دیوانہ سوار کی بنا پر غبار آلود و غاشیہ بردوش جارہے ہیں۔ حافظ صاحب کے ہاں بھی قدوم میمنت لزوم محبوب کے لئے نقل شعر شیریں اور

مئے بے غش موجود ہے۔ تینوں میں شیخ کا شعر بلند اور صاف ہے۔

اس قدر یکجائی موازنہ سے یہ بات مخفی نہ رہے گی کہ ہر اک کے ہاں اکثر مضامین کم و بیش تغیر کے ساتھ یکساں طور پر ادا ہوئے ہیں نیز یہ کہ اس طریقہ کے ہادیِ طریق شیخ سعدی علیہ الرحمۃ ہیں۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

غزلیات کے موازنہ کے بعد اُن کے عنوانات کے انتخاب کا نمبر ہے۔ چند عنوانات جن کا تعلق غزل سے خاص طور پر ہے اور جو پچھلے بیان میں مستقلاً نہیں لیئے جا سکے امیر کی غزلیات سے منتخب کیے جاتے ہیں تا کہ ان کی غزل کے خدّ و خال اچھی طرح نمایاں ہو سکیں۔

امیر کی غزل میں جو بے شمار مضامین متعدد عنوانات سے پائے جاتے ہیں ان کا کلیۃً احصا کرنا اور ان کی واقعی خوبیوں کا دکھانا ہماری محدود قابلیت سے خارج ہے لیکن مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ پر عمل پیرا ہو کر ہم نے کوشش کی ہے کہ وسط کا یہ مہتم بالشان حصہ اہلِ نظر کی جلوہ گاہ بن سکے۔

شعرائے متصوفین کی طرح امیر خسرو بھی اپنی غزلیات میں ساقی سے کاملین، بادہ و شراب سے جذب و محبت اور زلف و خال غمزہ ناز وغیرہ سے شیونات محبوبِ حقیقی مراد لیتے ہیں اور تمام رندانہ مضامین اور عاشقانہ داستان کو جو بظاہر خلافِ زہد و تقویٰ ہے، خلوص و محبت اور طلب و عشق کی تحریص و تحریض کا

ذریعہ قرار دیتے ہیں اور بقول حضرت مولانا روم ؎

خوشتر آں باشد کہ سرِّ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

نمائشی واعظ اور زاہدوں کی عُجب، ریا، مکّاری اور دنیا طلبی کی خوب خبر لیتے ہیں۔ وہ حقائق کو مجاز میں اس طرح ادا کرتے ہیں کہ اُن کے وارداتِ قلبی شعری لباس پہن کر ؎

شمّۂ دردِ دلِ عطّار را
کفر کافر را و دیں دیندار را

کا مصداق بن جاتے ہیں۔ یہ حقائق اشعارِ ذیل میں ملاحظہ ہوں:

تصوّف

رندانہ۔ بیا ساقی کہ ما در رسے فتادیم — بخدمت پیشِ مے خواراں ستادیم
سرِ رندی چو کج کردیم در عشق — کلاہِ صوفیاں ہم کج نہادیم
بجز ریساقیاں میریم بارے — چو دادِ طاعت و تقویٰ ندادیم

قطعِ منازلِ سلوک کا اظہار رندانہ انداز میں کیا گیا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ ہم نے انانیت (خودی) کو مٹانے اور عشقِ صادق پیدا کرنے کے لیے اہلِ محبت کی خدمت اختیار کر لی ہے اور اپنا ظاہر و باطن یکساں کرنے کے لئے کسی تکلف اور تصنع کو

روا نہیں رکھا۔ کلاہِ زہد اگر کج ہی سہی طاعت و تقویٰ کا التزام نہیں نہ ہو۔ لیکن ساقی (مرشد کامل) کی نظرِ لطف درکار ہے جس پہ ہم ہر دم نثار ہیں (بجو بر ساقیا میریم) یہ تمام حقائق مجاز کے رنگ میں رنگے ہیں۔

"طلب صحبت" بیا تا بے گل و صہبا نباشیم — کہ گل باشد بسے و ما نباشیم
چو تنہا بود نی باید بہاں بہ — کہ از ہم صحبتاں تنہا نباشیم
بیا جانا دمارا باش امروز — چہ میدانی کہ ما فردا نباشیم
چو بگزارند یکجا دوستاں را — چرا با دوستاں یکجا نباشیم

گل و صہبا سے مراد جذباتِ محبت ہیں جو کاملین کی صحبت سے حاصل ہوتے ہیں۔ دوسرے شعر میں گور کی تنہائی پر اشارہ کرتے ہوئے ترغیبِ صحبتِ نیکاں ہے۔ تیسرے شعر میں حسنِ استدلال کے طور پر درخواست ہے کہ جب کہ کل ہم نہ ہوں گے تو صرف آج کے لئے اگر تم میرے پاس آجاؤ تو کیا حرج ہے۔ آخری شعر میں "صحبتِ دوستاں غنیمت شمر" کو ادا کیا ہے اور وجہ وہی خوفِ تفرقہ ہے جو کل یا آئندہ کل ضرور واقع ہوگا۔

عاشقانہ۔ خواہم کہ بکوئے تو دم جاں بسپارم — صد جان دگر در عوض از کوئے تو آرم
گر خلق جہاں زندہ بجانند ولیکن — من زندۂ عشقم کہ شہیدِ غمِ یارم

عوام کے زعم کے خلاف عاشقی کو زندگی اور غمِ یار کو شہادت سے تعبیر کیا ہے عشاق کے نزدیک کوئی دولت غمِ دوست (محبوبِ حقیقی) سے زیادہ عزیز نہیں جس کا دوسرا نام عشق ہے

کتمانِ عشق

غمت با این و آں گفتم نہ گفتم — اگرچہ ترکِ جاں گفتم نہ گفتم
ترا جاں گفتم از دل و رتو دانی — کہ من آں از زباں گفتم نہ گفتم

اخفائے عشق! زبان سے محبوب کو جان کہنے میں بھی تامّل ہے۔

فضیلتِ عشق ہر دل بے عشق را من دل نہ گویم — تن بے سوز را جز گل نہ گویم

یعنی انسان اور جمادات کے درمیان عشق و سوز ہی ما بہ الامتیاز ہے۔

فضیلتِ عشق بر عقل

شکایت دارم از عشق بر عقل — جفائے شحنہ بر عامل نگویم
مگو با من کہ عاقل نیست عاشق — کہ من بے عشق را عاقل نگویم

لذتِ تلخ (تربیتِ مریدی)

ہماں تلخم کہ ہی گوئی ہمی گوے — کہ گر نوازیم بد خوے گردم

انکسار زمن پرسی کہ اینجا کیستی تو — سگم گردِ سرِ آں کوے گردم

وفا ز کویت گزرم گر خاک گردم — ز زلفت مشکلم گر موے گردم

اسی مضمون کو خواجہ حافظ نے یوں ادا کیا ہے ؎

مرا عہدیست با جاناں کہ تا جاں در بدن دارم — وفاداری کویش را چو جانِ خویشتن دارم

تصوف (مسلسل غزل)

اگر اصحابِ عشرت مے پرستند — بیا ساقی کہ من ساقی پرستم
مرا گویند در مستی چہ دیدی — کہ مے گوئی دل اندر بادہ بستم

تعالی اللہ ازیں بہتر چہ باشد　　　　کہ از ننگِ وجودِ خویش رستم

عشاق کی پہلی منزل ترک جاہ و مال و نام و ننگ ہے اور سب سے آخری ننگ وجود سے رستگاری یعنی مرشد کامل کی توجہ سے مرتبۂ فنا حاصل ہونا جو اعلیٰ درجہ مقامات سلوک سے ہے

شوخی و آزادی:

یارب چہ باشد گر شبے جاناں در آغوشش آیدم　　　　مستسقیِ لعلِ دیم یک شربتِ نوش آیدم

بوسہ زنم گلگوں لبش بر بحر نہم میموں رخش　　　　گرچہ بلائے چوں رخش اندر بنا گوش آیدم

عشق حقیقی:

ویرانہ شد دل از غمش ناگہ برآورد آتشے　　　　شد رخت شہرے سوختہ خاشاک ایں ویرانہ ہم

خاشاکِ ایں ویرانہ سے مراد وجود ظاہری اُس کے لوازم ہیں جو محبتِ حق سے فنا ہو گئے ہیں۔

عاشقانہ۔ دو ابرویت سرا بہم در کار دزدیہائے دل　　　　دزدیدہ چشمک می زدواں نرگسِ مستانہ ہم

خواجہ حافظ کے ہاں بھی یہ مضمون موجود ہے ؎

خونِ ما آں نرگسِ مستانہ ریخت

واں سرِ زلفِ پریشاں نیز ہم

عشق و سوز، لبِ جاں بخش:

کشتِ فراقِ کافرم باز بیاؤ زندہ کن　　　　پیش چناں لب و دہاں منّتِ جاں چرا کشم

بلاکشی۔ وائے کہ خونم آب شد چند زدیدہ خوں خورم　　　　آہ کہ سوخت جانِ من چند ز دل بلا کشم

اس مضمون پر خواجہ حافظ کی جدّتِ طبع ملاحظہ ہو ؎

دلا چندم بریزی خوں ز دیدہ شرم دار آخر
تو نیز اے دیدہ خوابے کن مرادِ دل برآر آخر

تحمّلِ جفا آں ہمتم کہ از جفا دست ز یار درکشم — یا پس زانوے خرد پائے قرار درکشم

زلف و خط (عاشقانہ)

دل بخطِ بتاں شدہ دامنِ خویش می کشد — دامنِ دل بچند جا از سرِ خار درکشم

خرام خیز و قیامتے نما بہرِ شمارِ عاشقاں — تا بمیانہ خویش را گاہ شمار درکشم

یعنی ذرا کھڑے ہو کر قیامت بپا کردو تو کشتگانِ عشق کے شمار میں میں بھی پہونچ جاؤں۔

لذتِ عشق عشق بود بلائے من کاش بود ہزار جاں — کز پئے دوستی ہمہ پیش بلائے خود کشم

جفائے عشق قند مکرر ہے ع

یک بار میرد ہر کسے بیچارہ جامی بارہا (جامی)

غزل مسلسل عاشقانہ

مادل شدگانِ بے قراریم — ما سوختگانِ خام کاریم
آتش زدگانِ سوزِ عشقیم — رسوا شدگانِ کوئے یاریم
بودیم خرابِ بادۂ دوش — امروز ہم اندراں خماریم

آخری شعر میں امیر عہد الست کی یاد تازہ کر کے مست ہیں۔ خواجہ حافظ کے ہاں

یہ مضمون بدیں الفاظ موجود ہے ؎

رشتۂ پیرِ مغانم زازل در گوشِ ست — ما ہمانیم کہ بودیم ہماں خواہد بود

سوزِ عشق۔

چکنم گر آبِ حسرت نکنم رواں زمژگاں — کہ بسینہ زاتشِ دل ہمہ دود و آہ دارم

چو فرو شدم بطوفاں چہ کشم بلائے دیدہ — چو گزشت آبم از سر چہ غمِ کلاہ دارم

مرزا غالب ؎

رونے سے اور عشق میں بے باک ہو گئے — دھوئے گئے ہم ایسے کہ بس پاک ہو گئے

امیر خسرو کے آخری مصرعہ میں "چہ غمِ کلاہ دارم" کی تعبیر اگر "بس پاک ہو گئے" سے کر دی جائے تو بالکل مناسب ہے۔ "پختہ کارانِ جنوں را کے حیا زنجیرِ پاست"

عرفان

سخنت بسر دگویم خبرت زبادہ پرسم — تو درونِ دیدۂ دل زکساں چرا تِ جویم

بداغ بدیدہ و جاں ہمہ جا نہفتہ ہستی — چو نہ بینم آشکارا بکدام جات جویم

تو کہ بر درِ تو گم شد سر و تاجِ بادشاہاں — چہ خیالِ فاسد ست ایں کہ من گدات جویم

یعنی ادراکِ حقیقتِ محبوبِ حقیقی طاقتِ بشری سے خارج ہے۔ ؎

کہ خاصاں دریں رہ فرس راندہ اند

بلاحصی از تگ فرو ماندہ اند (سعدی)

نشترِ نگاہ

اگر آں دو چشمِ شوخت نگرد خضر بمیرد — وگرت مسیح بیند بدو چشمِ تو کہ اوہم

"بدو چشمِ تو" میں چشم کو مقسم بہ لانے سے اور زیادہ عظمتِ چشم ثابت ہو گئی۔

مصحفِ رخ

چہ بلاست بارک اللہ رخِ تو کزاں تحیّر   بخموشی اند ماندہ ہمہ کس بگفت و گوہم

کلیم لکھتے ہیں ؎ بخموشی بہ تکلّم بہ تبسّم بہ نگاہ
میتواں بُرد بہر شیوہ دل آساں از من

انتظار بکرشمہ گہ گہ ایں سوگزرے کہ بہرِ دیدت   جگرے دو پارہ دارم نظرے بچار سو ہم

عاشقانہ کُشی و بناز گوئی کہ اجل ہمی بَرد جاں   دلِ تو اگر نہ رنجد مہِ من رخِ نکو ہم

"دلِ تو اگر نہ رنجد" کے جملہ معترضہ اور "مہِ من" کی اضافت سے شعر بہت بلیغ ہو گیا ہے۔ جملہ معترضہ سے پہلے معذرت کی گئی ہے اس کے بعد "مہِ من" کے تخاطب سے لذّت حاصل کرتے ہوئے محبوب کے قول (اجل ہمی برد جاں) پر (رخِ نکو ہم کا مفید اضافہ کیا گیا ہے یعنی عشاق کو صرف اجل ہی کشتہ نہیں بناتی بلکہ اچھی صورت بھی ناکاموں کا کام تمام کر دیتی ہے۔

سلوک وقت آنست کہ ما رو بخرابات نہیم   چند بر زرق و ریا نامِ مناجات نہیم

شرابِ معرفت

گر فروشیم مصلّا زپئے مے بہ ازانکہ   رختِ تزویر ببازارِ کرامات نہیم

"ایں دفترِ بے معنی غرقِ مئے ناب اولیٰ" (حافظ)

شوخی ساقیا گر زاہداں میخوار را کافر کنند   ما بمحرابِ دو ابرویت مسلماں نش کنیم

زاہدوں پر تعریض کا یہ اسلوب کہ اگر تم میخوار کو کافر کہتے ہو تو ہم اس کو مسجد

(ابروئے یار) میں لے جاکر مسلمان کریں گے"۔ نہایت لطیف ہے

عشق ظاہر ہوکر رہتا ہے:

منزلِ عشقت کہ من پوشیدہ در جاں میکنم — رخ گواہی می دہد ہر چند پنہاں می کنم

علامات سے اصل حالت کا پتا چل جاتا ہے گو زبان سے نہ بیان کیا جائے۔

صائب نے یہ مضمون اپنے ہاں اس طرح ادا کیا ہے ؎

می تواں داشت نہاں عشق ز مردم لیکن
زردی رنگِ رخ و خشکیِ لب را چہ علاج (صائب)

انکسار سودہ گشت از سجدۂ پیش بتاں پیشانیم — چند بر خود تہمتِ دینِ مسلمانی نہم

معرفت بر من افشاں جرعۂ از جامِ خود ناز انشاط — رختِ ہستی را بہ بازارِ پریشانی نہم

آخری مصرعہ نہایت بلند ہے۔ "رختِ ہستی را بہ بازارِ پریشانی نہم" سے امیر نے دکھلایا ہے۔ بادۂ عرفاں کا صرف ایک گھونٹ تمام دنیا و مافیہا سے زیادہ لذت بخش ہے جس سے بقائے دوام حاصل ہوتا ہے۔

شکایت یار بد خو و فلک نامہرباں — تکیہ بر عمر و جوانی چوں کنم

عشق و افلاس و غریبی و فراق — من بدیں ساں زندگانی چوں کنم

تسلیم و رضا خواہ خونم ریز و خواہی زندہ کن — بندہ ام من حکمرانی چوں کنم

جورِ دربانان از درت سنگے زدندم نیم شب — سگ گماں بردند آں من بودہ ام

ریختہ میں مرزا غالب نے اس مضمون کو اس طرح ادا کیا ہے ؎

گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئی
اٹھا اور اُٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے لئے
(غالب)

ثمرۂ نیت در پئے پرائے کعبہ چوں مردم براہ — گر نکردم حج پہ ہے بیہودہ ام

قناعت و انکسار

گل ز باغِ وصل نزدیکاں برند — من چو سگ از دور باسنگے خوشم

شوخی و رندی

توبۂ دیرینہ را می بشکنم — ساقیا دردہ شراب روشنم
ساقیم گر چوں توبہ روئے بود — توبہ چہ بود مہر ایماں بشکنم

خونباری عشاق

من خونِ دیدہ نوشم این ست عشرتِ من — آیا چہ جائے بادہ بے تو کہ جام خواہم

گرمیِ عشق

دیوانہ ام من لے دل زاں شمع یادم آورد — کاتش زنم جہاں را ناگہ اگر بسوزم

ذوقِ عشق

ذوقِ خرد بجوئم کز غم کشانِ عشقم — فضلِ عرب ندانم کز روستائے غورم

یعنی غوری دہقان کو جس طرح فضلِ عرب سے سروکار نہیں اسی طرح عشاق کو عقل کی تلاش نہیں۔

استغراق و محویت

از ہولِ رستخیزم واللہ خبر نباشد — پیش آید ار بناگہ در حشر رستخیزم

سعیِ فنا ما عاقبت نثارِ رہِ یار کردہ ایم — جاں را بمن یزید عدم فرد کردہ ایم

بیع من یزید نیلام کو کہتے ہیں یعنی راہِ طلب میں ہم نے جان دے کر فنا خریدی تھی۔

عاشقانہ من انچہ دوش بریں جانِ مبتلا گفتم — ہمہ حکایتِ آں طرۂ دوتا گفتم

ز صبر اگر سخنے گفتم اے فراق مکش — گناہ کردم و بد کردم و خطا گفتم

فراق کی تکلیف کا اسلوبِ اظہار نہایت نادر اور بدیع اختیار کیا ہے یعنی اگر بھولے سے میں نے اپنے آپ کو صابر و ضابط کہدیا سخت غلطی کی اس بنا پر اے فراق، میری آزمائش نہ کر۔

امیر خسرو کی غزل میں من جملہ اور محاسن کے یہ لفظی خوبی بھی موجود ہے کہ ان کی بحور و وزن تغزل کے مناسب ہیں جس سے غزل کا نشتر اور تیز ہو جاتا ہے جہاں انھوں نے چھوٹی چھوٹی بحروں میں غزل سرائی کی ہے ایک نیا عالم پیدا کر دیا ہے مثلاً:

(۱)

عاشقانہ ما کہ در راہِ عشق قدم زدہ ایم — بر خطِ عافیت رقم زدہ ایم

علوِ مرتبۂ عشق تا بطوفانِ عشق غرقہ شدیم — بر سرِ نہ فلک علم زدہ ایم

ہستیِ فانی چونکہ اندر وجود نیست ثبات — دست در نامۂ عدم زدہ ایم

ہم چو خسرو نہ نیستی اے دوست — ہستیِ ہر دو کون کم زدہ ایم

ہاں کھائیو مت فریبِ ہستی
ہر چند کہیں کہ ہے، نہیں ہے (غالب)

(۲)

لبِ عارض۔ این توئی یا بخواب می بینم	یا بشب آفتاب می بینم

در دلِ خویشتن خیالِ لبت	نمکے بر کباب می بینم

شوخی۔ از لبت بوسہ چوں سوال کنم	کہ نہ راہِ صواب می بینم

(۳)

سحر گہ کہ بیدار گر دیدہ بودم	صبوحی دو سہ بار نوشیدہ بودم

تماشائے قدرت۔

شدم بامداداں بہ بستاں کہ دل را	کنم خوش کہ مخمور و ژولیدہ بودم

بارانِ گریہ۔

نگارا چہ خوش آشنا ہا چہ کردی	در آبے کہ از دیدہ باریدہ بودم

مقابلۂ چشمِ معشوق و عاشق۔

مرا فتنہ بودی و زاں چشم بودی	ترا بندہ بودم وزیں دیدہ بودم

کبھی کبھی ایک ہی لفظ میں کسی صنعت (ایہام ذو معنیین) سے کام لے کر عجیب عجیب نکات پیدا کرتے ہیں۔ مثلاً شعر ذیل میں لفظِ زبان کا لطف دیکھو ؎

زبانِ یارِ من ترکی و من ترکی نمیدانم	چہ خوش بودے اگر بودے زبانش در دہانِ من

اس شعر میں لفظ گناہ میں غور کرو ؎

نہ کنم ز عشق توبہ کہ سرِ گناہ دارم	چکنم نمی توانم دلِ خود نگاہ دارم

ان کی غزل کا ایک ممتاز وصف محبوب کا سراپا اور وصف نگاری بھی ہے
چند نمونے ملاحظہ ہوں :

مستیِ چشم۔ خمار و خوابِ چشمِ کافرش بیں — شکنج و پیچِ زلفِ ترکشش بیں
غمزۂ جادو۔ دلِ پاکان و جانِ پارسایاں — ہلاکِ غمزہ ہائے ساحرش بیں
قامت۔ سروِ سیمن برم کجا تا بہ برش در آرمے — دستِ مراد یک زماں در کمرش در آرمے
سرو ندیدہ ام بر یک بسر و قامتش — سحر زبانِ خود دمم تا بہ برش در آرمے
رفتار۔ ترکِ ما بر شکلِ دیگر می روی — با ہمہ از خوبی برابر می روی
چیست بر بستی قبائے فتنہ را — گوئے از میدانِ لشکر می روی
چند گوئی در روم در چشمِ تو — دیدہ در راہ است اگر در می روی

شیخ سعدی کے ہاں یہ مضمون یوں ہے ؎

دیدۂ سعدی و دل ہمراہِ تست
تا نہ پنداری کہ تنہا می روی

وصفِ دلبری۔ دلبری گوئی من دلبری ندانم — بارے ز زلفِ بتاں آموز دلربائی
غمزہ، خندہ اور گفتگوئے معشوق۔

خندہ کن گر پردہ بر جاں می دری — غمزہ زن گر خون درویش می کنی
در غم لبہائے من گوئی بمیر — ترک را بر بندہ چیزے می کنی
گفتمش بر روئے زردم خود بخند — زعفراں را خندہ تلقین می کنی

امیر کی غزل میں معاملہ بندی طرفہ آفرینی جدت اسلوب اور اختراع تشبیہ و صنائع کے علاوہ ایک وصف خاص ایسا ہے جس کی وجہ سے ان کی غزل خود ان کے بقیہ تمام کلام پر فوقیت رکھتی ہے۔ اس وصف کو لفظوں میں ادا کرنا دشوار ہے۔ اس لئے کہ وہ اک وجدانی و حالی چیز ہے، قالی نہیں۔ سوز و گداز، درد، تصوف، حقائق و اسرار جو چاہو نام رکھ لو۔ لیکن حقیقت وہی ہے جو مرزا غالب لکھتے ہیں یعنی "ورائے شاعری چیزے دگر ہست"

اس چیز کے اکثر نمونے اوپر گزر چکے۔ چند اور ملاحظہ ہوں:

شورشِ عشق۔ دست نہ در سینہ ام تا بنگری　　آتشے پوشیدہ در خاکسترے

نواب شیفتہ مرحوم خوب فرماتے ہیں ؎

شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ　　اک آگ سی ہے سینہ کے اندر لگی ہوئی

دل بارگہِ سلطانی ہے۔ شہرِ دل ویراں شد از بیدادِ تو　　ورچہ ویراں تر شود سلطان توئی

اسی مضمون کو دوسری جگہ فرماتے ہیں ؎

ملکِ دل کردی خراب از تیغِ ناز　　ہم دریں ویرانہ سلطانی ہنوز

مضمون و نفخت فیہ من روحی۔

از گراں جانی من جاناں مرنج　　چوں بہ دین جانِ من پنہاں توئی

[illegible] ما سوا ۔

تا نظر گاہِ الٰہی شود بت منظرِ دل　　زنگ کونین ز آئینۂ خاطر بزدائے

صحبتِ اہل اللہ۔

بفراغِ دل زمانے نظرے بماہروئے ۔۔۔ بہ ازاں کہ چترِ شاہی ہمہ عمر ہاؤ ہوئے

یہ شعر جتنا مجاز پر حاوی ہے اس سے زیادہ حقیقت پر ناطق ہے۔ مولانا رومی خوب فرماتے ہیں ؎

"یک زمانہ صحبتِ با اولیا ۔۔۔ بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا"

لیکن امیر کے شعر میں مجاز و حقیقت کے اجتماع نے شعر کو مجمع البحرین بنا دیا ہے۔

ترجیح عشق حقیقی بر مجازی۔

نہ بدست با جواناں بہ چمن شدن ولیکن ۔۔۔ ہوسِ جمالِ جاناں نہ زود برنگ و بوئے

حسنِ محبوب اور اس پر رشک۔

بخدا کہ رشکم آید بہ زچشمِ خود ہم ۔۔۔ کہ نظر دریغ باشد بچناں لطیف روئے

حضرت بو علی شاہ قلندر نے اس مضمون کو اس طرح باندھا ہے ؎

"غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم ۔۔۔ گوش را نیز حدیثِ تو شنیدن ندہم"

ریختہ میں مرزا غالب وجد کرتے ہوئے یوں فرماتے ہیں ؎

"واہ رے قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے ۔۔۔ میں اسے دیکھوں بھلا یہ مجھ سے دیکھا جائے ہے"

امیر کے حسنِ غزل پر ہماری (تنقیدی) نظر بھی معذرانہ لہجہ میں یہ معذرت کرتی ہے ع

"کہ نظر دریغ باشد بچناں لطیف روئے"

رحمۃ اللہ تعالیٰ

فضل احمد حافظ

جنوری سنہ ۱۹۲۰ء

بسم الله الرحمن الرحیم

وبه نستعین

دیباچۂ مصنّف

حمدے کہ از میانِ جاں بر آید و ثنائے کہ از واسطۂ دل گرہ کشاید حکیم حاکم را علت کلمہ و عمّت نعمہ کہ بقلم حکمتش در صحائف و سطحیات دقائق اشعار را نگاشت فَتَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ داشت ابداعے کہ نہ بحر سریع را محیط کرد تا زبدہ لطیفہ بر روئے آب آید قطرہ از عین علم او وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا وانشائے کہ چہار طبع بسیط را مرکب کند تا چندیں معانی غریب متولد شود قطعہ ایست از دفتر فضل وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ و گدایان وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَأَنتُمُ الْفُقَرَاءُ را بمخاطبہ وَآتَاكُم مَّا لَمْ يُؤْتِ أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِينَ بزرگی داد۔ خاکیان يُحِبُّهُمْ

وَ یُحِبُّوْنَہٗ را بمواجہہ وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ روشناس گردانید ربط سواد و بیاض لیل و نہار بحکم حکمت مربوط کرد۔ تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ ط حل و عقد جمہور امور بہ کتب صادقہ رسل را منوط گردانیدہ وَ اٰتَیْنٰهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحُکْمَ وَالنُّبُوَّةَ ط خصوصاً رسول امین اُمّی را ہدایت نامہ ذٰلِكَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ ط بر کف کفایت نہاد تا گم شدگان بادیہ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ ط را بخط مستقیم وَ اِنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ راہ راست نماید ؎

شکر او گویم کہ کرد اول مرا ہستی عطا وانگہم بنمود راہِ مستقیم مصطفےٰ

زہے واسطۂ حیات عالم و عالمیان کہ رابطۂ ذات آدم و آدمیان ست و جہے آفتاب وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ و ماہ طٰهٰ کہ از رخسار نیّرِ او روشن شدہ وَ هُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی و مشارق الانوار از جبہۂ او نور گرفت۔ مصراع

دروغ بود بر او آنکہ آں دروغ زنا

برعین زبان فال گویش می گفتند زیرا کہ فال ابجد قرعہ باشد نہ قواطع قرآن آں پاک گوہرے کہ زبانش از حکایت و براق تیزی او بود اگر حد گوہر می شناسی مگو کاہن بود وَمَا هُوَ بِقَوْلِ كَاهِنٍ ط قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ط ہر کندہ دوزخ کہ با او زبان اشتعال بیروں کشیدہ جز سوختگی و تب ہیچش در دست نیامد تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ط

بیت

دشمنش را خانہ باید سوختن تا دوستاں
خوش کنند از بیت سوزانش درونِ خویش را

مدح شیخ خود نمیدانم ہر دم شیوخ را در قلب خویش فرو بالا می بینم ہیچ گرامی با آں آیتِ رحمت بازنمی ماند زہے نظامی کہ خسرو نظامی از نام او شد و بر پنج گنج نبی الاسلام علی خمسِ از ارشادِ آں رشید رسید کہ اگر من مکین را پرتو دولت نظامی نبودے زبانم کلیدِ مخزن نہ شدے اگر جزو جزو جلد من بکشایند بر پشت ہر قطعہ بمحامد آں ممدوح محمد نام شدے

بیت

یارب آں معنی کہ در کامِ محمد ریختی
جرعہ بر من چکاں بوئے ازاں بر من رساں

آغاز دیباچہ

احوال الواح ایں عزیزو آثار ایں درر زیبائے ایں صفحۂ فصاحت و تبیانِ آیت رویت صحیفہ حصافت کہ بہ تہذیب غرائب مذہب و تہذیب رغائب مہذب ست بمسامع ارباب کلام و مجامع اصحاب کمال بریں جملہ می رسانم کہ چوں عین عمر را از پانزدہ نظر بہ بیست حدقہ حداقت را بصرے نور افزائے حاصل و مقالۂ مقالت را نظرے دور نما و اصل گشت و بخواب بندی پر خماران غزل سحر ساز و بچشم بندی سخن چشم باز شد مردم دقیقہائے کہ از گردشِ آسیائے سنگ گرداں تا پختہ و نا پختہ در میزان طبیعت من وزن می یافت بچنیر سینہ می بخیتم و از نے دود و اندود خامہ پختہ بیروں می دادم چناں کہ چاشنی گیران مائدہ آں نوالہائے دل را بدندانِ خرد تناول می فرمودند و بر باعی آب می گزیدند و آئینۂ معنوی را ازیں دندان فکرت ثنائے می گفتند و اثنیۂ مثنوی را

ثنائے بالذت تلذذ می نمودند و دراں وقت نمودار خیالات در آئینۂ باریک بینان نو شدہ بود و طبیعتہائے صافی وشاں نیز بتصور آں رو آوردہ و مردمانِ سواد ات سپاہانی در چشم می کشیدند۔ بندہ نیز بر حکم تیغ آزادگاں آں سکہ را خریداری می کرد و آں سعادت را مشتری شد و یگان چہار گانی را بطرز سپاہانی با صحاب کمال می نمودم وازانم جمالے حاصل می آمد و دراں ہنگام مولانا مفتی الانام مقتدا الایّام صدر الشریعہ معشر الدین غزنوی در مسندِ حیات بودی و باکمال علم و جمال فضل در چہار گانی خیال یگانہ و دراں طرز در زمان و مکان مستثنیٰ روز بروز بطریق استفادت بسابقہ آں سبقت جستم تا بدیں سبقے از فوائد ایشاں بدست آرم واین رباعی کہ بیت القصیدہ است نو گفتہ بودم بیت ؎

درخندہ چو چشمِ مستِ تو ناز کند ازروئے تو گل ریختن آغاز کند

حالی بر طبق نوالش عرضہ کردم در ہذا قش بغایت نمود و در تحسین بزبان شیریں شکر ریز گرد آں چاشنی بحلاوت تمام در کامِ جانِ من ریخت ؎

انّی شکرتُ اللہ عسلَ مقابل الی الافاضل مثل الذی حلوا

ہر خلق کہ بعد ازیں ست حاصل سواد کاتب می زاد قرۃ العین مبصّران می گشت و در افواہ اہل مقال کامیاب می شد و اہل طرب چنگ دراں زوند و پیران چنگ پشت حال می آوردند۔ الغرض در بساط گاہ من صنّف فقد استھدف خود را برجائے نہادہ بودم و از اصحاب کلک ہر تیز فنی کہ می خواست بر من زخم آرد چوں در

آماج گاہِ کاغذمن می رسید خطا می کرد و روے بخاک می نہاد و لکد می خورد گنبد کناں می جست ع

اِن المحسُودَ رَمیٰ اِلیّ سِہامہ
حِدًّا و مُطمئِنّ وجُنّتی قرطاسِی

شہرے چوں دہلی و کوہے بر کراں و دریاے درمیان ع

کانَ بحراً مُحیطۃً صدفٌ   من رایٰ البحرَ کانَ فی صدفِ

ہر سنگے راکہ از و بجنبانی گوہر سخنے بیروں دہد و ہر خاکے راکہ از و بکاوی چشمہ معنی بیروں تراود ع

یکے دریا پُر از دُرِّ جہاں تاب   نباشد ہیچ دریائے بدیں آب

و در روے متبحران نظم و آشنایان بحر و معلّمان سفینہ بعدد قطرات باراں درچنیں دریاے میانِ چندیں غوّاصان گوہر سخنم بر روے آب آمدے۔ آرے سرچشمہ حیات صافی بود و سیلاب شباب تند و طبیعتے از آب رواں ترلاجرم جملہ ترسخنان را دست از سخن بست شبہ نیست کہ ہنگام علو طرائف مصنفات و در اوصاف لطائف منشاٰات در نشاطِ جوانیست و ایّام علوم طرائق مصنفات در اوساط زندگانی سرآن شاب کہ در شب شباب ہم آتش طبعش چراغے پر زبانہ باز نیفروخت بعد ازاں از دودمان قلم او بر صحائف روزگار دیدہ روشن نماند و سرآن درخت ترنارسیدہ کہ از شاخ او در موسم نوروز برنائی بآب لطائف گلے نشگفت بیخ از نہال نہاد و بر طریق طبقہ فضل فضیلتِ او ثمرہ پختہ نرسد ع

شاخِ جواں کہ میوۂ ترپے بہ پے دہد　　روزے کہ پیر گشت چناں میوہ کے دہد

سخن شکرّے ست کہ شیر دندانان راخائیدن نداد ند و در کبرسن خود نتواں خائید اما چوں جوانانِ شکرخاے سلک جواہر ایشاں رابسے بایستے کہ در رسیدہ باشد و بدیں نعمت بسیار دنداں زدہ باشد ہر آئینہ ایشاں را ایں کاسہ پخت دماغ لقمہ شود و مغز سخن از استخوان سینۂ ایشاں را ایں کاسہ بیروں آید و زباں را چرب گردانیدہ و تا سرِ ایں مائدہ وسال از الوانِ عمرسی و دو تمام بیروں نیاید زبان ازیں لذّت بکام نرسید و پختگی ایں حلوا را حلاوت در نیافت ؎

تا نشد آتشِ جوانی تیز　　خام بود ایں ابائے شہد آمیز　[illegible]

دانستگان دانند کہ در زمانۂ نادانی از آغاز جوانی کودکانِ خوش طبع را سوداے اشعار بسیار در سر پیچید۔ اما آتش طبعان کہ از نۓ قلم دود انگیزی کنند ہنوز دمدمۂ انفاس اہل نفائس نیافتہ باشند و آں سودا را پختہ بیروں نتوانند داد ع

وراں خامی شد و خامت کشد ما آں کہ در اوّل

اما چنیں کسیکہ پیش از مدت حمل زاید ترکیبش در غایت ضعف بود و قالب او را بقا نتواند بود و بقبول قابلہ نرسد ؎

در عالمِ امّہات و آبائے شکم　　ہر طفل کہ ہشت ماہہ زاید نزید

سخن آنست کہ در زبانہاے گویندگان نماند و سخن بماند و آنچہ گفتہ شد و ناگفتہ ماند ہماں طفل ہشت ماہہ ہست کہ زادن ہماں بود و مُردن ہماں　نظم

بساکسان کہ سخن گفت در زمانہ ورفت ‌ ‌ ‌ چو خام بود سخن پختہ را نشد منظور
نبودے شاعر الا ہمہ بنی آدم ‌ ‌ ‌ اگر شدے سخن جملہ مردمان مشہور

حقیقت ست کہ چوں نو بر آمدہ ست۔ دریں فرد شود و خواہد کہ دُرّ نوادر بر روئے آب آرد اگرچہ نو گوہرے چیدہ از غیر اوزان و چو جو زرے سنجیدہ از کان ارکان نوازندگی برکشد امّا ضابطۂ حل و عقد معانی تمالک ندارد کہ در رابطۂ ضبط قبض و بسط معانی را تماسک نتواند نمود و عقد نظم را برابطے کشادہ و سلک سوز را کشادے بر بستہ نیارد آورد کہ عاقبت شطۂ[1] زلالش از زللے خالی باشد و بضرورت خط خیالش از خللے نباشد بیت

کودک از پیر آسماں باشد
ہنرش تیر کودکاں باشد

و چوں شائبۂ در معمورۂ عمر در آید و سواد او زنامۂ عمر بہ بیاض رسد اگرچہ مدارج ارکان ترکیب بزینت متانت مزیّن گشتہ و ہنگام انشعاب و انبعاث انشا و کثرت عمل قلت خلل باشد و سرشتن دقیقہاے نیک پختہ شدہ و نوشتن لطیفہاے سخت پختہ گشتہ اما ہم از آسیب شیب کہ زمان وداع دواعی ست چوں داعیۂ خاطر دعا گفتہ باشد و سلامت خیر باد کردہ و باد ہوس در شاخ حیات در شکستہ و بہار وجود از نکہات خزاں گشتہ و بوستانِ دماغ گل طبیعت پدرود کردہ و سرچشمہ آب و گل از خاک کاہش انباشتہ شدہ ہر آئینہ آئینۂ خیال را تصورے جمیل روئے نماید و تیغ زبان را از علت طبع جواہر آبدار بر سر حرف نیاید و عین عبارت بکنہ انگیزش بلیغ نتواند رسید و دیدۂ بصارت صورت

[1] جو و دریا ۱۲

معنی بدیع بخواب نتواند دید **مثنوی**

چوں ز انگیزش بماند طبع پیر / گر کند ترکیب نظمے زو مگیر

گرچه نثرے نظم کردن کار نیست / دُر طلب کن بحر را مقدار نیست

نظم کز معنی نشانے نبودش / صورتے باشد که جانے نبودش

معنی نو به که باشد در سخن / لفظ خود نو نیست کس را جز سخن

از نو انگیزی مرا برخاست نام / ورنه بسیارند ارباب کلام

وهرگاهے که خازن حفظ از محصلان تخیل نقدہاۓ سره ایشاں را برمائده پُردل د
صُندوق سینه اگرچه همه ابواب بربستهاۓ بے شمار دارد از وے چه بربندد وهر وقت
که گنجینه آں لفظ معاملان تامل عقدہاۓ نادرۂ معنی بکشاید کلید زبان در کلید آں
زنخ اگرچه همه اسباب دندانهاۓ بسیار دارد از وے چه کشاید **نظم**

تا چشمه آب نارد دلو از کجا شود پُر

تا ابر قطره ندهد بحر از کجا شود دُر

القصه مراد ازیں عبارت ومقصود ازیں استعارت آنکه در اوائل شباب قوت
انگیخته نوادر بغایت غالب بود واحکام استحکام بربست سخت محکم باشد وآثار آثارات
بدائع نیک بود خلاصه چندیں انیست که صاحب سخن در پیری بربندد وانگیختن نتواند
در کودکی انگیزد وبربستن نتواند. اما زمان وسط حیات ست که هم تصنیف بمثابتے
زاید که شائع تواں کرد وهم ترکیب بمثابتے آلاید که آنرا شائع تواں خواند **بیت**

در جوانی سخن جواں باشد
سخنِ پیر ناتواں باشد

ایں سخن بلند کہ بالا رفتہ است نہ ہم در شعر تواں گفت و ایں دُرِ یارجمند کہ در دل فرو ماندہ است نہ ہم در نظم تواں سفت بلکہ در کار فتویٰ علی العموم رائج و جاری ست وعلی الخصوص در جمیع علوم ساری ست قطعہ

جوہری تا کودک ست ارچہ بود بالغ نظر
ہم خطاے افتدش تا با تجارب یار نیست

ورنہ در پیری تجارب ہستش از غایت بُرو
تجربہ کے سود دارد گر بصر در کار نیست

در بہاراں گل تواں از بوستاں چیدن مگر
دردِ را دیوانہ بیچو پدکے ہشیار نیست

و در جمہور امور وسط پسندیدہ است چنانکہ واسطۂ عقل موجودات می گویند کہ خیر الامور اوسطہا و از عین علم بباید نگریست کہ منزلت وسط تا چہ جاے بود جائیکہ امر مطلق در جملہ صلوات بریں جملہ می فرماید حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وجماعت سنت سنیۂ محمدی را کہ خیر الامم ست بدیں صفت موصوف گردانید وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا۔ و در الطعام کہ انعم الانعام ست بریں نوع گرداند۔ من اوسط ما تطعمون اھلیکم۔ قطعہ

گر بخواہی کہ راست آید کار
راست پرسی زمن میانہ نکوست

تو ہم از نقش کار صورت کن
کالفِ راست در میانہ اوست

و باریک بیناں کہ در ایامِ جوانی کہ وسط زندگانی ست بکلکِ تیز شکل در شبِ سواد

موے شگافند و دو کنند و این نوع خاصہ طریق منطق این منطبق ست کہ ذو معنیین می انگیزم
در ہر معنی من کہ چوں موئے باریک ست بشگافند و شود یعنی باریک در نظر آید بیت

یکے معنیٔ چوں مویم کہ بشگافند دو مو گردد
جوانم من وے این طرفہ کاولادِ دو مو دارم

مرا اگرچہ سودائے جوانی در سر ست لیکن ازیں روے کہ میان نحچگانِ اشعار
دو موے شدہ ام یعنی اشعار من کہ در خط موبموے محاسن ست یگاں یگاں پختہ
می شود ع ؎

تا بدانند نحچگاں کما ہلم

و بریدن من ہمہ از محاسنِ اشعار ست۔ آرے ریش المرءِ محاسنہٗ
باآں کہ کارِ اشعار ہمہ تعلق بہ رخ دارد معہذا کلک تراشیدۂ من کہ دو زبانش
چوں دندانہائے شانہ است بہنگامے کہ جعدش می کنم ہمبراں تراشیدہ صدہزار
طرۂ مسلسل برمی بافد نظم ؎

بناتِ دلم را قلم شانہ کرد
نکو می کند کلّما شانہا

ہنوزم آغاز خط بود کہ نقش بندانِ تقدیر سواد باریکہائے اشعار در
بناگوشِ من دویدند و تکلّفاتِ عارضی را از بلغہ بلاغت خط در کشیدم و آنکہ درزیر
نمود از رخ بود موبموے بمحاسن پوشیدم بیت

در آمد این شراب بر در آب
چو شارب گشت موها بر سرِ آب

بعد ازاں بمرادِ نوخیزانِ عصر شاہد سخن را چاشنی رونده و جنبشِ قلم را روش آینده و مرجان معانی را کلید زنده و مرجان الفاظ را چاشنی خنده بر انگیختم گاه غزلِ روان و تر چوں آبِ حیات بلکه از آبِ حیات رواں تر از سواد بیروں می ریختم و جان اوستادان گزشته را زنده می گردانیدم و گاه قطعه از تیغ زبان بر معاصران بد زندگانی سخن را بریں سرزنش می گشتم که بیت

طرفه آبے ست دریں چشمۂ حیواں که ازو
دوست شد زندۂ جاوید و بداندیش بمرد

و پیوسته همبریں آب جدولِ سفینها یا هر چشم و روے آشنائی میدادم و در بحر رویت آشنا بازگونه می کردم تا بجائے رسانیدم که هیچکس را در سخن نبود و هیچکس بسخن اگرچه جمله کتاب عالم محرره بر دا چهاے من شده بودند با ایں همه نمی خواستم که ایں حشو را جمع کنم یا دیوانے سازم یا دفترے پردازم از برائے آں که نظم سخن اگرچه نیکو بود گه خواندن ولیکن بهرِ نبشتن نیکوتر باید بیت

بقصر شاه لآلی نثار پارے بود
دے ذخیرۂ گنجینه گوهرے باید

حاصل بعضے از ابنائے جنس و اخوان انس بنات ابیات و امهات قصائد من

خوات آنرا بپردہ اخوۃ با عصمتے تمام نگاہ داشتہ بودند ہریک را برمن جلوہ کردند
نامن آں مخدرات را از کاغذ و قلم در لباسِ حریر و قصب بیارا ستم و در عقدِ تحریر آوردم
اگرچہ بر فضول حمل خواہد شد ایں قدر آوردم بعد ازیں چہ زاید بیت

مؤد بیند ہمہ زادگانِ خاطرِ من
کہ کلکِ من بنباتِ نکوئے شاں پرورد

خلاصہ ایں بر بسیط راکشادہ ترے بر بست کنم و ایں آیتے ست کہ باشارت احیا
احیاھم اللہ سوادات ست کہ از بیست تا غایت بست و چہار سال در آتشِ رنج ماندہ
و قلم آسودۂ آں آسودہ را ربط دادم و ازاں اشتات مجموعے ساختم۔ چوں ایں ہمہ
زبدۂ لطائف حیات بود بر مثال سواد جوانی و وسط زندگانی نہجے کامرانی نام ایں
فرخ نامہ فرخ صفات وسط الحیات کردہ شد تا خوانندگانش بدیں نام خوانند نظم

چو میانِ زندگانی ہمہ ایں سخن کہ راندم
خوش و خرم ست از انش وسط الحیاۃ خواندم

ہر بیتے کہ از و بکاوند در زیر آں گنج پنہاں شدہ پیدا شود و ہر مصراعے کہ از و بگشایند
درونِ آں بحر ناپید اگردد بیت

پیداست ز ہر قطرۂ کلکم پیداست ہر چند کہ دریائے سخن ناپیداست

در دیباچۂ تحفۃ الصغر ذکر کردہ شدہ است کہ بر سر ہر شعرے در صفت شعر بیت
ہشت افتادہ از اں جملہ ابیات شعرے تمام محبوب می خیزد و ایں خاص وضع من ست

که دران کتاب مکتوب ست و بعد در جملهٔ ابیات سلسله هم ازین باب خواهد بود که درا نست
مقصود ازین یاد کرد آنست که چنانکه در تحفة الصغر وضع نو رفته است درین دیوان
نیز طریقهٔ غریب و آینده آمده است که پیش ازین هیچ مبصّرے را نظیرِ آن در نظر نیامده است

نظم

زباریکی ندیدستش هیچ بینا
چو من باریک بین بودم بدیدم

و آن تخلص ست حاالِ موقوف که مشاطهٔ تقدیر برآن مادّهٔ لطف موقوف داشته بود تا من
که استاد فحلم آنرا حال گردانیدم صنعت حالِ موقوف زاد جملها که از افسون گری قلمِ من
خلاص یافته است این قلم تخلص است بیت

اکنون که آب دیده بلا گشت مر مرا — چشم مرا که باز خرد از بلائے آب
دریائے مکرمت شرف الدولهٔ فتح ملک — اے آنکه ریزی از سخنِ جانفزائے آب

نظم

هنوز تا چه کند غمزه هائے نیزه درت — اگر ز لطف برین بنده مهربان نبود
ستوده نصرت دنیا محمدِ سلطان — که جز بدولت از محمدت نشان نبود

نظم

بخاک افتاده ام بر آستانِ حضرتِ جانان — کسے باشد که این افتاده را از خاک بردارد
جهانِ عدل فخرالدین که عدلِ هیچ هیچے را او — بموئے خویش بربسته گلوئے شیر نر دارد

درین تخلص چنان که رسم شعرائے اول ست در آخر نسبت درست

بتخلص چنیں شاہ کشورکشاے یا سرور زمان یا صفدر روزگار آوردہ نشدہ است مگر ہم در بیتے کہ خطاب بہ نام ممدوح خواہد بود و ایں بیتے ست کہ بعد از بیت تخلص آید و ایں چنیں در نظم نوعے بغایت غریب و عجیب افتادہ است. ایں ضعیف قوت آں نداشت کہ جملہ تخلصہاے اشعار خود را بدیں صنعت بیاراید اما دل آں داشت داناے من گفت کہ دانستہ باشی کہ ع

ہر کسے را دریں سخن باشد

اما دانایاں دانند کہ زیانم ہم بریں تخلص پیش کامگار نبود در خلاصہاے دیگر گزرے می نداشت. بدیں سنت استاداں را بیشترے رعایت کردہ شد کہ ہر تخلص را بہرے دیگر ست و از آں خویش را جاے بجاے مراعت نمودہ آمد تا مرعی ماند متابعت ایشاں. نظم

گرچہ گفتِ اوستاداں پیروی کردم بدل ؛ لیک ہر جانِ خود را نیز چیزے کردہ ام

و نزدیک بینش دوربیناں وضع صنعتے از تصنیف کتاب چوں پسندیدہ بود دیگراں متابع آں شوند ہم آئندہ او متبوع باشد در مذہب سخنوری ایں محل اجتہاد ست. زیرا کہ ہر کرا حسن طبیعتے نباشد دیوانے یا کتابے از انشاے خویش تواند کہ بدانایاں نماید اما دانایاں دانند کہ نمودار وضع صنعت ہر داناے نداند نمود

چراغ وضع حکیم ست و ہست ایں ... ؛ کہ ہر چہ وضع حکیم ست مستقیم بود
اگر فروزش آں بر کسے ... ؛ تو خود بگوی کہ نزد چوں آں حکیم بود

و در چنیں سفینہ استاداں ... بودہ است بگذشتہ ام و صد ہزاراں بود الا

در سلک انشا کشیده بیشتر صنعتهاے متقدمان را بسبیل عاریت نموده اند مگر استاد عالم افضل الدین بدیل خاقانی که در ترجیعات نگاه داشت یک قافیه در هر خانه وضعے ست ملک او و کم آن چنان اتفاق افتد شعرا برین نمونه بر آورده و بعد از و هیچ صاحب سخن را این قوت و قدرت نبود که این صناعت را متابعت کند مگر بنده خسرو که بعض اشعار خود را هم بر طرز استاد خاقانی نام شعرا در تشابیع ابیات رانده است و هم در شعر آن را نام عنوان سرنامهٔ معانی گردانید ولیکن بنده این قدر تصرف زیادت دارد که نام شعرا در آخر همان شعر در بیتے درج کرده است تا این شعرا بدان نام خوانند اگر در دیوان رقم سرخی بر سر سواد شعری نقش نکنند آن نام محو نگردد

بیت

نکو تر چیزے اندر شعر نام ست — که ماند زنده زین نقش سیاهی
تن خسرو بمیرد این یقین است — دل خسرو نمیرد هیچ گاهی

زنام شعر که بمردم ماند بدترین چیزها ست و بهترین چیزها که در شعرها ز نام مردم ست فرزندان در این کار نیز از براے بر آمدن نام ست که چون جوهر سخنور در خاک گم شود چنان که ع

در خاک بجوئی و نیابی ما را

از عین شعر که چشمهٔ آب حیات ست زنده جاوید گردد. بسا سلیمانان صاحب نام که بشمار انگشت نیاید در مشت خاک فرو شدند که هیچ جاے پیدا نیند مگر در حمایت دولت پادشاهان سخن زنده ماندند و بسا تخت نشینان در زیر زمین خفته که تا صبح قیامت بیدار نه شدندے مگر از علم قلم شعر بیدار شدند و بیش نخفتند اگر بهار شاهنامه را فردوسی بیاراستے گل ضحاک تا صبح یوم النشور نخندیدے

و شجرهٔ بارانِ ابدالدهر نامی نماندے و ماه بهمن در ابر پنهان شدے و کمانِ رستم از بلندی بچرخ نرسیدے واگر جواهر پنج گنجِ نظامی در سلکِ نظم نیاوردے دُرِ نطاقِ اسکندری در قعرِ چاه مکنون ماندے و تاجے که بهرام از دهانِ شیر بیرون آورد در شکمِ گور مدفون گشتے بیت

اے سخن جاویدزی کآبِ حیاتی ورنه تو	هر کرا یک قطره بباید زنده ماند جاودان

ممدوحان را واجب ست که تا زنده باشند مردهٔ مادحان باشند چوں زنده کردهٔ دمِ مسیحی ایشانند و از ایشاں نامے ماند نظم

افسوس که زندگان بمردند	باقی قدرے فسردگانند
هر چند که زنده می نمایند	چوں بے خبرند مردگانند

دریغا که ما بے دولتاں در زمانے موجود گشتیم که وجود جود معدوم گشت و شجرهٔ سخن را کسے تربیت کنده نمی خرد و دریں روز بد بدترینِ عیبِ مردم سخن ست که بهترینِ هنرِ مردم ست بیت

آرے آرے عزتِ گفتار نزدِ مردم ست	گاو را نبود خرد زاں خوار شد نزدِ سخن

امروزیانِ درست کسے دارد که زبان درست ندارد و بالاتر کسے نیست که سخن را سین گوید بیت

با ایں همه من خوشم بیک لفظ درست	گرزاں درست نیست گو کمتر گیر

ایں خردهٔ نادرست که از گرهِ قلم بسودا بیروں فتاده شد التماس آنکه چوں صرافانِ سخن و ناقدانِ معانی دریں سیم سیاه بنظرِ سره نگاه کنند مهرهٔ قلب مرا رد نکنند و بخریطهٔ قبول درکشند نظم

خداوندا قبولِ خویش کن بار
ز چشمِ ناقبولانش نگهدار

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابتدا شد چون کتابِ من بتوحیدِ خدا
هست اُمّیدم که بخشد ایزدم نورِ هُدا

(بحرِ رمل مثمن مقصور وزن فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات)

حمد رانم بر زبان لِلّٰهِ رَبِّ العٰلَمِین آنکه بخشیده هست از قرآن هُدًی لِلْمُتَّقِین
از سفیدی و سیاهی گیر تا لوح و قلم یک رقم از خطِ حکمش وَهُوَ خَیرُ الحٰکِمِین
رحمتش بین مهربان چون مادری کز قوت[1] دم[2] شیرِ خالص میرساند لَذَّةٍ لِّلشّٰارِبِین
شکر اگر گویم و گرنے ما گدایان را ز غیب قسمتِ روزی رسد وَاللّٰهُ خَیرُ الرّٰازِقِین
وانکه از قند شکر هم کرد شیرین کامِ خویش از نوالش خورد حلوا را سَیَجْزِی الشّٰاکِرِین
هیچ چیز از نیک و بد پیدا نگردد در جهان هرگز اِلَّا اَنْ یَّشَاءَ اللّٰهُ رَبُّ العٰلَمِین
دیدهٔ نقاش را گر خونِ دل صورت کند آن نگار صورتِ نقّاش مِنَ الْمَاءِ مَّهِین

---

[1] لبید ـ گوہر   [2] خون

من غلام روی ایشانم کہ او بر روے شاں — خال دین بنہاد و اندر خلد کانوا خالدین

نور امنّا بربّ العلمین داد از رسل — اہل ظلمت را کہ می گفتند کنّا مشرکین

انبیا را از ید اللہ خطبۂ دولت نوشت — جز خبر از دفتر کلّاً جعلنا صالحین

آنکہ از نور ہٰذا ربّی آمد از درست — چوں عنایت یافت گوید لا احبّ الآفلین

راند از یک چوب موسیٰ سحرۂ فرعون را — گر کسی گفتند ارسل فی المدائن حاشرین

عالمی را زندہ کرد از مصطفیٰ چوں شرع را — زندہ کرد او چوں فرود آمد با و روح الامین

وائے بر قومے کہ بت را سجدہ بے حجت کنند — با رسل گویند اتونا بسلطان مبین

تا سزا گویاں کہ بر روے افتراہا کردہ اند — ہم سزا بینند از شمشیر نجزی المفترین

تا بر آرد دود از اہل شرک دوزخ بر فروخت — ہیزم کانون دوزخ جملہ کانوا کافرین

آتش از خشمش سخن گویاں بآواز بلند — ہرزہ گویان زبان آرای عنہا غافلین

قہر او مملو کند اے اہل کفراں قوم را — خانہ با خانہ درک را جملہ منکم اجمعین

ہر کرا غافل کند فردا کہ حکمش کے شود — آگہی دادند امروزش ازاں کید متین

کافراں چوں زرد گردند از نہیبش روز حشر — ہمچو کافور زرد شاں بینی تسرّ الناظرین

ہر کرا شد کشت دنیا پختہ و دیں خام ماند — دانہ دادش از جعلناہم حصیداً خامدین

ظالمی کو دست از حبل المتین او بداشت — در چہ دوزخ بماند بئس مثوی الظالمین

ہر کرا آراستہ از حسن عمل احسان او — جلوہ گردش تحیت بر تخت یحبّ المحسنین

باز چوں بکشاید او از روضۂ جنت دری — حور و غلماں باشد ایشاں را با اصحاب الیمین

گر ز دستِ صالح آید یک عمل پاداش آن　　ده نعم بخشد ز بخشش نِعمَ اَجرُ العامِلین

نصرت و خیرست ای مومن ترا روزی از آنک　　ناصرِ خیرست دیگر وَهُوَ خَیرُ النّاصِرین

مومن از طاعت کند بیشک ولیِّ حق شود　　چون خداوندش بحق بخشد ولیُّ المُومِنین

از خدا ترس و مترس از مکر شیطان ای ولی　　خوانده آخر گهی وَاللهُ خَیرُ الماکِرین

از امانت دار قال الله شود قال الرّسول　　زرق کم کن کاگه است ایزد ز کَیدَ الخائِنین

لَن تَنالُوا البِرَّ حَتّیٰ تُنفِقُوا گر خوانده　　هر چه بدهی بر او ده لا یُحِبُّ المُسرِفین

ای بملکِ لایزالت خطبه حَیٌّ لا یَمُوت　　ما همه میرنده ایم وَاَنتَ خَیرُ الوارِثین

هر چه خواهی آن کنی گفتن که آرد کان مکن　　هر کجا تقدیرِ تو گوید که کُنّا فاعِلین

تختهای پشت شما را هدیه از نار الله هست　　آنکه آیاتِ ترا دیدند وَعَنها غافِلین

وانکه او سررشتهٔ اِنّی اَخافُ الله گرفت　　دادیش نور هُدیٰ از سلکِ کانُوا مُهتَدین

تا بتحریر آورد آزادی هر بنده　　کاتبِ اعمال شان کردی کِراماً کاتِبین

مسلم رسم الٰهی تا مسلمانِ عمل　　کرد تو را مسلم مخاطب اِن کُنتُم مُسلِمین

هیچ نگشاید ز درهای دگر در آنِ تست　　رَبَّنا افتَح بَینَنا خو وَاَنتَ خَیرُ الفاتِحین

گر جهانی پر گناهِ ماست عفوت بیش از آنست　　بیش ازین گفتن نمی آرم که کُنّا خاطِئین

خواه ازین بیچاره طاعت آید و خواهی گنه　　گر عنایت از تو باشد ذٰلِکَ الفَوزُ المُبین

یک نظر در کارِ این مسکین کن ای ناقد بصیر　　چون کشائی چشم رحمت سوی قومِ مجرمین

رهبرم لا تَقنَطُوا مِن رَحمَةِ الله کن بمن　　بر سبیل مفسدانم کم سَبیلُ المُفسِدین

نور ده چشم مرا از سرمهٔ اُنظُر اِلَیکَ — چون لقای خویش بنمائی لِقَومٍ عابدین
یارب این بیچاره خسرو را درین توحید تو — در سخن رفته است لغوی اَنتَ خَیرُ الغافرین

لامکاں بگذشت و اینک میرود بالا هنوز
نور این نعت از برای پابوسِ مصطفیٰ

(بحر هزج مثمن سالم وزن او مفاعیلن ۸ بار)

وقارا نیست در آئینهٔ عالم نمو داری — که از آسیب هر تردامنی بستست زنگاری
نه بینم صیقلی صدق تا ز آئینه بزداید — که رخسارِ سلامت را پدید آید نمو داری
ولیکن صورت از آئینه چون برتافت بیننده — نگر صورت که ندهد آئینه از صورت آثاری
درین عهد از کسی کائین نیکوئی بود صورت — نکو صورت کسی بینش نه مردم روی سگساری
دمِ سگ گیرم و گوشِ وقارا حلقه سازم — که کم در حلقهٔ مردم چو سگ دیدم وفاداری
سخن با خویشتن گویم نه با هر ناوفاخوئی — که در ویرانیِ عالم ز مردم نیست دیاری
نصیحت کردنِ مردم بنا مردم بداں ماند — که بر آبِ رواں صورت نگار و صورت انگاری
من از بهر نصیحت جاں و هم یارے که بنیوشم — تو هم بنیوش بد نبود گرت دل میدهد باری
جهاں با غیبتِ پر حسرت و هم سبزه و هم گل — گهی ز و باد در دست آید و گه گاه گلناری
چو در باغ آمدی مشنو فریبِ عندلیباں را — که گل معشوق بدعهد است و بلبل نیست یاری
نه بینی غنچه را با دِ صبا سر میکند هر دم — بزخمِ سرزنش زانگه که دل بستست با خاری

درین بستان چه نیکوتر زر افشان کردنی چون گل — که بلبل در استانی بر زند در هر سخن زاری
ولیکن بر فلک بر شد درخت مردمی ز اسر — که از سنگِ لئیمانش نه برگی ماند نی باری
کریمان در گلِ و ز خونِ شان گل بسته در صحرا — که بر هر سبزه می ریزد بهر لب چند دیناری
زمانه هر که از باغ کرم بیرون دهد بوئی — ز خون آورد لاله ماند بر هر روی کهساری
فسونِ دوستی امروز در گوشِ کسی خواند — که بر ماران زرینش نگهبانست مسماری
گره پیوسته زابروی کسی بر آب نگشاید — که او ذره جا گره بر لب به بندد تیشکرواری
زهی دورانِ وحشت کاهلِ دین را در غمِ دنیا — نه انکاریست در عصیان نه در اسلام اقراری
گروهی همچو در پیچیده در سلکِ صفا وانگه — برون سو گونه صفوت درون سو بسته زناری
دگر قومی ز گوهر کرده دعوی و چو در بینی — دل از سوراخ بیجاده بتنگی بسته بسیاری
پدیدار آفتاب هر یک دو ز حرص تو رخواهان — که بتراشند رنگِ آفتاب از روی دیواری
کسی را کافتاب زر بگرمی تافت بر رویش — اگر بی پوست رو باشد نیاید کرد انکاری
ترازو نیست گردون را ازینسو سنگ از انسو زر — یکی را سنگ می سنجد یکی را زر بخرواری
اگر سنگت دهد از بهر زر بگذار ای سنگی — که مر دو بی زر و بی سنگ را ننهند مقداری
مرا بین کان ترازو دید چون با گوهر تمکین — زر نا داده بر بست سنگم بوالعجب کاری
چو سنگم داشت در سختی چو زر در کورهٔ آتش — بلرزانید چون برگِ رزم از باد تیماری
درین موسم که سنگی گشت آن و ماند در لرزه — بر آبِ خود نماند از لرزه سنگ جانِ من باری
چو در برج کمان شد خور ز تابِ آفتابِ غم — مرا برخی ز آتش گشت بالای کمان داری

فتاد از سردیِ ایّام در من لرزه وانگه تب ... همی کرد آتشی تیزے زہے سوزندہ دلداری

بسانِ شعلهٔ آتش بسے لرزیدم و بر سر ... ز دود آه لرزان تر ندیدم ہیچ غمخواری

همانا سنگ و آهن بوده ام کز لرزه چون عضا ... بهم بر میزدم آتش برون میجست هم باری

مگر دان پرتوِ خورشید میلم تافت بر آتش ... که در می آمدم بی موجبی در چشم اغیاری

بحمد الله که اکنون از شفای غیب شخصم را ... نه از تب هست آسیبی نه از هر لرزه آزاری

زمن آرد برون تب را چو بینم نعت احمدؐ را ... ببازوی دلم از رشتهٔ جان بسته طوماری

محمدؐ نوشداروی کرم کامد ز شهدِ لب ... شفای هر تنی زاندوه عصیان گشته بیماری

لب آتش فشانش نیست در بندِ جهانسوزی ... شکر زان خانه از نی ساخت در هر نیشکر زاری

چو بگشاید نمک زان لب متاعِ یوسفان هرگز ... بقلبی نیز نستاند کسے در ہیچ بازاری

چنان فرخنده دیداری چو ماه چارده وانگه ... محاسن جمع گشته با چنان فرخنده دیداری

خرد نادیده موی زان محاسن گم شد اندر وی ... چو نابینا که ناگه گم کند ره در شبِ تاری

بشبهای عدم میگشت هستی راه گم کرده ... که او از شمع نوری تا کمان بر کرده انواری

قلم از دودهٔ آن شمع نعتی راست کرد آنگه ... ز روی تختهٔ تقدیرش آسان گشته دشواری

ز بهرِ دائراتِ آسمان و نقطهٔ گیتی ... ازل از لای لولاکش بگفتن داد پرکاری

ندارد بر درش آن قدر هر تنه کلهٔ گردون ... که مسکین عنکبوتی پرده بندد بر درِ غاری

چگونه عنکبوتی را برزم اقبال عنقائی ... که هر یک مگس نه حله می باقد بهر تاری

الا ای بلبلِ ما ذاغ و ما زاغی چو تو بلبل ... بدنیا کی نظر دارد چو زاغان سوی مرداری

تویی باز سفید کُن ید الله طعمه جای تو | که گیری نُه پلنگ چرخ و ندهی هیچ مقداری
تو مرغ چشمهٔ عینی سر از نُه چرخ برکرده | بمقداری که مرغی میکند از آب منقاری
کمند افگندی از گیسو بکنگرهای عرش آنگه | ببام عرش بر رفتی زهی شب گرد عیّاری
کمانِ عرش تا جای کشید اقبال تو کانجا | گمان باشد براق وهم را با گرم رفتاری
شهابِ رو تنا شب ناورد تاب[۱] کمانِ تو | ز پشت آهوی خورشید اگر تابندش اوتاری
کمانهایی که از نه چرخ بسیاری بلند آمد | دوگان میکش فلک را با زمی کن سر چو سوفاری
ضمیرت را چه قرب آن براقِ غیب پیمائی | که از حبل المتین آورد جبریلش سرافساری
درونت گنج اسرارِ خداوند است در حضرت | هر اسراری که بود اندر ضمیرت یافت اظهاری
تو از تیغِ زبان بشگافتی مو در میانِ سر | ولی نشگافتی هرگز چنان چون موی اسراری
بیا در لیلة المعراج تو جان میدهد هر شب را | بدینسان زنده میدارد شبی هر جا که بیداری
اگر سر ننهدش خورشید خاکِ نعلینش بر سر | بلی از خاک نتوان گشت اگر سر بر کند تاری
چرا ندهد بلال از بهر خالِ حور عین عنبر | که دارد مایهٔ نکهت ز خُلق چون تو عطّاری
شهنشاها باسمِ خدمتی در خدمت آوردم | ز کانِ سینهٔ پر لعل شیرین چون تو ایثاری
ازین خرمهرهٔ چندان کرم بپذیر خود دانم | که نبود لایق چتر تو هر لولوی شهواری
قبولِ حضرتِ خود کن حروفِ چند بی معنی | درو خود لایقِ نعتِ مبارک نیست گفتاری
قلم را کی دو سر باشد که از نعتت سخن راند | اگر دود چراغی خورده در شب کرد تکراری
ولیکن نامه از برات سیاهم کرد تا شوئی | بآبِ عفو گر کوثر برون آرند انباری[۲]

---

۱) زور ۲) انبارے

دران بازار پرسودا که خاکی هم نیرزد جان
جز از تو کیست مشت خاک بیجا را خریداری

من خاکی که از زاد عمل خاکست در مشتم
چو طفلان خاکبازی کرده و ناکرده کرداری

ولی از خواب لوث و احتلام غفلت آلوده
تنی در کوی فسق از مستی و شهوت گرفتاری

اگر دانند هر کس کز گنهگاری چها کردم
گنه باشد که بخشایند بر چون من گنهگاری

حجابم چون نبود از کس که پوشد این خبایث را
من بشیرم ازین قوت که دارد بنده ستاری

ولیکن دل بدین امید خوش خوش بند می‌باشد
که کوشنده شفیعی دارم و بخشنده غفاری

ببارت بسته ام خود را تو دانی هرچه خواهی کن
در آن ساعت که بربندم بسوی آنجهان باری

بخواه از حضرت وی با خلعت ایمان روانم کن
نگاه ور چون برانگیزم ز داری جانب داری

فرو مگذار در هر دو جهان بیچاره خسرو را
عنایت را بگو گویدم نگذارمت باری

پرده برابر فلک پوشید این شعر بلند
آری آری هم بدیده آب دارد هم حیا

(بحر مثمن مخبون مقصور وزن او مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن)

رسید کوکبهٔ آفتاب در سرطان
سحاب گشت بروی زمین ستاره فشان

شنیده ام سرطان را بود بچشمه گذر
عجب نگر که گذر یافت چشمه در سرطان

قمر که نان درستش بس از مهی بینی
چرا بخانهٔ او آفتاب شد مهمان

نخست همچو سلیمان بتخت باد نشست
پس آنگهی چو خضر تافت سوی آب عنان

کجا ستاده بود پیش تیر باران را
کنون که ابر ز قوس قزح کشید کمان

ز پشت باد بر آنگونه گرم کرد رکاب
که خانه خانه ببالای آب راجولان

نشست بر جگر باد تیر باران سخت
از آنکه قطرهٔ آبست تیر را پیکان

صبا ز آهن محلول آب سوهان ساخت
که تیر باران را هم ز آبدان سوهان

چو ابر تند بر آمد ز آفتاب بلند
که من کجا هم بجرم تو پیشکارهٔ کمان

درین میانه چنان گرم شد اثیر بر ابر
که فرق تا بقدم خوی بر آب گشت بسوان

چو مهر مادر گردون شدست پوشیده
چرا ز ابر مه از شیر می کند پستان

چو زنگ آینه از غم بود چه سازد
ز ابر آینهٔ آفتاب آینه دان

گهی نماید و گاهی نهان شود خورشید
چو دختران حریص از حجاب شادروان

بریخت آب چو پیکان مه همه پر شد
اگرچه بر نشود چون نکو بود پیکان

بر آب خویشتن آمد زمین خشک مزاج
که داشت ز رحمت خشکی بفصل تابستان

چه آتش است که دارد براق برق امروز
که بر شده است بمیدان شیر چرخ جهان

چگونه برق نخندد که ژاله سنگ انداز
حباب شیشه گری راکشاده کرد دکان

مگر طبیعت خامش شده است آب که ساخت
حباب چون فلک شیشه خانهٔ گردان

ز ابر فتنه از آن در جهان فتد کورا
بر آسمان برد و بر زمین زند باران

ز سیم حلقه کند هر گوش ماهی را
بروی آب هر آن قطره کافتد از باران

چو مار می برد آب سوی هر سوراخ
که دید مار که با غوک باشد افسون خوان

کنون بهر لب جوئی که بگذری دانی | که ربع مسکون خود با محیط شد یکسان
ز باد آب چو لرزان شود بدان ماند | که شاهدان که بمالند دامن چو کتان
صبا بر آب چه بندد گره نمیداند | که آب را بگره بسته داشتن نتوان
گیا ز خاک برآمد چو مردم اندر نقب | چنین بود چو ز گردون ستاره شد رخشان
گهِ گشاده ببین ابر را تو پنداری | که پاره پاره شده است آسمان کران بکران
نه ابرهاست که از پرهای پرآب است | ز باد کوه که دیدست در هوا پران
ز کوه سیل خروشان فرود می افتد | که می دوید و سر آمد به سنگهای گران
بکن بکوه تماشا مکن قرابه تهی | که کوه از پی اینست سنگ در داماں
خیال اهلِ تماشا بچار گوشهٔ حوض | چو آدمی که پدید آید از چهار ارکان
کنون نوای چکاوک بگوش از لب رود | که گاه بازی سرو است و سبزهٔ لبنان
حواصل است یکی مرغ کاغذین بر آب | عجب تر آنکه ندارد ز زادِ آب زیان
بساط خاک چه دیبای آبگون و ورد | بسانِ صورتِ دیبا نظارگی حیران
بگوشهای چمن سبزه می دهد خبری | که آب هست همه روز در خیال ازان
به تیغ بید ازان دست برد بید انجیر | که بکر و خنجر گل را بخنده دید چنان
خموش کرده درختان سر از چه جنبانند | رسولِ باد چه افگند باز در سرشان
نمی تواند سوسن سخن کند آری | ز قطرهاش پر از آبله شده است زبان
عروس شاخ دگر باره از سر بدن آورد | بگوش اگرچه بیفتاده بود بار خزان

ز هر نهالِ چمن آب می چکد ز تری
چنانکه از بر و اندام نوبرانِ جوان

چمن چو طوطی گویی حدیث خواهد کرد
چو دید ز آیینهٔ آب عکسِ خود بعیان

میان سبزهٔ تر آب جا بجا شده گرد
تمام چون پر طاوس آیینه بمیان

چنان نهفته شد از طوطیای سبزه زمین
که خاک باغ کنون توتیاست گرد جهان

ایا نسیمِ صبا چشم پر غبار مرا
ز خاک باغ گه از گاه توتیا برسان

بگو بآب چرا چشمهاست می ریزد
چنین که گرد چمن نرخ توتیا ارزان

گل است چون شررها و فرو د ریزد ابر
درخت سبزه کند توتیای خود ارزان

درخت و سبزه و آبی روان بهر طرفی
بسان کوثر و طوبی در روضهٔ رضوان

نشان ز کلهٔ مشکین ابر و دجلهٔ خاک
بهشت گشته و طاوس بر کشیده فغان

زهی دراج که او هست از هوای خودش
تمام روز پر از شیر و شکّر است دهان

گرفت یاد ترنّم زبانِ باد این شعر
ز شرم آب شده به زبان شادستان

خطاب این شجر السحر شد که بر سرِ شاخ
برادست خوش مزه و بلبلیست خوش الحان

کجا بگوی معانیش می رسد خاطر
که دید جوهر آتش بجز شعاع و خال

ز دیگرانِ سموالذاتِ من سخن مطلب
که از سراب دروغ است دعوی طوفان

ز طبع نیز نخواهم مدد ز گوهر کس
که ماه مهر نجوید ز ژاله سنگ افشان

گرم ز شرم بود مهر کجا سخن دزدیست
زبان او به جرم هم بزخم تیغ زبان

بدیهه های بدیعیم رابسی برهانست
اگرچه حاجت نبود بدیهه را برهان

مرا بشعر مباهات نیست اما هست — ز بعد حمد بنعت گزیدهٔ سبحان
محمد ابن ذبیحین و صاحب قوسین — که زیب یافت ازو دو کمان و دو قربان
نیامدست چنان فرخ اختری بشمار — حساب احسن تقویم را بهیچ قران
ازو چو مژدهٔ لا تقنطوا رسد با جم — ز فیض رحمت رحمن کرا رسد حرمان
کسی که سنگ روان کرد سوی گوهر او — هر آئینه گهری داد شش ازین دندان
مکونات همه روزهٔ عدم می داشت — بدان امید که قدرت نهد ز هستی خوان
معلم اوست با وراق علم الاسماء — خلیفه آدم و ما طفلی از دبیرستان
زهی همای همایون کوهسار صفا — که بود تا بهوای هوتیش طیران
بدید مقصد خود را گمان است آنکه ندید — کمان نبود مسافت ولی نبود گمان
ایا مخالف ایمان مگو که زبدهٔ خاک — چگونه بود که بر لامکان گرفت مکان
تو آدمی و اگر سنگی افگنی بهوا — بقدر قوت تو در هوا بماند آن
خدای عز و جل با کمال قدرت خویش — اگر بچرخ برد خاک را شگفت مدان
ز پرتو رخ او نور مه یکی بد و شد — کدام کس به ازو کرد ماه را تابان
مگو که نیست روان حرف التیام بچرخ — کز اشتقاق قمر بود این سخن بطلان
دگر دلیل نگوئی ز فکر باطل خویش — که سیمیای فسون دیده را نمود چنان
تو مردی و بتوانی که خانهٔ از سنگ — بسازی و شکنی باز سازیش آسان
کسی که چرخ بسازد و شکست نتواند — زهی جماعت کامل تمامی با نقصان

تراکه عقل نه این است از نبش همی‌گوئی   که روزگار قدیم است و نیستش پایان
اگر قدیم بُدی دهر و آدمی چو نبات   تفاوتی نبدی از نبات تا حیوان
خدای خالق عقل از کمال قدرت خویش   خبر همی دهدت کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَان
که عالم است تو با او براستی بازآی   که راست گفت تو با او صحیفه برخوان
وگر نبی زنبی بد تو همچو آن بشری   رسول چند گمش یاد آرد ای نادان
درست قول خدایست و قول پیغمبر   چه جای قائل کفر و حکمت یونان
ایا شهی که اَطِیعُوا الرَّسُول خطبه تست   مطیع طاعت تو هر که هست انسی و جان
تراست چتر سیه بر سرت شب معراج   که بر سر بر رسول من اللهی سلطان
مبین سلاله تویی از سلالة من طین   ببین که گر که توئی کان کائنا من کان
بشر بمثل تو گردون گرد داین ممکن   ملک مکان تو دارد نه دارد این امکان
نخست ذات تو آنگاه سیر هفت فلک   نخست آب و پس آنگاه آب را جریان
قدر بروی زمین چون تو گوهرے می جست   وگرنه بحر چه می بیخت خاک را چندان
کشید بر گل آدم تو کار فرمودی   چو کرد روز ازل قصر مردمی بنیان
زبهر آنکه بود سقف دین تو برپای   نهاد پنج ستون نماز در ارکان
گر از بهر آدمی بیت دین شود معمور   کجا ز آب و گلی خانه گردد آبادان
بریز خونش به تیغ انا نبی السیف   کشند زبهر اکش طعنه طغیان
حکایتی که همه از پیش پادشاه بود   رسول چند گمش راست آرد ای نادان

تو خاتم رسلی و بحضرتت نرسد | کسی که خاتم هیبت لیش گشت ملک کشان
ز آب رای تو دین را گلی شگفت چنان | ندید آنکه ز آتش ندید لاله ستان
بدان نمک که چشید از لب تو سیر آمد | جهان ز نعمت دیدار یوسف کنعان
کشید پیش تو دست اندر آستین ادب | اگرچه دستگهی داشت موسی عمران
مسیح خوانچه کشی پیش نیست بر خوانت | شکسته از تو شود خوانچه فلک را خوان
خطاب تست ز دیوان رحمت ارسلناک | کسی که سر ننهد بر خطت زهی خذلان
حقیقت تو نمی گنجد اندرون جسد | چنانکه در خط و دفتر معانی قرآن
بحرف و صوت چه دریابد از کتاب تو کس | چگونه حل شود اسرار نامه از عنوان
گهر شناس عنایت کشیده در یک سلک | لآلی سخنت با جواهر قرآن
نه شاعری که دروغی بلغو راست کنی | نه کاهنی که از انجم کنی رموز بیان
رسول پاک خدائی و پاک تر زانی | که من صفت کنمت یا بذل یا ز احسان
قلم چه نعت تو گوید خود اینچنین راهی | چه حد رفتن طفلان فی سوار بنان
تو ابر لطفی و امت زراعت بی بر | تو آفتابی و یاران کواکب رخشان
یکی یگانه ابوبکر ثانی اثنین | که آهوا نه شود او براق صدق نشان
دوم عمر که زهی نفاذ فرمانش | بر آب نیل رود بهر کوری شیطان
سوم چراغ دو شمع آفتاب ذوالنورین | بر آسمان کرم ابر با حیا عثمان
چهارمین علی آن شهسوار دین که ببرد | حسام سر فگنش گوی نصرت از میدان

دگر حسین و حسن نور دیدهٔ زهرا | که واجبست بر احسان هر دو استحسان
حد هلال و بلالت کجا شناسد کس | کنند وصف شب قدر و ماه تو بیان
صحابه هر همه خاصند خاصه معشر عشر | همه بشیر رحمت شده بسیر جنان
ز بعد طاعت حق باد تا بتم در قلب | اطاعت تو رسول و محبت ایشان
زهی ز نور تو اندر شب عدم تقدیر | نوشته ام رب اندر صحیفهٔ ابدان
کنم بنام تو جان را نهر ارجا قسمت | اگرچه نامهٔ تو نیست هیچ جا سامان
چه غم ز دیو چو ایمان بنده الیست عجیب | نهاده در دل و دل در اصابع الرحمان
زبان آتش دعوی کجا رسد بر ما | که پیش قاضی حاجت بریم چون توامان
برد ز دست توامی سجل اطیعوا لنار | که بنده را دهد از مالک عذاب امان
دروغ سنج گر انم توام رهانی و بس | دروغ من چه سنجند جمله در میزان
کریم طبع شفیعا امید می دارم | که از دهندهٔ ایمان بخواهی این احسان
که چون بجانب عقبی سفر کند خسرو | قیامتش دهد توشه نعمت یزدان

هست این معراج شاهنشاه سلطان رسل
آنکه باشد خاکبوس آستانش انبیا

(در بحر متقارب مثمن سالم وزن او فعولن فعولن فعولن فعولن)

نسیم بهاری خوشش آید هوا را | که بیرنگی دهد بلبل بی نوا را

کشید از میان بید شمشیرِ لرزان
کنون دست بنا چه پای حنارا

بهشت است باغ اندرو سرو طوبی
که همسایهٔ سدرة المنتهی را

بهاری برآمد گل و می بنوشد
کیانِ بهاری ز بهرِ بهارا

فلک خضر و ظلمت ابری بهر دم
دهد آب حیوان گلِ کم بقارا

هوا گرم شد باد سرد اندر آمد
گل لعل بگشاد بندِ قبارا

گل زرد در خنده شد همچو ده مه
یکی زرد ده مه به بینی عفارا

گلِ غوزه را خنده آید که ناگه
کند غنچه در غوزه باد صبارا

چو آتش که از چوب و از سنگ خیزد
گل و لاله می خیزد از خار و خارا

چو از لاله شد کوه پر آتش تر
صبا گفت من جانب الطور نارا

اگر سبزه خط بر زمین می نویسد
خطا می کند باز گویم خطارا

صبا دامنِ آب را می بمالد
چو دست خطائی و حریر خطارا

ازان آب و سبزه کند چشم روشن
که این نور یابند آن توتیارا

شود در زمان روشن از آب و سبزه
بود قابل ار چشم نرگس ضیارا

چراگاهِ آهو شود چشمِ نرگس
گشاید چو در باغ چشمِ چرارا

در آئینهٔ آب عکسِ بنفشه
چو زلفِ سیه بر عذارِ عذارا

چو پرداخته گشت فصلِ بهاری
زبان است گرم است سوسن ادارا

کند زاغ را از سخن تیره لیکن
چو شهری پسر مقری روستارا

بآواز خوش فاخته قمری امّا | سحرگه چو توحید خواند خدا را

صبا بوی گل در دماغش رساند | درود آور در روضهٔ مصطفا را

اولوالعزم راه هدایت محمدؐ | کاولو الامر مطلق شد اهل هدا را

فرستاده کز در رحمت آمد | در آمد دلش صفّهٔ اصطفا را

چو حبل المتین یافت بگذشت در دم | بدین چار زندان نیلی قبا را

دو عالم یکی گشت در نور پایش | چو یکدم سه چرخ برین زد انا را

بچرخ دوتا چون یکایک برآمد | محمدؐ سه تا دید چرخ دوتا را

همین بود معراج موسی عمران | که بر تیغ کُه زد به تیزی عصا را

بدین شاه بین حاجبان دو چشمش | گرفتند در قاب قوسین جا را

بر آتش شد آن زاغ چشمی که چشمش | همی گفت مازاغ هر دو سرا را

چو بر آسمان تافت خورشید چشمش | دو شد هر چه یکماه بدهد سما را

حقش کرد بر راه تا پرده آرد | ز باطل زنین یهود و نصارا

همه سرکشان را به تیغ شریعت | نهان کرد سر در زمین آشکارا

مدینه سرافراز شد بر مداین | چو خسرو غلام آمد این پادشا را

زهی خواجه کز بندگان گزیده | تو خاص آمدی حضرت کبریا را

تو در دار ملک رسل ملک داری | که جم دار ملکت دهد ملک دارا

تو سلطان ثانی و سلطان ثنایی | که سلطان نشانند ملک دلارا

خطابت بود خطبهٔ این ولایت　　که یزدان کرامت کند اولیا را
نهادند پا بر هوا اولیا بت　　چو تو زیر پا آوریدی هوا را
توئی اوّلی آخرت یافت اُمّت　　چو بر روی دنیا زدی پشت پا را
گر آخر رسی ای رسیده ز اوّل　　تو آخر شر اوّلی اولیا را
اگر پس رسی جمله را پیشوائی　　ز پس رفتنت محرم پیشوا را
وجود تو بحریست کان زآخر آمد　　در دجای غوطه بود نه عطا را
توئی سایه وز آفتاب قیامت　　جهان راست در سایهٔ تو مدارا
حدیث دقیق است لولاک بر تو　　کزان سیر یکشب بود آسیا را
چه خواندست هر کاف قرآن بتابت　　تو حامیم قرآن مر آن کاف ها را
بر آمد همه کارها از دعایت　　بر آوردی از خود چو تو این دعا را
در تو که دال است بر رائے رحمت　　بران حلقه میم است مر مرحبا را
چو پایت نهد پا شتابیرون از در　　فلک بوسد آن پا و آن پا شتا را
فلک بوریا بود نزدیک فرشت　　چو تو فرش خود ساختی بوریا را
عیار از توان گفت جز اختیارا　　چو تو اختیاری شمردی عیا را
بکعبه که او خانهٔ حرمت آمد　　که کعبه شمارم جناب شما را
همی گویم از چار رکنش چو هستم　　کبوتر مر آن کعبه ارتضا را
ثنا اوّل از ثانی اثنین گیرم　　که آئینه بودست صدق و صفا را

بیکدم ازو زنده شد مور مرده | چو با یار خویش کرد غار وفا را

دویم آن یگانه که موی ز عدلش | بهم بست بازوی جور و جفا را

خداوند نورین شد شمع سوم | که کرد از قلم لوح قرآن گوارا

حیا آمدی ابر را چون بدیدی | کفت داد آن ابر فرخ حیا را

چو احرام گیرم بر کن چهارم | سزد از قضا حیدر مرتضی را

چو گوهر ز صدف آمد اش نشان شد از خوب | فلک مرورا گفت بنگر صفا را

بخلق حسن بین که داد آنکه زهرش | جزا کوثرش داد روز جزا را

حسین آنکه خود تشنه بتیغ احسان | دهد شربت از خون خود کربلا را

چگونه کنم مدح دیگر صحابه | که یاران سحابند مَرَغ سخا را

در و دست رضی الله عنهم رضوا عنه | چو کشت ست هر یک ریاض رضا را

ایا خسروی کز گهرهای نعتت | بحرمت چو بیت الحرام ست ما را

علا کرد چرخم گفت چونکه شعرم | علی می دهد نکته بو العلا را

کسی کو بخواند ازین نعت بیند | نخواند بجز بو العلا ام علا را

دهی سی و دو سال شد در ثنایت | نه گفته ست شان و یکی این ثنا را

نجات از درت جویم و جای نیست | ازین رو که جا نیست دیگر نجا را

چو سلطانی آمد گدای در تو | تو سلطانی از در مران این گدا را

اگرچه سفالیست از خاک دهلی | بر و کار ریحان لطف و رضا را

چو ایمان ز خوف و رجا نیست بیرون　　درونِ قلم دار خوف و رجا را

هر دری زین مهرهٔ پیشانیِ صاحب‌دلیست
گر ملک تسبیح ازین سازند هم باشد روا

(بحر مجتث مثمن مخبون وزن او مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن)

مباش خفته چو طفلان بگاهوارهٔ تن　　که آفتابِ قیامت در آمد از روزن
ازین نشیمن اگر مرغ زیرکی برپر　　که آشیان غرورست و دام گاهِ محن
زمانه خانهٔ دیوست اگر امان طلبی　　قدم برون نه ازین دیولاخ اهرمن
مدار دست ز فتراک صاحب اقبالی　　که چیره دست بود بر عنانهٔ توسن
رونده از نظرِ رهنما رسد بمقام　　نه از سجادهٔ و زنبیل و خرقهٔ و سوزن
چو روشن آب ترا آفتاب خانه بود　　هزار سنگ توان لعل کرد از روزن
چو روشنست ترا آفتاب پرشکنت　　بخنده خونِ جگر لعل می کند یمن
دلی که نورِ خدا اندرو مقام گرفت　　ق　خیال را نتوان داد اندرو مسکن
چو آئینه که مقابل بآفتاب کنی　　درو چگونه کسی صورتی توان دیدن
بلوثِ زرق میالای دامنِ طاعت　　که زهرِ ناب شود از لعابِ مار لبن
توآن مبین که ترا خرقه بود چون صوف　　که خلق صاحبِ کشف ست زیر پیراهن
بگوش تا نکنی آن باد از سر بیرون　　که ناگهان ببرندت سرِ تو با گردن

سر افگند بکس ابر اگر تو واخوانی — نیفگنند سرت را کله ز سر مفگن

گل بقا طلبی خاک پای مردان باش — که گل نتیجهٔ خار است در درون چمن

رسی بهمت عالی ز اوج همت خویش — که بود قطرهٔ آب آنکه گشت در عدن

بدست جهد دل آهنین خود بزدا — که قابلیت آئینه هست در آهن

نه از مشیمه بزاد است آدمی دانا — نه لعل سفته برون آمده است از معدن

تراز نور خرد آبگینهٔ خاطر — چو شیشه ایست در آب حیات پیوستن

اگر نه بر سر آنی که آب خود ریزی — بسنگلاخ امل شیشهٔ خرد مشکن

نشان مردمی از مردمان این ایام — طمع مدار و ز اندیشه دور کن این ظن

ز غایت خنکی جمله پوستین پوشند — درین زمانه گرگ این سگان روبه فن

سخن درست میفگن برون که در معنی — به از مقالت بلبل خموشی سوسن

بهرزه لب چه گشائی یکی به پسته ببین — که خشک لب چو به است و گشاده است دهن

اگر نه چرب زبانی زبان دراز مکن — که دیر زنده نماند چراغ بی روغن

ترا چو عاقبة الامر جای در خاکست — چه سود ثروت قارون و قوت قارن

کمان رستم دیدی که هیچ کار نکرد — ز ابر تیره چو پوشیده شد مه بهمن

چو دهر آبی بی کوششی نخواهد داد — چنین ز بهر چه می کوبی آب در هاون

چو کشت زار فلک دانه نخواهد سخت — بسوز ز آتش خورشید ماه را خرمن

ز کیش تیر برون کش دو شاخهٔ جوزا — بزن بدیدهٔ خورشید و هیچ چشم مزن

کجا فتاد سخن از کجا در افتادم　　درین حدیث زبان درکشم چه جای سخن

ز قید نفس برون آیم ار رها نکنم　　کاسیر دیو بماند فرشته در گلخن

طهارتی کنم از آب چشمهٔ تجرید　　برون نهم قدم دل ز آبخانهٔ تن

ز دیده خاک شوم پیش آستانهٔ او　　مگر بچشم عنایت نظر کند بر من

چراغ ملت و دین مبین نظام الدین　　که دین و ملت مبین شد بنام او روشن

بزنده داشتن شب دل منور اوست　　چراغ پایهٔ نه طشت آفتاب لگن

بسینه سوز دل و آب چشم او آن کرد　　که کرد آتش بر عود و آب بر چندن

وجود او شده مشکوة عشق را گوهر　　ضمیر او شده اسرار غیب را مخزن

دران زمان که بخلوت انیس قرب شود　　گراست زهره که تا گرد وش به پیرامن

اگرچه دریا در راه پیش او آید　　قدم برو نهد و تر نگرددش دامن

وقار او بکمال شکوه آن سنگیست　　که تیغ روشن ناهید را شده مسن

برای آنکه ببندد دو دست شیطان را　　کشید رشتهٔ زنار از گلوی شمن

ابا ز گوهر تسبیح در کف خاتم　　ابا ز جوهر تیز بید بر سرت گرزن

زمین اگرچه ز اوتاد کوه شد قایم　　یکی توئی ز بدالارض در زمین و زمن

بگاه فکر بفرقت همای سایه فگند　　همای قدس که بر شاخ سدره ساخت وطن

بدست تست چو حبل المتین عجب نبود　　اگر بکنگرهٔ عرش بر شوی برسن

ز بهر پرورش طفل روح را از لفظ　　زبان چو شکر شکرت دهد نبات حسن

زکانِ خود گهری بخش باغِ عالم را   که بلبلان همه لالند و طوطیان الکن
حضور خدمتِ تو یافتن بملکِ جهان   بود خریدنِ گوهر بدانهٔ ارزن
نسیمِ زلفِ تو تا در دماغِ عالم رفت   نگشت بیش بگرد دماغ مشکِ ختن
کفِ چو ابرِ تو بیرون کشد اگر خواهد   بباغ جامهٔ پیوند از گلوی سمن
ببخش ما را بارانِ رحمتی بدعا   چو باز ماند از آبِ حیات جوی بدن
هزار ناوکِ تقدیر رد تواند کرد   کسی که حرزِ دعای تو باشدش جوشن
مرا رسد که بجای رسم چو پیشانم   رکابِ قدرِ تو منّت خدای را ذوالمن
بزرگوارا از بندهٔ خسرو این ابیات   قبول کن ز کرم گرچه نیست مستحسن
اگرچه بلبلِ نطقم به گلشنِ عالم   ز شاخِ دولتِ تو می پرم درین گلشن
بصیدگاهِ عنایت مکن فراموشم   که نیم خوردهٔ شاهین خورند زاغ و زغن
دراز شد سخن و جرات از قیاس گذشت   بذیلِ عفو شده آنچه رفت لجن[1] لجن
کنون دعای ترا ورد حالِ خود سازم   که هست حرزِ دعای تو سینه ام مامن
دلت که زمزمِ قدس است باد تا یابد   غریقِ چشمهٔ مقصود در نهان و علن

روضهٔ قدس است این جنّت که گرد روی شوی
بینی اندر گنجِ هر بیتی نهان هر دو سرا

(بحرِ مجتث مثمن مخبون مقطوع مسبغ وزن او مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان)

خوشند راه روانِ ولایتِ اسرار   که در نشیمنِ عزلت گرفته اند قرار

---

[1] ردزاه، لگن بیرحی که بگل آغشته شده باشد - نیز گل سیاه و ردیه حوض و حوضچهٔ آسیا وغیره - برهان ۱۲

نشستگان جهان گرد چون مسافر آب | روندگان زمین مانده آسیا کردار
بچشم همتِ شان چرخ کمترین نقطه ست | که شکل دائره بینی ز گردشِ دوّار
سماع جان شنوند و زبس بر آتشِ دل | هزار گونه معلّق زنند بر دیوار
عنان کشاده بصحرای قدس می پویند | علم ز آتش دل کرده ز آب دیده سوار
ورند صف هوا و هوا شود غالب | بسوی بارگهِ کبریا کنند فرار
گهی خورند ز شمشیرِ لن ترانی زخم | گهی دهند بر اورنگ ربِّ هب لی بار
تن خمیده چو چوگان و گوی سر در پیش | جهانِ تو بتی و طبع زیر ران رهوار
بباز گوی سرای مرد راه از سر حال | اگر ترا سر بازیست اندرین مضمار
چه پاکباز شدی بر شکستگی دل نه | که سنگ خسته به اندر سرِ حریف قمار
سفر بعالمِ مقصود میکنی هیهات | براه غیب بمردان غیب پا بفشار
ولی چگونه رود هر کس اندرین راهی | که گشت سوزنِ عیسیٰ بپای عیسیٰ خار
نیاز مند ثنا نیست آستانهٔ فقر | حریم کعبه چه محتاج خدمتِ زوّار
خود این طریق محیطی است کاندرو بینی | نهنگ طوفان آشام و حوتِ یونس خوار
ز نیک و بد نتوان یافت ساحلش خالی | که هم صدف بود و هم گهر بدریا بار
یکی بمانده دهان بسته بر مثالِ صدف | تن استخوان شده دل پُر ز لولوی شهوار
دگر بسلک سلوک اندر آمده چو گُهر | برون لباس صفا کردهٔ و درون زنّار
مپوش کسوتِ دین بهر ورزدی دینار | مکن بگردنِ خود رشته درمیان دو دار

ترا چو علم نباشد مکن عمامه دراز — که جای خنده بود طیلسان به پشت حمار
دراز عمامه بزرگی طلب کنی نه ز علم — هزار باره کلاه بهتر است از دستار
چو کوس زرق زنی ارغنون زهد مساز — ازان که طبل نشاند نشید موسیقار
کجا بزرق شود خانهٔ عمل عالی — کجا بچوب شود خیمهٔ فلک تیار
بدست حرص و هوس روح را اسیر مکن — که پیش دیو نشاید فرشته در بیگار
خرد که تاج سرت بهر ملک اید — تو نعل توسن شیطانش می کنی هشدار
بیفتد آدمی ار پایمال گشت خرد — سر آید اشتر اگر زیر پای کرد مهار
همانست عقل که خود را شناسی و خود را — تو عقل نام کنی گرد کردن دینار
میان آن دو فریق ار زمین همی پرسی — همین ست عقل که این عاقل ست و آن طرار
درم ز مهر شود قلب مردمی بینم — که بهر نقش درم قلب می شود هر بار
بشر مباد که گردد بدست حرص اسیر — مگس مباد که ماند میان شهد بشار
ز دست پر مگس جاش پرورونه شیر — مکن که گاه ترا جز ندامت آرد بار
نه رفت صاحب آمال در رهِ اعمال — نه گشت مالکِ دینار مالکِ دینار
زرا چه صد پی حلش کنی حرام بود — سگ ار چه ده جا بسمل کنی بود مردار
قراضه که ترا داده اند ساخته — ز مهر آن دل چون سنگ خویش امعیار
ترا معاینه گردد که سنگ بود آن زر — چو سنگِ گور پدید آرد از زرِ تو عیار
دراز کلاه ز رخ چهرهٔ نگین نانیے — عروس وار بجای کله بپوش خمار

کسی که مرد بود خود لباسِ زن نکند / کله بجای بلا درکمیں بلاے سوار
کتابِ عُجب چه خوانی بخوان زین که دید / معلّم ملکوت از عماد اشکبار
تواضع است ز آدم خلقتنی من طین / تکبر است ز شیطاں خلقتنی من نار
اگر ز خاکی چوں خاک سر بروے زمیں / فرود آر و گر ز آتشی فرود میار
مپر ز بادِ تکبّر که تودهٔ خاکی / ازاں که حاصلِ او ہیچ نیست جز که غبار
تن ار ز کبر بخواہد بہ آسمان برود / بہ آسماں برود بر زمیں فرود گذار
چہ فائدہ است کہ خاکی کہ از ہوا فگنی / کہ باز گردد و بر ریش سر شود انبار
سکوت از حرکت بہتر است در مردم / مکانِ ثابتہ بالاتر است از سیّار
نخواندهٔ که چو ساکن طلب کند حرکت / بکبر خویش رضا بایدش نه اشکبار
خزینهٔ زر و یاقوت یافت از خورشید / چه کوه راهمه تن سنگ شد برائی وقار
دو گوہرِ تو که با چار گوہرند بسلک / بر آستانهٔ تجرید کش برائے نثار
بہشت نقطهٔ جسمی خطِ عدم درکش / ز ہشت نقطهٔ تحقیق چشم بال برآر
خر از چه حبس کنی در سیاه خانهٔ تن / که گلخنش ز درونست و ز برون گلزار
چو مرد پاک شد از خویشتن کند تجرید / چو نافه خشک شد از خونِ خود شود بیزار
چو خانهٔ فلکت ہست ترکِ ارکاں گیر / که در بہشت نه زیبد ز آب و گل دیوار
چو تیغ چند تواں خفت درمیانِ نیام / صفِ ہوا است بپیش تو ضربتی بگذار
کسی که خواہد بالائے آسمان برود / ہر آئینہ کہ قدم بر ہوا نہد ناچار

ز خاک بگذر و بر آفتاب خیمه بزن	که ابر را ز زمین بر کشیده اند بخار
سه پایه شرع و طریق است بعد از آن تحقیق	که ساخته است قدر نردبان هفت حصار
وراں سه پایه دو حرف از دو لا بباید راند	برو اگر نتوان سر بپاز و پای بیار
فرو شکاف بمقراض لا حجاب وجود	پس از حجاب ببین ستر حضرت ستّار
سر وجود قلم کن بزخم تیغ نیاز	خطی بکش پس از آن بر صحیفهٔ پندار
قلم چو بر سر او مو بود نباید خط	قلم شده است چو سر نفس مو نگاه بدار
وگر بزیر کله سرّ صوفیان داری	بصوفیان کله صوفیانه را بگذار
صفا مجوی بصورت از آن که نتوان یافت	ز خلق رسم طریق و بپشم خلق شعار
گلیم ستر تو هر گه که گشت موی سرت	شنو ندا ز مزمّل ز عالم اسرار
چو بر نشانه رسیدی ندا ز نطق ببند	که زخم تیر ز پیکان بود نه از سوفار
بکشف رمز نیابد هر یده راه مراد	بنقد راز نشاید مشیر شاه مشار
ترا ز بیضهٔ همت نشاید الا کشف	اگر کشی بگریبان سرت کشف[۱] کردار
چو گرد خویش برآی سپهر زره پشت	چنان که دایره زاید ز گردش پرکار
بفکر باز توان کرد غیب را پرده	بوهم باز توان یافت چرخ را اقطار
چو مایهٔ ملکی بایدت بفعل کوش	که آن ز صحبت ایشان نبخشد استظهار
نبات قابل انسان شدن بقابل نیست	ولیک در تن انسانش باید استقرار
من و تو ایم شده هم ولی و هم اوتاد	گل است و آب که هم گل شدست هم انهار

---

۱ سنگ پشت یعنی کچھوہ ۱۲۵

بعزِّ عزلتِ خود در رسیدهٔ خود را — مکن ز حضرتِ عزّت بذُلِ دولت راخوار

بعزلتی که بود چشم بر سرِ دولت — نه عزّتش که خود عین ذلّتش انگار

یگانه بره دیں نه بکم از انگشت — که سجده از تو بگویش یکے بود بشمار

مکن نماز ملوّث که خود روا نبود — تو در نماز و درونت پُر از ضیاع و عقار

خیال در دل و در دست مهرهٔ تسبیح — خدای بر لب و در دست لعبتِ فرخار

اگر بصومعه بُت گر شوی تو ئی حاکم — وگرنه خربزهٔ حنظل خوری تراست خیار

کنی بگاه نیت از دو دست نفیِ دو کون — نهاده از پۓ گنج اندر آستین مسمار

ال بسینه بود قرب کی شود حاصل — صنم بخانه بود نار کی شود گلنار

بسجده گوئی سُبحان ربّی الاعلیٰ — پس آستان سگی بوسی و نداری عار

برِ تو بیت حرام است از پسِ حرمت — که آسمانِ فلک بود در سپه سالار

هوالله است ترا جو سعی اللّهمّ آخر — چه حالتست که خسرو خداست ای غدّار

تا خود خطا کنی و التفات هم نکنی — که از خدا دو بریدند در یمین و یسار

ترا صلاح نماید گنه برخصتِ دیو — ترا حلال بود می بفتوی خمّار

اگر نظر بغلط سوی مُصلّے نکنی — کهش مزور خوانی وگه خدا آزار

بر اهل فسق مری[1] جوئی ایں بداں ماند — که پا دراز کند با کلنگ تیمار

چو از دیانت و دیں در تو نیست جز رسمی — چو نام مستی در مستگی[2] و در مستار[3]

ملک چو نقش کند ماجرای ایں غمّاز — فلک چه گوی زند در زمینِ ناهموار

---

[1] ریا ۱۲ [2] و [3] نام گیا ہے ۱۲

ز خنده و رسم بشر ضحک و نطق داری لب — که خنده زنی و هرزه کنی در کار

چو نیست مردمی در تو نیستی مردم — بشهر نشد کسی از خنده طوطی از گفتار

شقی سعودِ ابد را چساں شود قابل — گهی در بود گری را کجا کند سنجار

سعادتے که درآمد نحوستی که رسد — نه خیر بیندنے شر نه بنده نے احرار

ببین ببین سعادت که از سرِ عادت — چگونه خنده زند بر نحوستی اخیار

اگر متاعِ سعادت بہر دکاں بجوی — ہر آئینه که پُر از مشتری شدی بازار

ترا دہند قبای که بر تو دوخته اند — بعاریت نرسد طیلسان زاغ بسار

درین محیط قدم راست کن که ہمچوں چرخ — ز راستی که درآرد دو قرب خدمتگار

بقوس کج نگرد جیب خالیش در پیش — اسیر سهم و سراپای بسته با تاتار

چو قلب تو ز درستی و راستی معنی است — اگر بفعل گرائی ہماں کنی اظہار

اگر درون سیہی از بروں سفید مباش — که بد بود حبشی را سفیده در دیدار

بشوی تختهٔ باطن بہفت آب صفا — که آہن آئینه گردد چو دور شد زنگار

یقین بداں که ہم از خون خویش گیرد رنگ — کسی که باشد دندانش در شکم چو انار

حذر ز صحبتِ آلودهٔ سیاه دلاں — ازاں که رنگ حنا را سیه کند اشخار[1]

یگانه باش چو سلطان صبح تا گردد — سپہر گرد سرت بالعشی والابکار

چو بایدت که ببینی ثبات عزت را — طواف کن ہمه شب گردِ گنبد دوّار

ہزار مرده شود زنده ہر دم از دم صبح — چو جاں زنی از بهر زنده داری اسحار

---

[1] زاج سیاه یعنی سنجی ۱۲

چرا به نیمه بدل میکنی تمامت عمر — که مردهٔ بلیالی و زندهٔ بنهار
کدام فائده زاں به که مردمِ دانا — تمام عمر بباید اگر بود بیدار
چو دستِ مرگ بعنف از تو جاں بخواهد برد — تو تن برآزرِ خود را بدست خود مسپار
مخسپ اگرچه بهر تار مو شبی داری — که هم سپیده دمد بامداد از شبِ تار
حنا بدستِ تو وام است حجتش آں خط — که در زبانِ بلاغت بنشتهٔ بیذار
هر آئینه که چناں وام خویش نستاند — زبا چرائے موجه چرا کنی انکار
وگرچه کهنه شود خط سیاهیش برود — درست تر شود ایں دعوی اندریں انکار
دو گوش تو دو گواهند اندر آخر خط — شنوده صفوتِ آں حال را بسه و چهار
به پیش چشم تو دارند آں سیاه و سپید — که در معائنه حاجت نباشد استخبار
چو رو بجانب زنداں کنی بحکم قضا — نخست وام کنی بعد ازاں کنی اقرار
حساب نیست رواں بر جریدهٔ شب و روز — چناں سپید و سیاهی که می کند هموار
دو عارضت بخطِ خویش نسخه میگویند — ازاں سپید و سیاهی که می شود بیکار
چو هر بگوش تو در کرد موبهائے سُبُل — حدیث شاں سرِ موئی بگوش کن زنهار
اگر زمانه ترا رشتهٔ دراز دهد — به پیچ رشتهٔ خود در گلوی خود چوں تار
چو بایدت که بحرفِ تو کم نهند انگشت — همیشه بر سرِ خود باش چوں جرِ جرّار
بهرچه بانگ زنی باز بشنوی از چرخ — جواب باز دهد گنبد از سرِ ناچار
کبوتری نکشتی گر ترا شود روشن — که چرخ و طبع چه زحمت کشیده اند بکار

بروی چوب کب از تیشهای سخت زنند ... ز رنج ناهیه آگاه گردد از نجّار
چو انگشت در انگشت در زبان مقراض ... ز رنج گردنِ چو له پی گسستنِ تار
گرت سپید بود جامه خلق رادادی ... چه جامه که بود زیر کوششِ قصّار
چو عقل داری و ابله شوی چه گویدکس ... که نحس باشند کیوان و مشتری بجوار
بریز اشک ندامت که نامهای سیاه ... بآب دیده توان شست دستِ استغفار
تن از مجاهده کوب و ترکن از گریه ... که از گلاب معطّر کنند عودِ قمار
بسوز آتشِ تهذیب آبدانِ وجود ... که آب علوی گردد چو یافت قوّتِ جار
بسلسبیلِ تنعّم مشوی روی مراد ... که آفتاب قیامت سیه کند رخسار
اهل چو به نه ندت رنج خواه بی راحت ... که سرکه به ز عسل از برای دفع خمار
مرید صورتِ مقصود بیند از پی رنج ... مسیح دولتِ معراج یابد از سر دار
چراغ سینهٔ مرد است دودِ آتش درد ... چنان که ظلمتِ شب نور دیدهٔ عیّار
بمیرد آتش دل زنده گردد از دمِ شوق ... برآور این دمِ روح اللّهی شو از انصار
من از فسرده دلان سوزِ عشق چون گویم ... زهی محال که آتش برون جهد ز چنار
ز هر دو دست کشد طعنه مردمِ زیرک ... ز هر پوست شود کشته روبهِ مکّار
وفا برفت و از و نقش ماند بر کاغذ ... بروی آن همه از علّتش نگشتی تار
ز سنگ دلان مطلب کاه جو چو شیر دلی ... نیافته است کس از گریه نافه تاتار
محال کون که من خواهم از خسیس خیال ... خیالِ محض که خواهی تو از لئیم انار

مشعبدی کند ابله زهی اولوا الالباب　　رفوگری کند اکمه خهی اولوا الابصار

گزینی ز سفله دو رنگی ز دون کجا یابند　　کمان بجا چه غریب است و توز در یلغار[1]

کریم گشت کسی کش اگر تو زهر دهی　　دهد مقابل آنت شراب نوشگوار

درختِ بارور آخر ندیدهٔ کورا　　تو سنگ می زنی او بر تو می فشاند بار

مکن مکن کرم ار باشدت عسیر و ثمین　　مده مگر نعم ار بایدت یمین و یسار

نهفته خوان ورق جود تا بیابی نام　　که اسم گردد حرف تهجی از اضمار

نه جواد چو بهرِ ثنا کنی احسان　　نه مثاب چو بهرِ ریا دهی ادرار

خود انقطاع کرم از کریم ممکن نیست　　چو انفکاک ضو از آفتاب با انوار

بدست خویش عمل کن که زیب می ندهد　　ز بید سایه نیاید بخواهش اسفیدار[2]

سخاوتی که دلت میکند ببند ببند　　جراحتی که نکو می شود بخار مخار

درِ سخا نه که دارِ جزا کند خراب　　اگر بنار میسرت برافگند ابرار

تبر زنی بشجر ز خشم سایه را نرسد　　و‌لے بریده شود سایه چون برند اشجار

چنان خوشست ثنا یابش سبک چو طاوس　　بدست و پایش اگر نیست بال و پر بنگار

مبین حریر منقش بگردنِ درّاج　　تو بازبین که چه مقراض دارد از منقار

مگو که نیست فنا دهر را چو حادثه نیست　　نزاده دی ز پریر[3] است و پار از پیرار[4]

سخن چه ره برد اهل وجود را بعدم　　کشف چه کم کند آبِ محیط را لطغار

طرب سزاست بر آنکس که رفت از خانه　　ندم رواست بران دم که رفت از مزار

---

[1] غارتگری ۱۲ [2] نام درختی ۱۲ [3] روز پیش دیروز ۱۲ [4] سال پیش از سال گذشته ۱۲

ولے ز تابشِ دستِ عدم چہ خیزد سود
دو دست برہم سائی چہ حاصل آید بار

ز تند بادِ ہوس آب موج خواہد زد
بہ بید باز خرد گوے تا برد ہشیار

چو آشنائے ریاضت رہاندت زیں موج
چو آشنا نہ بود جاں برآید آید نار

بداں کہ قطرۂ آب ست آنچہ از تو چکد
کہ قطرہ قطرہ شود سیل و سیل گشت بحار

چنیں کہ خانہ ز گل کردۂ بنا بر آب
درو چہ ایمنی اندیشہ را بخود بہ گمار

چو مادۂ تو ز آب ست صورتِ خود را
میانِ آب ببیں خویش را ہمیں پندار

چگونہ مردمِ عاقل دعا طمع دارد
ز صورتے کہ بر آبِ رواں کنند نگار

سکونِ خویش چہ بینی در رفتنِ ایام
کہ آں تو میروی آنرا ہنوز نیست مدار

خود آں مسافرِ آب از غلط ہمی بیند
کہ ساکن ست سفینہ مدار دست مدار

وہے شکست فلک را ہمی مداں باآں کہ
ز راستی دم کژ آں نماید ایں گفتار

دل از نوازشِ او خوش مکن کہ از پئے صید
بآہوان بہ سرِ دشت می کند رفتار

عقاب پیش بآورد از طرفہ ماہی را
ز قعرِ آب بروں آرد از برائے شکار

چو دستِ دورِ شرابِ فنا دہد در دست
چہ طرفہ مست شوند ابلہان باقول کار

چو شیر ساز کند چنگ خویش در گلّہ
چہ خوب جستہ زنند آہوانِ خوش رفتار

سفید کردنِ دندانِ شیر خود چہ عجب
نعوذ باللہ اگر خود بگیردش بکنار

ز لوحِ عمر بشوید دو رنگ دہرِ دو رنگ
ز چرم ماہ برآرد دو ماہ چرخ دمار

بگرم مہریِ گردوں مبیں کہ ایں مادر
ہزار حادثہ جوید ز نہ شکم یک بار

همیں بلانگر امسال در حدِ ملتاں شکست میمنهٔ مومن از کفِ کفّار
چگونه شرح تواں داد آں قیامت را کزاں فزع ملک الموت خواستی زنهار
چه گویم آں صفتِ حمله کردنِ غازی بروئے خیبریاں همچو حیدرِ کرّار
ولے چه چاره تواں کرد حکم محکم را که گشت نامزد از کارخانهٔ قهّار
زمینِ رزم که شد بازگشتِ بودِ همه بسا که ریخته شد خون و همراں شد بار
چو جرعه خونِ شهیداں بگل سرشته تمام چو گل گلوئے شهیداں برشته بسته قطار
دواں بازی سر در شکنجهٔ فتراک شکنجه کاری گردن برشتهٔ افسار[1]
مرا اگرچه که سر زاں دواں بازی بود همم سزاست گلو زاں شکنجه بے آزار
اسیر گشتم و از بیم آں که خوں ریزد نمی نماند ز خوں در تنِ نحیف و نزار
چو آب بے سر و پا میدویدم و چو حباب هزار آبله در پا ز رفتنِ بسیار
ز پا پہاے من از آبله جدا شد پوست چناں که باز شود در زرهاے پا افزار
ز رنج سخت شده جاں چو قبضهٔ شمشیر ز ضعف چوب شده تن چو دستهٔ جبّار
وسے نماند نیایم ز بوده ره تشنه وسے شده شکمِ من ز ماندهٔ ناهار
برهنه مانده تنِ چوں درخت گاه خزاں هزار باره چو گل از خراش خار آزار
بگریه مردمکِ دیده قطرها می ریخت چناں که بگسلد از گردنِ عروسی هار
فروزه[2] که مرا پیش کرده ره می رفت نشسته بر فرسے چوں پلنگ در کهسار

---

[1] باگدور ۱۲ [2] شاید فروجه باشد بمعنی چوزهٔ مرغ ۱۲

کشادہ از دہنش نکہتے چو بوے بغل   فتادہ بر زنخش سبلتے چو موے زہار
زماندگی قدمے گر بماند می بستوہ   گہے طغانہ کشیدے نخستم گہِ تکمار[1]
ہمی زدم بدلِ سرد دم ہمی گفتم   کزیں بلا نتوانم کہ جاں برم بہار[2]
ہزار شکر خداوند را کہ داد خلاص   نہ دل ز تیر شگاف و نہ تن ز تیغ فگار
چو خواست کالبدم خشتِ گور راست کند   ز سر شد آب و گِلم قصرِ عمر را معمار
ولے چہ سود مرا ز خلاص آں رشتہ   گستہ گشت چو سلکِ جواہر و انصار
دریں زماں کہ چمن خاک را نگاری کرد   زعکسِ لالۂ خونی ست دستہائے چنار
بریخت آں ہمہ رد ہائے ہیچو گل در خاک   ز تند بادِ حوادث خزاں ست ایں بہار
جہاں پر از گل و مجلس تہی ز گلرویاں   چگونہ خوں نہ شود دل چو غنچہ زیں تیمار
نماند ہیچکس از دوستان پار امسال   معائنہ ست کہ امسال نیز گردد پار
پیالۂ بہ ہیدم کہ از سرِ حسرت   تہی کنم زمے و پُر کنم ز گریۂ زار
تو نیز ہمچو من اے ابرِ نوبہار کنوں   ز آب دست بشوے و ز دیدہ خوں مبار
کنوں کہ ششصد و ہشتاد و چار شد تاریخ   مرا بسے وسہ آمد نوید سی و چہار
نہ سی و چار کہ گر سی ہزار سال بود   چو در حساب فنا شد نہ سی بود نہ ہزار
نہ شاعرم چہ کہ جادو گرم میانِ خاک   نہ خسروار چہ کہ کیخسروم میانِ غار
چو ماشویم سخن را حیات باد کہ ہست   حیاتِ ساکنِ شاعر روانیِ اشعار
نتیجہ بہ ز دُرر در خریطۂ دانا   قبالہ بہ ز درم در خزینۂ تجار

[1] تیر بے پیکان ۱۲   [2] بسیار ۱۲

همین قصیده حیاتِ ابد بس ست مرا — که تا بحشر بود وردِ رادیانِ دیار
ملائم ست که حکم الحکیم کنم نامش — باتفاق حکیمان و حاکمانِ کبار
سبق گرفته ام این نکته را به مکتبِ طبع — به پیشِ پیرِ خرد بر صحیفهٔ افکار
به ملک هست ز بهر قافیت مرا سعتے — چه عیب ار سبقِ خویش می‌کنم تکرار
سخن دراز مکن خسروا اگرچه دعاست — که بشنیَد ز درازی ست پیچشِ طومار
زبانِ تو ز سخن موئے شد مپیچ دراز — زبانِ تیز طلب کن ز غیب موسی وار
ز لفظ خوشتر شهم پند تلخ را بنیوش — که دفع تلخیِ مے هست تیزیِ آچار
خرد بناطقه تیزی به بخشد ار تنبیه — فلک بنامیه ادرار بخشد از مدرار
موثّرست نصیحت ز طبعِ زنده دلاں — چو امر و نهیِ طبیباں به خانهٔ بیمار
نصیحت آنکه درے باز کن معانی را — که دال باشد بر راه رحمتِ دادار
بهر سخن که رود ابتدا به قرآں کن — که به بود ز نُهیٰ[۱] در معانی استفسار
چو ابتدا ز نُهیٰ شد خبر طلب ز نُهیٰ — ازاں که لائقِ آں مبتداست این اخبار
بگیر صوم صموت از نعیم مدح و غزل — و لے به شربتِ توحید مدح کن افطار
بهرزه چند کنی ترهات را مایه — که آں ثنائے فلاں این مدایحِ پندار
ثنا سزاست و لے زانِ ایزدِ متعال — مدیح گوے و لے زانِ احمدِ مختار
مهیمنا به کلیدِ کرم درے بکشائے — که دار بر سرِ من از ستانهٔ اغیار

---

۱ بالضم قرآن مجید ۱۲

نفحه‌ای ز هوای هویتم بفرست | که از غبار انیّت نمانَدم آثار
در آن زمان که توئی و منی ز من برود | تو باشی و من و نبود ز آدمی آثار
بفضل مرحمتی یا رحیم یا رحمان | بلطف مغفرتی یا غفور یا غفّار

بر دو عالم پا نهد کس تا درین عالم رسد
زان که بیروں از دو عالم عالمی دارد خدا

(بحر رمل مثمن محذوف وزن او فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن)

من که در گلزارِ عالم نو نوائی می زنم | باغ جاں را از نفس باد هوائی می زنم
کلکِ سحر آشام را بر یدِ بیضا می نهم | جادوانِ دهر را بر سر عصائی می زنم
تیر فکرت چوں زنم از فیلسوفی بگذرم | تیغ همت چوں کشم بر پادشائی می زنم
تکیتم بر عرش و الاستوی شد از کرم | من که اکرامی علی العرش استوائی می زنم
دامن از بارِ گهر صد پاره بینی خلق را | چوں ز دریائے سخن موجِ سخائی می زنم
گوهرِ نظمم هر دوں کے رسد بدکیں مگو | سنگسارم بر دلِ هر روستائی می زنم
هندو از زر بت کند مومن خدایش کرد من | سنگ بت گر بر سرِ هر بت خدائی می زنم
دل چه بهرِ زر چه گر دم خوردگاں شد بیقرار | از لعاب ارقمش هر دم شفائی می زنم
لا دو سر شد دورباش دین و دنیا چوں ترا | دورباشی می زنم هر گه که لائی می زنم
با فلک دارم سرے و ز دورباشش خویش هم | نه سرا چه از سرائی تا سرائی می زنم

پا بہم بر پشتِ گردوں لیک می سوزم ز قہر
کیں لگد ہرچہ بر پشتِ دوتائے می زنم

خط کشیدہ ابلقِ ایام را تا شد قلا
وز علم چوبِ ریاضت بر قلائے می زنم

خسروم بر پادشاہانِ سخن فرماں روا
تحت خود بر فرقِ ہر فرماں روائے می زنم

جائے من دہلی کہ ہر حرفم سوادِ اعظم ست
طبل دار الملکی اندر روستائے می زنم

ہم بدیں شعرے کہ کردم عالم العلمش خطاب
کاتشے در جانِ ہر دانش فزائے می زنم

چوں کنم بر اسپ نے برگستوانِ کاغذیں
بوعلی را گیرم و بر بو العلائے می زنم

از قلم شمشیرِ چوبینم چہ بینی طفل وار
حرفِ من بنگر کہ بر بالغ نوائے می زنم

گرچہ تیرِ کودکاں شد کلکِ من من ہم بدو
ہوشگافانِ جہاں را بے خطائے می زنم

تیز بالیست او سرِ ہم آہوئے در ہم شگاف
کز دو شاخش نشک تر در ہر خطائے می زنم

ذکرِ عنبر می کنم پیشِ دوات نامہ وش
خردہ کاوی بر قفائے عطرسائے می زنم

دیگِ زریں نیست ہر پختن سودا و کلک
کفچہ لیسانِ دو عالم را صلائے می زنم

ساختش از زر چہ می بینی کہ صوفش در برست
من ز صوفش پشت معنی بر ردائے می زنم

می زنم نوکِ قلم در صوف یعنی چوں مسیح
عیب گویاں سوزنی اندر عبائے می زنم

حاش للہ فکرتِ من زیں معانی فارغ ست
من بر ایں نقش فطرت ز افترائے می زنم

چند گویم کآسماں بوتہ ست طبعم کیمیاست
کآتش اندر بوتۂ ہر کیمیائے می زنم

بس دقیق ست ایں خراس کہنہ من تا اں بستہ چشم
چوں شترِ چرخی بگردِ آسیائے می زنم

سیمیا کارے ست کارِ چرخ لیعت باز و من
چشم بازِ دست را بر سیمیائے می زنم

شد سخن بر چرخ و آوازے برآمد تا چہ شد — چوں مشعبد نغمہ از گنبد نائے می زنم

گفت من گفتم کہ بر دل می زند چوں بنگرم — سنگ بر یاقوت ہر دل بے بہائے می زنم

ہر چہ بنوشتم سیہ کردم تمامی نامہ را — خانۂ پُر ہو در چہ بے ماجرائے می زنم

کلکِ من گر مشک می ریزد ہم آہوئے من است — بر خطائی می زنم گر بے خطائے می زنم

کہربا شد رویم از زردی کہ از بہرِ طمع — سر بپائے ہر خسے چوں کہربائے می زنم

میوۂ مقصود می خواہم ز ہر خود رستۂ — مردمی را سگّ بر ہر دم گیائے می زنم

چوں بطے کاندر سراب افتد دریں گردابِ خشک — پَرّ نومیدی بپائے آشنائے می زنم

گر ہمہ سیماب گردوں بد بود بتو عجب — زآتشین آہے کہ در صبح و مسائے می زنم

دودِ غم می پیچدم چوں مار در غارِ دہن — کز دم آتش در جہاں چوں اژدہائے می زنم

آبِ مروارید در چشمم فرود آمد ز اشک — وز مژہ میلے درونِ توتیائے می زنم

دل اگر بر نطعِ غم پامال گردد بوریاست — من ہم از دل آتشے بر بوریائے می زنم

بے وفا عمر از پے جاں بر دنم دم می دہد — من مگر گز مہر دم با بے وفائے می زنم

چوں وجود کس دریں بابِ بقا کوسے نزد — بر سرِ راہِ عدم کوسے فنائے می زنم

رہ بجز خم نیست چوں آں گوسفندِ با عقاب — سبزہ می بینم از دور و چرائے می زنم

نیست چوں فرِّ ہمایم زاغ رنگی می زنم — نیست چوں رفتار کبکم زاغ پائے می زنم

بر صواب ار نیست کلکم ہم نشانے می دہم — بر نشاں گر نیست تیرم ہم بجائے می زنم

ابر بے باراں کہ خند و برق بر بے آبیش — من ہماں یک خندۂ بر بید جائے می زنم

می کشم دل را بجائے نقش و تیرِ خستگی — بر غلیوازے کشادم بر ہمائے می زنم
دیو کنجشکے شدہ گشت نیازم خورد و من — چوں ندارم ہیچ سنگے ہائے ہائے می زنم
رغبتے در فسق چوں سست اعتقادے می کنم — رکعتے بے صدق چوں ناپارسائے می زنم
از خلافِ طینتم پائے وجود اندر گل ست — با چنیں آلودگی لافِ صفائے می زنم
آتشِ سوزندہ را بر نورِ من بگزیدہ ام — بولہب را سکہ پیشِ مصطفائے می زنم
از نشاطِ مادر شہوت کہ مرد از وے نزست — چوں کبوتر صد معلّق بر ہوائے می زنم
دیدۂ خود را خود از عشقِ نگارے می کشم — مہرۂ خود را ز خود بہر دغائے می زنم
سرخ کردم چشمِ خود را با جواناں لاجرم — کوہ غم در پیشِ صعب مرتقائے می زنم
جنگ تن تا زندگی برجاست جانی می کنم — چنگ دل را تا رگی برجاست نائے می زنم
سینہ ام بے علم دین دل از بصر سر بر زند — بوالعجب سر سینۂ با ژاژخائے می زنم
عمر من در صرف شد بے حرف حرفِ علتم — جمع کردہ علت و از سینہ وائے می زنم
در علل زحمت بسے دیدم شفا حاصل نہ شد — ہم علل بہتر ازیں دم کز شفائے می زنم
گاہ قصدِ من بمعنی گاہ خوئے من بلفظ — بے خبر زیں علم سر با مبتدائے می زنم
حرف دارم ناقص و محکوم غیرے ہمچو فعل — گرچہ از اسم علم عالی علائے می زنم
کانِ علم خوانی و نہ اسم بر من سے بے خبر — کانِ اسم لا خبر اینک ندائے می زنم
ماہِ من تا کے بمعنی من کہ و ما چہ بگوئے — نفی کن مارا کہ من لاز بقائے می زنم
دہر ہر دو دشنام شد مفعول مطلق بر ہمہ — حرف شاں را کہ درنگشتِ صحائے می زنم

هست در معنی مونث هر کجا جمعِ رجال   من درین جمعِ مونث مرحبائے می زنم

هست مفعول نصب و قصدهٔ فاعل به رفع   فاعلم من این تظلم بر بنائے می زنم

فاعلم بهرِ وقوع فعل و بل مفعول جوئے   در رهِ تذکیر و تانیث انزوائے می زنم

گر بکارِ منطق و منطیق بستدم منطقه   خود ز نطق زین بحرِ ناطق آشنائے می زنم

این کیف و وضع و ملک و کم متی فعل انفعال   شد مضاف جوهرم زین هیچ دهائے می زنم

با چنین دعوی چو گوئی کیف و کم گویم جواب   کیف ما کان الهی را دست و پائے می زنم

سنگ و ل نبود بشر لاشی من اشیاء حجر   من همه دل تنگ و بر هر در صفائے می زنم

کاهم بالقوه چون انسان و چون بیضے بفعل   چیست فعلم خامه در رهِ ناسزائے می زنم

جنس انسان هست حیوان نوع انسان هست بس   من نه زین هر دو به هر دو متکائے می زنم

هست انسان لاشی و جو جو خورش حیوان و من   هم همایم طوفی از بهرِ غذائے می زنم

نیستم انسان نه حیوان بلکه جسم نامیم   کاب و خاکی می خورم نشو و نمائے می زنم

فضل حق از لطف فضلے ساخت بهرِ آدمی   من ازان بانگے بهرزه چون درائے می زنم

گر بخواند طوطی از فضل آدمی خوانند من   پس مرا مردم مخوان چون کژ نولے می زنم

آدمی حیوان ناطق دان چو شد ناحق شناس   ناطقم اینک نهیقی جا نگزائے می زنم

هر کسے اندر کلامی مانده کین چون آن چرا   من نمی دانم همی چون دست و پائے می زنم

پاک را علت نگویم کز خیانت آفتاب   کز فروغ آفتاب دین ضیائے می زنم

وان که علت گفت حق را چون بود بهرِ شفا   علتش را از شفائے دین دوائے می زنم

ور روا دین سنت قائل علتے دارد دراز　　تا بمیرد زود در مہرش درائے می زنم
شرک نارم در بگوئی صانعِ خیرست و شر　　خنجر سر بر سر ہر ما سوائے می زنم
وان کہ علت را حوالت می کند بر فعل او　　جان فدا کردہ بہ پیشش ہم فدائے می زنم
یکزمان در یکتن از ہر دو فراہم گشت صد　　ور یکے ثابت انیسش را بلائے می زنم
چوں دو دم عاجز نہ حق پس لازم آمد حق یکے　　من یکے می گویم و چرخ از دلائے می زنم
چند گویم کز طبیعی نعمتے دارم بہ طبع　　چرخ را بر خوانچہ خالی صلائے می زنم
دعوی از علم عالم حجت تزویر منظم　　دل گوا بر جہل و جہلے بر گوائے می زنم
سفلہ چوں آب و گلم بے وزن چوں نار و ہوا　　پس ازیں ہر چار پا بر تار وائے می زنم
طبع را رہبر نمائی و ہمی گویم بہ جہل　　کز طبیعت خیمہ بر ہر نمائے می زنم
ہمچو علوی کز کثافت میل در سفلی کند　　آدمی ام لیک چوں حیواں چرائے می زنم
نے چو سفلی کز لطافت منزلش عالی بود　　از حدِ خود یک قدم برتر وطائے می زنم
خاک و آب و باد و آتش شد ز لطفِ حق پدید　　منکہ نطقم نیست خاکی بر بقائے می زنم
آب آتش کے شود تا از ہوا بر نگذرد　　بگذرم زیں کے کہ من بر ہوائے می زنم
از اساسِ آہ زاید برق و من از برق آہ　　ابر را ہم کز قطرہ ہر سو گیائے می زنم
خاک نقطہ نقطہ معدوم و من از معدوم شے　　پس ز سر ہستی لاشے چوں سکائے می زنم
آب دیدی در محیط خاک ہیں خاکِ تنم　　در محیط آب جرعہ جوں بکائے می زنم
باد گرد آب ہیں و گرد اشتابِ من ببیں　　باد نومیدی کہ از دل و رصدائے می زنم

زهره‌ای گر بندی‌ای بر هوا اینک ببین　　زهره‌ای کز نفس در رهِ هوائے می زنم

نار دیدستی محیط باد آهِ من نگر　　کاتش آلوده دمے در رهِ بلائی می زنم

چند سنجم باد چون میزان چرخ از وزن شعر　　حسب این کفه کنم حسب کفائی می زنم

ناقصی را ماه خوانم گاو را بر روے شرف　　بے شرف گاوم که رائی در ریائی می زنم

گرچه خورشید انوری گردم چو گردون ازرقی　　بی سنائی دم کزان انجم سنائی می زنم

مکرمانِ عهد را مریخ نحسِ اصغرست　　من در ایشان بامیدِ عطائی می زنم

زهر طبعم در وبال از نیشِ آن عقرب وشان　　زان چو عقرب خویشتن را خود قفائی می زنم

چون زحل حایط شوم هر جا که بینم برهٔ　　وز طمع دندان رو چون ناشتائی می زنم

مشتری هستم سعادت را ولے چون مایه نیست　　بیع و شری می کنم لافِ شرائی می زنم

جویم ار سهم سعادت در رسد سهمے ز غیب　　کار تقاع سعد اکبر بر همائی می زنم

تیر چرخم در کشاکش از قد چون قوس خویش　　گرچه زخمے بر دلِ مشکل کشائی می زنم

دو دو پاره گشت یعنی دو جسد مانند حوت　　کافی است و تیغ از بهرِ ابائی می زنم

در شرف مریخ گردون زین بدان زعهدِ من　　خنجرِ مریخ بر مهر بر همائی می زنم

گرچه چون هشتم فلک بیچ دقائق شد دلم　　باز رفعت با نهم چرخ التفائی می زنم

بخت می خواهد کز این اجزا بکلی طے کنم　　وز توکل جزو را دار الجزائی می زنم

تا مگر در بارگاهِ دولتم راہے دهند　　بر درِ هفت آسمان دستِ دعائی می زنم

چون درین ره یک طرف تاریست و دیگر سوی نور　　یک قدم در خوف و دیگر در رجائی می زنم

خسروِ بیچاره ام یارب پناهم ده بخویش — چون درین درگاهِ داور التجائی می زنم

گر به پیری موی اندر نقش این مشکین سواد
هر خطی مشکینست نشسته بر دگرد خطا

(بحر سریع مطوی موقوف وزن او مفتعلن مفتعلن فاعلات)

زلفِ تو بر خرمنِ گل پا نهاد — گل زِ پیِ عنبرِ سارا نهاد
دل بزلفت رفت کاندر وی خدا — سرِ سبحان الذی اسریٰ نهاد
هر که چشمت را به نرگس عرضه داد — آئینه در پیشِ نابینا نهاد
روئے تو جاں برد و بر لب جاش کرد — خستۂ را بیں که بر خرما نهاد
دیده بالائے تو دید و پیش او — جاں کشید و دل بر آں بالا نهاد
باز دود از ما بر آورد آتشے — کاز رویت در نهادِ ما نهاد
در دلت یک ذرّه هم ننهاد سود — آں که آتش در دلِ خارا نهاد
با جنونِ خسروِ افشاری کراو — زیرِ پایت چشمِ خوں پالا نهاد
چوں ندید از چشمِ شوخت مردمی — دیده بر لطفِ شهِ والا نهاد
قانِ ملک طغراکشِ منشورِ ملک — کافراں را سر بر آں طغرا نهاد
باد پا را چوں بمیدان تک دهد — بادگیری روئے در صحرا نهاد
آسماں نور از ستاره رام کرد — بر خطابِ نصرة الدنیا نهاد

پای چون بردارد و بنهد بخاک   یا رب آن برداشت گویم یا نهاد

دهر ازان آتش که دارد خنگ او   داغ بر نه گردهٔ رعنا نهاد

روی هیجا آینه بیند به تیغ   آن زمان کو روی در هیجا نهاد

رو بکوه آورد چون موسیٰ و رمح   همچو ثعبان بر ید بیضا نهاد

می تواند زان سنان همچون معاد   کوه را برکندن و بر جا نهاد

سرمه خواهد کردنش از نعل خنگ   وز برای دیدهٔ اعدا نهاد

گر کشد بر کوه چون خورشید تیغ   گم شود چون ذره ناپیدا نهاد

صبح تا تیغش دم از خورشید زد   خویشتن را لاجرم رسوا نهاد

خسروا بهر کمر شمشیر تست   بحر هر دری که بیهمتا نهاد

زان کمر در بر که گردون دخل کرد   از پئے آرایش جوزا نهاد

بخت آن برناست کین گردون پیر   شد جوان تا دل برآن برنا نهاد

سر نهد اسکندر و دارا ازان که   هستی اسکندرش و دارا نهاد

کشتی مے چون روان شد بر کفت   از کرم پا بر سر دریا نهاد

کے تواند بے چراغ رای تو   آفتاب از خانه بیرون پا نهاد

جود تو گوش صدف را پاره کرد   نام لولو هر کسے لالا نهاد

مشک ازان شد بوصف خُلق تو   کلک من چین رشته در سودا نهاد

مشتری چون لوح تو نوشت هیچ   خامه را بر روئے کاغذ تا نهاد

خاص از بہرِ دعائے دولتت — ماہ رو در آسمان ما نہاد
نوش می کن نوش وا رفتے کہ تو — اندریں نہ ساغرِ مینا نہاد
تا بجوا ہر چرخ بر دستِ تو رفت — ہر سحر جامِ جہاں آرا نہاد
آبِ حیواں خورد خنگت پائے قدر — چوں خضر بر گلشنِ خضرا نہاد

گر زند بر روزگار آسیب ایں بادِ روا
باز یابد روئے عمرِ رفتہ را سوئے قفا

(بحرِ رمل مثمن مقصورہ وزن او فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات)

منّت ایزد را کہ عمرِ رفتہ از سر باز گشت — واں سریع السیر ماہِ من ز لشکر باز گشت
دیدہ روشن شد کہ آں موجِ شکر لب رخ نمود — خانہ گلشن شد کہ آں سروِ سمن بر باز گشت
آفتابم نیم روزی بر سر آمد ناگہاں — مرغ من از نیمۂ رہ نامہ بردر باز گشت
حسنِ او ما را بہارے گشت در عینِ تموز — در حمل گوئی کہ خورشید از دو پیکر باز گشت
نرگسش از گریہ گشت در نی چیست ایں — کودکِ تا رفتہ با خطِّ معنبر باز گشت
زلفِ او آلودۂ خوں شد کہ گرد م چشم پاک — ہم بہ اصلِ خویش گوئی مشک اذفر باز گشت
تا خیالِ مردمِ چشمم باستقبال شد — در رہش از گریہ باراں آمد و بر باز گشت
قامتِ شیرینِ او آنگہ کنار چوں نی — بوالعجب کارے ست در نے بیں کہ شکر باز گشت
دی شبِ ہجراں بنادانی درآمد از درم — آفتابی دیدہ بر م دیدم و ہم از در باز گشت

من کنون زو زنده ام تر جان که در جان رفتنش — راه دیگر رفته و از راهِ دیگر بازگشت

یوسفِ دل را برادر خواندهٔ بود دست غم — یوسف اندر ملک خود آمد برادر بازگشت

کوهِ غم برداشت از پیشِ دلم چون فرّه داد — کز غزا در کوه خاقانِ مظفّر بازگشت

نصرت دنیا محمد کز سپه در کوهسار
سدِّ آهن بست مانندِ سکندر بازگشت

آفتاب از کوه سر بر کرد تا گیرد جهان — دیده ماهِ رایتِ او را برابر بازگشت

صیت هر شاهی که هر جانب رسید از کشورے — رهبرش آوازه شد چون او بکشور بازگشت

عود اگر کرسی جم سازند تختِ کیقباد — عاقبت هم باشدش در سوی مجمر بازگشت

کافرِ بدکیش هر تیرے که سوئے دین گشاد — سهم تو بادی بروز هم بکافر بازگشت

بسکه سوئے آستانت بازگشت هر سر است — ز آستانت هر که از پا رفت از سر بازگشت

دُر و لعل آزاد گشت از جود تو در ریسمان — آن زمان کز تیغ دستت سوئے ساغر بازگشت

جوهری دی سال در می بست و می گفت اینچنین — ریسمان در رفت در سوراخ گوهر بازگشت

هر کرا پیراهنے چون گل بصد پیوند بود — آمد اندر بزم تو دامن پر از زر بازگشت

کشتیِ کامے که در گردابِ نومیدی فتاد — موج زد دریائے دستت سوئے معبر بازگشت

کلکِ خسرو تا کلید خانهٔ مدحِ تو شد — جملگی دُرهاے معنی در سخنور بازگشت

از تکلف کے رساند کس بہ شعرِ او سخن — کان بجاے آبِ او در آبِ زر بازگشت

سنگ را هر چه باید در هوا انداختن — چون بخواهد هم بسوی خاکِ اغبر بازگشت

تا ابد بر چار بالش تکیه زن کز هفت چرخ | فتنه را در عهدِ تو پهلو به بستر باز گشت
باز می گردم ز جنبش مدح و در فصلِ دعا | لیک بر نوعے کہ تتواں زاں نکوتر باز گشت

بیں میانِ ایں سوادِ شعر مقدار بیاض
راست چوں حرفی میانِ موئے یارِ دلربا

(بحر مجتث مثمن مجنون وزن او مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلات)

جہانِ حسنے و مثلِ تو در جہاں نبود | وگر ز حسن چہ باشد ترا کہ آں نبود
خیال باشد و در آئینہ نظیرِ رخت | کہ بے نظیر تری از تو در جہاں نبود
بمجلسے کہ تو لب را ترش کنی درمے | حریف نبود کش آب در دہاں نبود
دہانِ تو دلِ تنگِ مرا ز خاموشی | چناں برد کہ کسی را بد و گماں نبود
خروشِ من بفلک پایہ پایہ می نزود | اگر ز زلفِ تو بر ماہ نردباں نبود
ہزار بار بکوئے تو بگذرم روزے | اگر ز اشکِ خودم آب در میاں نبود
بآشکار در آیم بگیرمت بہ کنار | اگر بدیدہ دروں شرمِ مردماں نبود
ببرد توسنِ عشقِ توام عناں از دست | چنیں بود چو بدستِ خودم عناں نبود
ہنوز تا چہ کند غمزہائے کینہ ورت | اگر ز لطف بریں بندہ مہرباں نبود

ستودہ نصرتِ دنیا محمد سلطاں
کہ جز بذاتِ وے از مہرت نشاں نبود

دران دو بارگه او بارگاه نصب کند — ستاره هرگز محتاج آسمان نبود

برون کشند زرهِ مار و جوشنِ ماهی — سپهر کینه ور ار در کفش کمان نبود

کدام لحظه ز بادِ سنانِ چون مویش — که موی بر تنِ بدخواهِ او سنان نبود

ز سبزه خطِ امان داد باغ را عدلش — که در ولایتِ گل شحنهٔ خزان نبود

خدایگانا ز ارکان مملکت چو توئی — بچار گوشهٔ عالم خدایگان نبود

اگر ز چرخ فرود آورند گوی قمر — به پیشِ رخش تو در خورد صولجان نبود

بغایتیست ز تگ خنگِ گرد مهرهٔ تو — که گرد باد بروئے زمین چنان نبود

برای سیخ نهادی نهادِ دشمن را — بس ست خنگ تو گر بادِ مهرگان نبود

هلاک دشمنی از تیغ آبدار تنک — ازان تنک چه بود گر هلاکِ جان نبود

بدین صفت که سخن می کند ز هیبت تو — چگونه تیغِ ترا لرزه در زبان نبود

ز دشمنان همه را از زبانِ چرب کشید — که چرب نیست بجز از مغزِ استخوان نبود

قبائے قدر تو گردون چگونه دوزد اگر — ز خیطِ ابیض و اسود بر ریسمان نبود

نسیم خلق تو دارد که بر صبا چه کند — ز راهِ طیبت اگر رحمے گلستان نبود

سیه شود سیخِ گل ز آفتاب در بستان — گر ابرِ دستِ تو بر دهر سایبان نبود

ز جود تو زمین از باد لعل در جگر ست — اگرچه کوه بر اندام او گران نبود

ز دولتِ تو منم خسروِ ممالکِ نطق — که در زمانه چو من ساحر البیان نبود

ز روئے غیب اگر آرزو پرده برگیرد — اگرچه بادِ صبا کلکِ من روان نبود

عطاردی نکنم بر دقیقهائے سخن | گرم ز مدح تو ام خامه در بنان نبود
کدام روز که املاءِ نوک خامهٔ من | دعائے دولتِ تو وردِ انس و جان نبود
ترا خدائے دهد عمرِ جاوداں در ملک | که هیچ ملک به از عمرِ جاوداں نبود

نرگسِ جادوئے ایں افسوں مدبر لالہ زار
لالہ را بے منتِ عنصر بود نشو و نما

(بحر مجتث مثمن مخبون مخبون محذوف وزن او مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن)

چو زلف غالیه گون بر عذار بفشانی | نهد به پیشِ رخت آفتاب پیشانی
نشانه زخم زباں گرچه می کشد زلفت | نمی کند سرِ موئے کم از پریشانی
خراب کرد جهاں چشمِ کافرت افسوس | که نیست هیچ کسے را غمِ مسلمانی
حدیثِ روئے تو تا از دمِ صبا بشنید | به بست لعل لبت از سپید دندانی
بروں کشید سر از آبِ روشن آں سبزه | که داشت جوئے لبت زیر آب پنهانی
جهاں سیاه مکن از سیاه کاری خط | دگر کنی رسدت ز آنکه آبِ حیوانی
مرا به تختهٔ دل جز خطِ وفائے تو نیست | اگرچه تختهٔ ما هیچ بر نمی خوانی
چه عهدها که شکستی از آں دلِ سنگیں | زبس که سخت دل و نا درست پیمانی
اگر نه بر سر آئی که بگسلی از من | مرا که موئے شدم در غمت چه پیچانی
سواره می گذری مست کج نهاده کلاه | عرق چکاں ز دو رخ چوں گلابِ ریحانی

بزیرِ نعل سمندِ تو گشته شد شهرے　　عنان بدار که مستی و تندمی رانی
تو می روی و بتو آفتاب می نرسد　　مگر بسایهٔ فتراک شاه گیهانی
جلال گوهرِ افراسیاب نصرتِ دیں　　که باد نصرت او بر زمانه ارزانی
چراغ دودهٔ دولت محمد سلطان　　که روشن ست بدو دودمانِ سلطانی
سکندری ست که ثانی ندارد اندر دهر　　مگر در آئینه بیند سکندرِ ثانی
بروں کشید سر از زیرِ شهپرِ عونش　　همائی معدلت از بیضهٔ مسلمانی
حدیثِ بخشش او با داگر برابر برد　　هزار بار کند ابر تیره بارانی
خدایگانا دورانِ نامدارِ فلک　　نیاورد چه توئی از برائے دورانی
تراست برج فلک اوج طالع تو رسد　　بدیں طلوع زہے آفتاب نورانی
گهِ نشستن ایں برج میرسد که اگر　　براوج چرخ بگردسرش بگردانی
سپهرِ پیرِ عصائے شهاب کرده بدست　　بر آستانت نشیند زبهرِ دربانی
زمیں چو آب بلرزد بگاه جنبش باد　　دراں زماں که عنانِ ظفر بجنبانی
چو ایستی تو بمیدان نه ایستد هرگز　　خدنگ تیز روت هر کجا که بنشانی
گشتی چو تیغ برآری فروشده خورشید　　که باد تا باید ملکتِ سلیمانی
بگیر چین و خطارا به تیغ چوں داری　　هزار بنده چو خاقان و بنده خاقانی
نوای باربدی زد بمجلست خسرو　　نگوشنو دم ایں بلبلِ گلستانی
همیشه تا که دریں گلشن کبود کند　　دو دست از سرِ رعنا هزار دستانی

هزار دسته گل آورده دستِ تو بادا — که دسته دسته بفرقِ جهان برافشانی

نرگسِ جادوگر این افسون دمد بر لاله زار
لاله را بی منتِ عنصر بود نشو و نما

(بحر ہزج مسدس محذوف وزن او مفاعیلن مفاعیلن فعولن)

زہی رویت شگفته لاله زاری — درِ حسن ترا گل پرده داری

رخت را بہتر از مہ می شمارم — وزین بہتر نمی بینم شماری

درختِ صندل آمد قامتِ تو — که می پیچد برو زلفت چو ماری

روان کردی سمندِ کامرانی — نه ترسیدی که بر خیزد غباری

بدنبالت روان شد آبِ چشمم — که ریزد بر سرِ راہت نثاری

چو خود رفتی به تسکینِ دلِ من — خیالِ خویش را بفرست باری

نخواہم یادگارے از تو لیکن — خیالت آنکه بدہی یادگاری

دلم یک چند بود اندر پسِ کار — فراقت بازه پیش آورد کاری

گلے نه شگفته بختم را ز وصلت — ز غم ہر موے بر تن گشت خاری

ز شاخِ بخت چون برگے ندارم — نخواہم از جنابِ شاه یاری

شہنشه نصرتِ دنیا محمد — که نازد چرخ چون او شہریاری

بگاهِ زلزله کوهِ گران سنگ — ز ذاتش عاریت خواہد وقاری

جهان دارا توئی دارا جهان را ۔۔۔ جهان دایم همی گوید که آری

زمین شد مست ز اقبالت که دارد ۔۔۔ نگهبان همچو رایت هوشیاری

سپهر پیر از رای تو هر دم ۔۔۔ گزد انگشت همچون شیرخواری

بگر زد لافِ گوهر با تو دریا ۔۔۔ که ابر از ژاله گردش سنگ باری

چو در باریدن آمد ابرِ دستت ۔۔۔ گهر گیرد گل اندر هر دیاری

ز هر نظمِ خسرو در ثنایت ۔۔۔ کشد هر لحظه درِ شاهواری

حدیث مدح چون پایان ندارد ۔۔۔ به دعوت به که باشد اختصاری

مدارِ دارِ عالم باش در ملک ۔۔۔ بود تا دارِ عالم را مداری

حسود ملک را بر دار می کن ۔۔۔ وزین دارش روان می کن بزاری

هست روحِ ناطق این شعر و ز تاثیرش قلم
گو نگردد آدمی باری شود مردم گیا

(بحر هزج مثمن سالم وزن او مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن)

کسی را کین چنین زلف و بناگوش آنچنان باشد ۔۔۔ اگر در دیدهٔ و دل جای سازد جای آن باشد

بلای گشت حسنت بر زمین همچو تو ماهی ۔۔۔ اگر بر آسمان باشد بلای آسمان باشد

مرا چون هر دمی سالی ست اندر حسرتِ رویت ۔۔۔ درین حسرت اگر صد ساله گردم جای آن باشد

بسی خواهم میانت را بگیرم ولی ترسم ۔۔۔ که تنگ آئی ز من زیرا که چیزی در میان باشد

چو از غم پارہ شد جانم رہا کن گز لبِ لعلت　　بدنداں بر کنم چیزے کہ آں پیوندِ جاں باشد
بوی می فروشم جاں بداں شرطی کہ اندر وے　　اگر جز مہرِ خود بینی ترا جاں رائگاں باشد
مرا ہر بندی از تن بستۂ ہر بند مویت شد　　نہ بندم دل بجائے گر ازیں بندم اماں باشد
دلِ خود را بزلف چوں خودی در بند تا دانی　　کہ حال چوں منی اندر دلِ شب بر چساں باشد
درونم ز آتشِ اندیشہ بند از بند می سوزد　　عفا اللہ چوں کسی کو را تپ اندر استخواں باشد
گزشت افغانِ من از چرخ جائے رفت کز رفعت　　نبا شد آسماں آنجا مگر درگاہِ خاں باشد
سراں را تاجِ سلطانی محمد شاہ بن سلطاں　　کہ تاجِ سلطنت او راست تا ملکِ جہاں باشد
چہ میموں یافت یارب بختِ او از حقۂ گردوں　　کہ ہم ہموارہ بیدارست و ہم دایم جواں باشد
گہر در ریسماں بستہ ست خنگِ او زہے رستہ　　کہ در پیشانی خو گر بزینش ہم مکاں باشد
گلستانِ فلک زیر رکاب آوردہ چوں تارد　　کسے را کاں جناں بادِ صبائی زیرِ راں باشد
ز بہرِ خنگ او کہ می کشد بر آخرِ گردوں　　قمر کش خرمنے ہر شب براہِ کہکشاں باشد
جہانگیرا اگر از بارانِ تیرت خصم بگریزد　　سنانت از پیِ آویزشِ او ناوداں باشد
بہنگامی کہ در خندیدن آید مرگ در ہیجا　　یلاں را از پئے آں خندہ رخ چوں زعفراں باشد
دراں ہنگام پیکانِ تو آمد شعلۂ برقے　　کزاں آتش زنی گر دشمناں را خان و ماں باشد
نشستن جائے خود تیرت بچشمِ دشمنی سازد.　　کہ از سہمِ سعادت طالعِ او را نشاں باشد
ہمائے فتح شد پروردہ در زیرِ پرِ تیرت　　نہ زاغے کآشیانش بر سرِ زاغِ کماں باشد
شود ز آبِ سنانت غرقِ طوفانِ بلا عالم　　بہ نیزہ گر نہ دہ جا بند بر آبِ سناں باشد

بروی تیغ جانِ دشمنانت از پے رفتن
مراغہ می کند چوں خس کہ برآبِ رواں باشد

چو طفلاں مردمِ چشمِ سراں در خاک می غلطد
بسے خاکی کہ ایوانِ ترا بر آستاں باشد

بسے شبہا کہ مہ در آسماں بیدار می دارد
ز بہرِ آں کہ در برجِ جلالت پاسباں باشد

ببازی تنکہ می ریزی میانِ آب ہر روزے
بلے بر پشتِ ماہی تنکہ تو بر تو اناں باشد

حسابِ بخششِ باراں چو در عہدِ تو می ریزد
سزد گر دفترِ گل بستہ اندر ریسماں باشد

اگر مدحِ تو پا بر سایۂ گردوں نہد شاید
ز کلکِ خسروش جائے کہ جوشِ نسوباں باشد

گذشتم از مکانِ مدح و در راہِ دعا پویم
ز من بشنو دعای را کہ رہ در لامکاں باشد

بدار ملک و دولت جاوداں می باش دشمن را
بدار ملک بر می کشش کہ ملکیا و ہماں باشد

شاد باش اے روز نورانی کہ خواہد ایں عروس
کز پسِ سی پردہ بنماید رخش از پسِ صبا

(بحر مجتث مثمن مخبون مخبون محذوف وزن او مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن)

مکش بگردِ رخ از خطِّ دلربا پردہ
کہ کس ز شب نکند آفتاب را پردہ

ز بیمِ آں کہ رسد چشمِ آفتاب بتو
بہ بندد ابر بہر لحظہ در ہوا پردہ

کند بپیشِ خطت پردہ پوشی سبزہ
چو گل بباغ کشد بر سرِ گیا پردہ

گل از رخِ تو بدزدید روئے پنہاں داشت
ولیک پارہ شدش ناگہ از صبا پردہ

جمالِ روئے تو پوشیدہ چوں نخواہد ماند
مپوش پیشِ رخ از پردہ دوتا پردہ

تنت بجامۂ نقش چناں بود کہ کشد　　بروئے بادہ ز جام جہاں نما پردہ

شبے بود کہ چو پیراہنت کشم در بر　　کہ پیرہن بنود درمیانِ ما پردہ

دلم ربودۂ آں بادمی شود ہردم　　کہ می رباید ازاں یارِ دلربا پردہ

دلے چو نیست امید کشادم از رویت　　ز روئے خوبِ تو چوں بادمی کشا پردہ

مرا بدیدہ دروں ہست ہفت پردہ کہ زد　　ہزار پردہ خیالت نہ پردہ تا پردہ

زدی بپردۂ دل نخم غم نہاں چہ کنم　　کہ شد شگافتہ اے ترکِ بیوفا پردہ

فلک کہ پردۂ او آہِ من بسوخت مگر　　بخواہد از درِ فرزند پادشا پردہ

شہِ سپہر سرا پردہ نصرتِ دنیا
کہ بخت پرورش آویخت از ہما پردہ

بگوشۂ کلہش آفتاب می نرسد　　کہ ہست بر سرش از سایۂ خدا پردہ

زبہرِ آنکہ درش را بپردۂ بیند　　سپہر را کند اندیشہ زیر پا پردہ

فلک بلند ازاں شد کہ پردۂ دراو　　گرفتہ ماند فتد گر کند رہا پردہ

زہے برشتۂ حکمت سما نہ گشتہ اسیر　　چناں کاسیرِ طنابست دائما پردہ

ستارگانِ فلک آسمانِ تو پایند　　چو دولتِ تو بصحرا کشد سرا پردہ

کند ز سایۂ چترِ تو چرخ پیوندش　　چو ابر را بدرانند جابجا پردہ

تو سایہ بانِ سرِ عالمی کرا زہرہ　　کہ بر سرِ تو کند سایۂ چتر یا پردہ

درِ گشادۂ تو آفتاب را ماند　　سحاب ابر و گشتہ آشنا پردہ

روا بود اگر آورد پشت بر دیوار | چنین که بر درِ تو یافت متکا پرده
نوای صیتِ تو کاهنگ او بنه پرده است | بساخته فلک از بهر او نوا پرده
نسیمِ خُلقِ تو روزی ُخلق را چون گل | کشاد از پسِ هر پردۂ جدا پرده
شها ز بهرِ خیالاتِ مدحِ تو خسرو | کشاد ز آئینۂ طبع باصفا پرده
اگر قبول کند شه بجلوه آورده است | مشاطۂ فلک آورد بکر با پرده
چو ترک بسته زبان ست و گر خطا گوید | بذیلِ عفو فرو پوش بر خطا پرده
و لیک در سخن او چه عیب بسیار ست | به آن بود که کند پیش او دعا پرده
همیشه تا که بود دولت تو بادا نصب | به بسته بر در پیش از رشتۂ بقا پرده

هست در چشم خرد کحل الجواہر این سواد
بو العجب کحلی که شد چندین فلک را توتیا

(بحر مضارع مثمن محذوف وزن او مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن)

ای من شبے پلک نزده بے تو بر پلک | بر جای خواب مانده مرا خار در پلک
هر چشم بندئی که تو انست کرد خواب | کرد و نگشت بسته مرا یک دگر پلک
چشمم ز خواب چونکه نشد بسته بعد ازین | گردد مگر که بسته ز خونِ جگر پلک
خالی ز آب نیست چو یک چشم زین دو چشم | از شام کس چگونه زند تا سحر پلک
تا در خیال زلف تو پیچید چشم من | دُر بافته است موئے تو با موئے هر پلک

چشمت چو تیرِ غمزه گشاید رضا دهم		سازد گر از سیاهیِ چشمم سپر پلک
جانا بچشمِ من نه مژه هست این که تیرِ تست		در دیده غرق شسته[1] سرش مانده بر پلک
آخر پلک نه سرمه چرا می کنی سیاه		اے چشمِ بد ندیده ازاں خوب تر پلک
در آرزوئے سرمه کند مر ترا بکن		جاروبِ آستانِ شهِ نامور پلک

قاآنِ پلک دیدهٔ دولت که می نهند
از دیده بر ستانهٔ او بحر و بر پلک

از آستانِ او نتواں برگرفت چشم		گر زیرِ پائے خلق شود بے سپر پلک
در آرزوی خدمتِ آں در نباشدش		از سرمهٔ سیاه نه بیند مگر پلک
شاها چو بر سمندِ سبک وش شوی سوار		بر دیده بگذری که نیاید خبر پلک
بیروں فتد ز پرده نظر بهرِ دیدنت		بندد اگرچه پرده به پیشِ نظر پلک
گر دیده بر رکابِ تو مالم شگفت نیست		چوں چشمِ نرگس ار شود هم پر ز زر پلک
بهرِ فسادِ خنگِ تو در چشمها مژه		تابد ز موئے رشته کند بر دبر پلک
روزے که از مهابتِ پیکانِ دیده دوز		کرده ز ناوکِ مژهٔ خود حذر پلک
بدخواه را ز موئے شگافانِ لشکرت		پُر تیر گشت چوں سپرِ تیر گر پلک
از تیرِ تو اگر بپرد دیدهٔ عدو		شاید ازاں که می شودش پُر ز تیر پلک
موئے شود ستاده بر اندامِ دشمنت		از هیبتِ تو چوں مژه بالائے هر پلک

---

[1] شسته مخفف نشسته ۱۲

ای عدل پروری که ز عدلِ تو بعد ازین — در پای پیشِ باده نهد شیرِ نر پلک
جائے که ابر دستِ تو گردد گهر فشاں — چشمِ سحاب را شود از گریه تر پلک
بخشی جہاں بیک زدنِ چشم و آں زماں — ہیچت بہ پیشِ چشم نیاید مگر پلک
خسرو چو مدحِ تو بنویسد روا بود — از صفحهٔ دو دیده ورق سازد از پلک
تا پیشِ روئے مردمکِ دیده روز و شب — گه پرده دار باشد گه پرده در پلک
بنشیں بچشم خانهٔ شاهانِ روزگار — تا پرده داریِ تو کند پیشِ در پلک
پائے تو باد بر زبرِ چشمِ چرخ زیر — تا دیده زیر باشد و اندر زبر پلک

دودهٔ ایں شمع نور افزائے چشمش بس بود
از کسوف ار فی المثل خورشید گردد چوں سها

(بحر متقارب مثمن سالم وزن او فعولن فعولن فعولن فعولن)

گر از خطِ تو سبزه صحرا بگیرد — سرش سبزه بادا گو تا بگیرد
نهانی مریزا ای پسر خونِ عاشق — که روزے ترا آشکارا بگیرد
لبت خورد خونم گرش من نگیرم — ہماں ہر دو لب یک دگر را بگیرد
دو زلفت و عقدست راس و ذنب را — که خورشید را بی محابا بگیرد
ازاں عقد خورشید یابد رہائی — اگر خدمتِ شاہِ والا بگیرد
الغ قاں ملک نصرتِ دین و دنیا — که اقبالِ او دین و دنیا بگیرد

زہے پہنائے تیغ و درازیِ نیزہ
جہاں را درازی و پہنا بگیرد

بدولت گہی گرچہ تنہا نباشد
ولیکن جہاں جملہ تنہا بگیرد

زہے آسمان قدر شاہی کہ تیغت
چو خورشید شرقا و غربا بگیرد

سخن گوید ار پیش دست تو دریا
رواں آب لبہائے دریا بگیرد

دم مدحتت چوں زند بندہ خسرو
جہاں جملہ بادِ مسیحا بگیرد

ہمی تا مہ و آفتاب منور
کہ ازکہ بریں چرخ مینا بگیرد

رخِ ہیچو ماہت مبادا گرفتہ
چناں آفتابی مبادا بگیرد

خامۂ اہلِ سخن ہنگامِ نقشِ ایں حروف
بر سرِ ایں حرف اگر سجدہ کند باشد روا

(بحر رمل مثمن محذوف وزن او فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن)

شہریارے کاخترش تا ماہِ تاباں می رسد
ماہ تاباں از پئ خدمت شتاباں می رسد

شاہ چرخ ایوانِ کیواں منزلت کز ارتفاع
گر سرِ ایواں رساند تا بکیواں می رسد

نصرتِ دنیا محمد گو ہرِ افراسیاب
آنکہ او را دورِ دارائی ز دوراں می رسد

شخص دولت را رسید از عنصرِ اقبالِ او
از عناصر ہرچہ در ترکیب حیواں می رسد

شد ہمہ تن چشم سعدینِ فلک از انتظار
تا ز غیب از بہرِ اقبالش چہ فرماں می رسد

کی بر دو تختِ سلیمانی زبادِ دولتش
من بریں خاتم گرش خوانم سلیماں می رسد

اے سکندر موکبی کز ملکت ار گویم سخن ‌‌ ‌ ‌ ‌ از قبای تست اگر چینی بخاقاں می رسد

چوں بصحرائے ظفر جولاں زند گلگونِ تو ‌ ‌ ‌ گوئی خود بادِ صبا سوی گلستاں می رسد

زاں ثریّا دامنِ افلاک در دنداں گرفت ‌ ‌ ‌ کز پی سم بوس تو دامن بدنداں می رسد

مہر و مہ در شیوہائے گوی تو غلطیدہ اند ‌ ‌ ‌ آنکہ از نہ چرخ شاں چوگاں بمیداں می رسد

گرد ریں سالے مغل با پر بوم و روے شوم ‌ ‌ ‌ صف کشیدہ چوں کلنگاں از خراساں می رسد

لیک وقتِ گریز از تیغ کشور گیر شاہ ‌ ‌ ‌ زیرہ زیرہ می شود آنکہ بکرماں می رسد

دشمنان جاں را بچندیں آرزو تیری کنند ‌ ‌ ‌ ہر کجا از تیر ترکانِ تو باراں می رسد

گوئیا وامیست کو بر دشمنت خواہد گزارد ‌ ‌ ‌ تیغ را ہر زخم کاں از تیغ سنداں می رسد

چوں کند دشمن حکایت از زبانِ تیغ تو ‌ ‌ ‌ باشدش در جاں سخن کاندر لبش جاں می رسد

خاکِ ملتاں ہر زماں پر آب دیگر می شود ‌ ‌ ‌ چوں سپاہی ہیچو دریائے بملتاں می رسد

آفتاب از بہرِ جودت زر مہیّا می کند ‌ ‌ ‌ کر دکاں از بہرِ این در حجرۂ کاں می رسد

وہم کو بالا تر از نہ چرخ نتواند رسید ‌ ‌ ‌ گر کند ہمراہی صیت تو آساں می رسد

کلک خسرو کش ار[1] سیر خوش اندر سرست ‌ ‌ ‌ چوں صبا در باغ مدحت عنبر افشاں می رسد

شعر او چوں با دعاے دولت ہمراہ شد ‌ ‌ ‌ از بلندی بر فرازِ ہفت ایواں می رسد

عمر بی پایانت بادا تا سرانِ ملک را ‌ ‌ ‌ زیر پای قدر تو عمرے بپایاں می رسد

خانۂ سحر ہر بیتے از یں دان و ببیں

زیں عجائبہا کہ ممکن نیست اندر سیمیا

---

[1] شاید کہ بجائے "ار" "خیال" باشد ۱۲

(بحر مجتث مثمن مخبون مخبون محذوف وزن او مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن)

چه بخت روشن من سر بر آسمان آورد — مرا بحضرت شهزاده جهان آورد
خدایگان سلاطین عصر نصرت دین — که بخت بر در او سر بر آستان آورد
بلند مرتبه محمود شاه بن سلطان — که عزم او کرهٔ چرخ زیر ران آورد
عنان باد بیکبارگی برفت از دست — از آن کمیت که با باد همعنان آورد
برای ضبط جهان آفتاب تیغت را — قضا زمادر ایام توامان آورد
حدیث چشمهٔ خورشید بر فلک می رفت — فلک حکایت آن تیغ در میان آورد
عدو که از سر کین تیغ می کشد او را — گرفته ریش اجل بر در کشان آورد
جهان کشا یا در رزم بند نیزه تست — که نیزه بالا خون بر سر سنان آورد
زبان شمع چرا سوخت گو ببستاخی — حدیث آتش تیغ تو در زبان آورد
برای روشنی دودمان دولت را — ترا خدای جهان شمع دودمان آورد
نخفت هیچ شبی چشم بخت از بن شادی — که آسمانش بقصر تو پاسبان آورد
نسیم بزم تو چون بزم بوستان بگرفت — به پرده داری گل را ببوستان آورد
به تیغ سایهٔ گل را همی برد سوسن — که او بمجلس تو یاد گلستان آورد
حدیث جود تو یاران بگوش ماهی گفت — صدف ز گفت تو آتش آب در دهان آورد
ز ابر تا صفت دست تو نویسد باد — بروی آب خط روشنی روان آورد
بیاد دست تو دیمه رود لب بیایه خویش — سحاب اگر چه که بر کوه سایبان آورد

دعا نگفت بگردولتِ ترا خورشید — بوقت صبح کہ رو اندر آسماں آورد
بیادِ بزم تو دل غنچہ گشت نرگس را — زبا دلرزہ چو در شخص ناتواں آورد
ہر آں گہر کہ ز مدح تو در زبانِ قلم — در آمدہ ست کجا در قلم تواں آورد
خدایگانا ایں روزگار بے حاصل — زمانہ حاصلِ من رنج بیکراں آورد
بروی من سگی کرد بہرناں گردوں — کہ سگ نخورد اگرش[1] بروی ناں آورد
چو بخت دید کہ دستم کسے نمی گیرد — گرفت دستِ من و بر خدایگاں آورد
کنوں دعاے ترا ورد خود کنم کز غیب — ملائک از پیٔ تعویذ انس و جاں آورد
ہمیشہ تا کہ گہر را جہاں بخدمتِ تو — بخواست رشتہ بگردون و ہرکاں آورد
ببزم شین[2] و گہر بخش خلق را چنداں — کہ جوہری نتواند بریسماں آورد

اندریں شعر ست در ہر بیت دو معنی چنانکہ
دریکی خانہ ست گوئی میہماں دو بادشا

(بحر متقارب مثمن سالم وزن او فعولن فعولن فعولن فعولن)

زہے ملک خوش چوں دو سلطاں یکی شد — زہے عہدِ خوش چوں دو پیماں یکے شد
پسر پادشاہ و پدر نیز سلطاں — کنوں ملک بیں چوں دو سلطاں یکے شد
دو چتر از دو سو سر برآورد و از در — زمیں زاں دو ابر درافشاں یکے شد
یکے ناصرِ عہد و محمود سلطاں — کہ فرمانش در چار امکاں یکے شد

[1] باشد کہ "صد" باشد ۱۲ [2] مخفف نشین ۱۲

زبہر جہان داری و پادشاہی — جہاں را دو شاہ جہانباں یکے شد
دگر شہ معزّ جہاں کیقباد آں — کہ در ضبطش ایران و توران یکے شد
بدیں قصّہ بشنو کہ یعقوب و یوسف — دریں ملک بے رنجِ اخواں یکے شد
بدیو و پری گوی اے باد اینک — دو وارث بملکِ سلیماں یکے شد
کنوں روی در چیں نیارند ترکاں — بہندوستاں چوں دو خاقاں یکے شد
بروں شد دوئی از سرِ ترک و ہندو — کہ ہندوستاں با خراساں یکے شد
یکے شد دو فرماں دہ ہفت کشور — بہر ہفت کشور دو فرماں یکے شد
عدو کے زید گرچہ صد جانش باشد — چو اندر دو تن ملک را جاں یکے شد
دو عالم یکے گشت از نورِ دولت — چو نورِ دو خورشید تاباں یکے شد
کنوں گشت سنجیدہ کارِ ممالک — کہ در ہیزشاں را دو میزاں یکے شد
دو روئیِ تیغ از میاں رفت بیروں — ازاں رو کہ دو تیغِ برّاں یکے شد
بصد میہمانی صلا داد عالم — چو بر خوانِ شاہی دو مہماں یکے شد
فلک تا دو مہ نیست محتاجِ انجم — چو یک شب دو ماہِ درافشاں یکے شد
بآبِ دگر بینی آفاق ہر دم — چو از ابرِ رحمت دو باراں یکے شد
براتِ سعادت نویس اے عطارد — بر اہلِ زمیں چوں دو دیواں یکے شد
بشاخِ ثنا بلبلے گشت خسرو — چو در باغِ ملک ایں دو بستاں یکے شد
بقا بادشاں دیر و خود بہر ہر یک — جہاں را دو امرِ فراواں یکے شد

بادِ شبگیری بہ بستاں برد بوی این سواد
گل گریباں چاک کرد و غنچہ پیراہن قبا

(بحر رمل مثمن محذوف وزن او فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات)

وقت آں آمد کہ بر بالای گردوں بر شود — ابر نیسانی گر آواز بلبل تر شود

از زر افشانِ گل و نرگس ہمہ روئے زمیں — شد چنانکہ ار خاک را دشت گیری زر شود

صبحدم مرغاں ببانگ آیند و از باد نسیم — خاک زیر پرّ مرغاں بیضۂ عنبر شود

گہ قبا را چست بند و گہ کلہ را کژ نہد — غنچہ را آں دم کہ بر خود خواب اندر سر شود

آب را بادِ صبا زنجیر در گردن کند — دست بید انجیر را چوں بید با خنجر شود

ہر زماں دریا و نیلوفر سپر بر روئے آب — بفگند تا از حبابش قبۂ اسپر شود

آب را بینی کہ از تندی چہ گنبدہا کند — چوں ز باراں آبلہ در پائے نیلوفر شود

نوبہار از لالہ بلبل را بطشتِ خوں نشاند — تا چرا عاشق بروئے لالۂ احمر شود

بر زمینِ گندنا گوں قطرہا افتد ز ابر — سالکے وارید تر در گوشِ سیمبر شود

زلفِ سنبل دام چشم نرگس افسوں خواں شد است — تا مگر بلبل بداں افسوں بدام اندر شود

سرو و سوسن بہ ابنفشہ زاں تواضع میکند — تا مگر در خدمتِ آزادگاں در خور شود

ابر در سیارہ افشانی قیامت می کند — زیں قیامت را ضمیم گر تا کہ این محشر شود

کار دورا لکوں شود گرداں و در ہر مجلسے — ساقیاں را دستِ مطلق بر می و ساغر شود

---

۹ بر وزن بے لنگر سفرتے ایست میان پودینہ و نعناع ۱۲ نسخہ گر بود

باغ می گوید که من در وجه ساقی می نهم — هر زر و سیمی که گل را جمع در دفتر شود
غنچهٔ نوخیز می خواهد ز بستان بر کند — تا بسوی مجلس شهزادهٔ کشور شود
شه نصیر دولت و دین کز نسیم دولتش — بارهٔ زرّین شاهان را بلند افسر شود
رای او ار یک نظر در خانهٔ چرخ افگند — ماه را بینی که اندر خانهٔ دیگر شود
آفتاب از بهر خدمت هر زمان در قصر او — گه ز راه روزن و گاهی ز راه در شود
پیش نعل خنگ او ار اندر آید ماه نو — خنگ زرّین نعل و چون زر زر و زیور شود
ابر را ماند که هرگز پای ننهد بر زمین — برق را گیرد که در جستن بگردون بر شود
دست او شمشیر را در رنگ جنگ خان زند — چون بعزم رزم سوی لشکر آن خان در شود
گر ببیند ایشان ز لشکرهای چون مور و ملخ — باک نبود مور را در وقت مردن پر شود
خسروا آبی نماند چشمهٔ خورشید را — تاب شمشیر تو گر بر گنبد اخضر شود
گر بدشمن سوختن تیغ تو تیر ریزد بدهر — عیب نبود کائنه روشن ز خاکستر شود
آسمان با گردن خصمت رسن بازی کند — از سپهر چنبری چون پشت او چنبر شود
خون دشمن ریختن خود کمترین بازی بود — چون اجل با نوک پیکان تو بازیگر شود
نافه را سودای مشک از سر همه بیرون رود — گر نسیم خلق تو بر نافه اذفر شود
هستی آن دریا که کشتیهای زر بخشی ازان — کشتئی کز بار گوهر در برش لنگر شود
زان نهد ملاح کشتی را ز دریا تخته بند — کو همی دیوانهٔ آن دست پر گوهر شود
ای که در مدح تو چون کلکم شکر ریزی کند — دست وهم و دامن اندیشه پر شکّر شود

بندۂ خسرو را بپرور کو جہانِ انس ہست — تا ازیں پس نامِ تو شاہِ جہاں پرور شود
تا بہار از سبزۂ تر توتیا سازد بباغ — تا غباری از خزاں در دیدۂ نہبر شود
چشمِ اقبالِ تو روشن باد از روی قدر — خاکِ پایت توتیای چشمِ ہر اختر شود

بلبل اندر گلشنی کیں نغمۂ شیریں زند
مست را دل گیرد آخر زیں شرابِ پُر ضیا

(بحرِ ہزج مثمن سالم وزن او مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن)

ضیا امروز پیغامِ گل آور دست سوی من — کہ یادت میدہم وقتِ شراب و موسمِ گلشن
چو آمد در حمل خورشید بیروں کش بدستِ خود — صراحی را کہ در جوش ست خونِ فاسد اندر تن
چمن چوں خار سوزن زد بروے اطلسِ لالہ — فرو نگذاشت از آرایشِ گل یکسرِ سوزن
منم امروز و صحنِ باغ و بازی کردنے با گل — کہ بلبل از چہ گویا گشت و سوسن از چہ شد الکن
بگوئے غنچہ کاندر مہد چوں طفلاں شدی بستہ — کہ آخر یوسفِ گل را چرا شد پارہ پیراہن
بنفشہ کاندریں وقتے چرا ازرق کند جامہ — مرا بارے نشد معلوم کاں شیوہ ست یا شیون
ایا بادِ صبا گر تو غبارے داری از بستاں — تو دانی تند شو بر گل ولے از شاخ بر مشکن
سحرگہ خندہ کردہ گل بروے سروِ آزادہ — بیارائے باد آں گل را و اندر پای سرو افگن
ہنگامی کہ بلبل بانگ دزدی می کند شبہا — بہ از غمازیِ نرگس بود خاموشیِ سوسن
سمن ہر روز در باراں چرا تر می کند جامہ — مگر ترسد کہ آتش گیردش از لالہ در دامن

نداند قدر مروارید گل بلبل که مرغان را | به از صد دانهٔ گوهر بود یک دانهٔ ارزن
نگارا بر نوروزی زد اندر بوستان کلّه | اگر رای طرب داری چو گل خیمه بصحرا زن
اگر امروز در بستان بگردن بست خواهی گل | ببین تا چند خونِ تازه خواهی کرد در گردن
دلیلِ عیش شد کاندر قدح گل می کند باده | مگر افتاد عکسِ روی تو در بادهٔ روشن
همی خواهد حریرِ سبز خود گلگون کند سبزه | فرو ریزد از قدح جرعه بر ویان از زمین روین[۱]
زر افشان کردنِ بهمن چه دیدی در زمان وقتے | زر افشان کردن اکنون بین ز دستِ ثانیِ بهمن
شهنشه اختیار الدین محمد شاه کشلیخان | گذشت از زادنِ همتای او هفت اختر استرون[۲]
چو جوشن پوشد اندر معرکه صد صورتِ نصرت | پدید آید بجای عکس در هر غنچهٔ جوشن
بجنگ ار بیندش رستم بلرزد همچو تیغِ خود | ز سر تا پای گردد آب و افتد در چه بیژن
خود اندر عهد او رستم نریزد خون اگر گویی | چرا خونی همی ریزی در آن عذر آورد چون زن
سدا بی خنجرش تهدید نسلِ فتنه بر نوعی | که تا محشر نخواهد شد جهان از فتنه آبستن
چگونه آبِ پیکانش بخونِ دشمن آویزد | چگونه سازوار آید مزاجِ آب با روغن
نه بیند روزنِ بدخواه روی آفتاب الّا | بروزی کآفتاب تیغ او بشکستش کند روزن
فلک بزما چو در مجلس نشینی شاد در دولت | شراب ارغوانی در کشی با نغمتِ ارغن
عطارد شعر خوانت باید و زهره غزل گویت | که چو زاد و رکمی بنیم و پروین به پیرامن

۱ه نام چوبی که از و رنگ سرخ حاصل شود بهندی مجیٹه گویند ۱۲

۲ه زنِ عقیمه ۱۲

مگر خورشید در عهد تو لاف زرفشانی زد — که رنگ آورد لعل و آب و آتش در درون معدن

صدف هر روز دلتنگ ست بهر گوهر خود را — که بنگر تا کجا غلطد ز دست شه یتیم من

گهر کاندر پناه تیغ رفت از غایت جودت — نگردد ایمن از تیغت بسازد خانه از آهن

بدشمن هم رسید احسان تو کز تیغ گوهر کش — گهر در میکشی در مهرهای گردن دشمن

عدو ظن می برد کز زخم تیغت جان برد لیکن — دو بروش از تو ممکن کی شود یا جان برد یا تن

درخت تند شد بدخواه و باد تند شد اسپت — تو باد تند را ران و از آن بیخ و بنش بر کن

اگر بر آخر خاص تو که از کهکشان بنود — عطارد بر کشد کیوان بگوید ماه را خرمن

عدو بگداخت چون آب و بهاون کوفتش گردون — چو می ناید از و کاری چه کوبد آب در هاون

حسن خلقا بمدح خویش حسن نظم خسرو بین — بتحسینی بجنبان سر اگر گفت ست مستحسن

ترا اقبال خواهد داد دولت باز تا دایم — نخواهد از کسی یاری اگر از ایزد ذوالمن

گر نظر مایم سواد این ورق بر جبین را
از مبارک باد گویند انجمن صد مرحبا

(بحر هزج مثمن سالم وزن او مفاعیلن ۴ بار)

مبارک باد در دولت رسیدن شاه گیهان را — پناه لشکر اسلام پشت دین یزدان را

شهنشه اختیار الدین چراغ چشم کشلیخان — که روشن کرد عکس جبهتش درگاه سلطان را

عدو شیطان ست در فعل و دو شاخی یاسج[1] تیرش — همای لای لاحول ست بهر دفع شیطان را

---

[1] یاسج بفتح سین مهمله جیم عربی تیر پرکان دار ۱۲

گر از خونِ عدو بی آب گردد نوکِ پیکانش / کند هم خونِ شیطان آب بدهد نوکِ پیکان را
مبین دندانِ گوسالست پیکانش تو این بنگر / که از پستانِ گوساله کشد شیرِ نیستان را
شها از حکمِ تو گردونِ گردان را نگردد سر / بگردد لیک از حکمِ تو سر گردونِ گردان را
نمی بوسد لبِ اقبال جز پای مبارک را / نمی زیبد نگینِ ملک جز دستِ سلیمان را
ز بهرِ آنکه لافِ پُر دلی زد پیشِ تو دریا / گهر در سینهٔ دریا فرو بُرد دستِ دندان را
بر آبِ تیغ گر بهرِ عدو طوفانِ محنت شد / تو بستی بند اگر چه کس نبندد بندِ طوفان را
جهان را آفتابِ فتنه بستد سایه می باید / برون کش از میانِ بندِ برگِ بید لرزان را
خراسان گیر شد صیتِ حسامِ هندیت آری / بهندستان کشیدی تیغ و بگرفتی خراسان را
عدو بندا جهان بنده است احسانِ ترا خسرو / که دایم بود خود بنده شود کنجینهٔ احسان را
گرش یک چند بیرون کرد حرمان از درت شاید / درونِ آن در آمد باز بیرون کرد حرمان را
نگوید جز دعای تو که ابری و جهان بی بر / چو کشت از ابر دامان دعا فرض ست باران را
دُر افشان باش تا خورشیدِ گردون زر فشان باشد / بپوش از ابرِ دستِ خویش خورشیدِ زرافشان را

اندرین نقشِ سیاهی چون در آید کلکِ من
خضر گوئی می کند در آبِ حیوان آشنا

(بحر مجتث مثمن مخبون محذوف وزن او مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن)

بیا که وقتِ میِ لعلِ دل نواز آمد / بناز بر همه خوبان که وقتِ ناز آمد

پیاله برکفِ من نه لبالب از میِ لعل
پیاله‌ای که چو لعلِ تو دل‌نواز آمد

کرشمه‌ای که کند نرگسِ تو گزارش
که آن شگافتنِ پرده‌های راز آمد

ز غمزهٔ تو گرفته ست رسمِ پرده‌دری
چنین که نرگسِ بی‌شرم دیده باز آمد

تو شمعِ مجلس و لعلِ لبِ تو آتشِ شمع
به آتشِ تو ز دندانِ بنده گاز آمد

قبول کن کنم ار سجده به پیشِ رخت
که طاقِ ابروی تو قبلهٔ نماز آمد

بچنگِ زلفِ تو زان صید گشت مرغِ دلم
که حلقهٔ سرِ زلفت چو چنگِ باز آمد

کنون بسایهٔ زلفت چه التفات کنم
که بر سرم علمِ شاه سرفراز آمد

امید زیستنم از غمت نبود ولیک
ز بازگشتنِ شه عمرِ رفته باز آمد

مدارِ ثابتهٔ چرخ قطبِ دولت و دین
که قطب آمدنِ او در اهتزاز آمد

سپهر مرتبه محمود شاه کتلیخان
که بخت بر درِ او بنده چون ایاز آمد

نشانهٔ نظر و سایبانِ دولت و بخت
که فتح بر علمِ نصرتش طراز آمد

ز بستنِ کمرش آفتاب در جوزاست
که روزِ دولتِ او زآن سبب دراز آمد

ایا شهی که ز بهرِ عروسِ دولت را
ز موجِ دستِ چو دریای تو جهاز آمد

بگاهِ گشت صبا بوسه داد پای ترا
جهان کمیتِ گرازنده[2] چون گراز[3] آمد

مخالفِ تو که با دار می کند بازی
به پیشِ قبهٔ قدرِ تو داره باز[1] آمد

فتاد سایهٔ تیغت بر آفتابِ فلک
فلک ز سایهٔ خود هم در احتراز آمد

---

[1] دار باز بمعنی نٹ ۱۲ [2] بناز خرامنده ۱۲ [3] خوک نر ۱۲

عدو چو بسته شد از آبِ چشمِ خویش چو یخ — ز تفِ آتشِ تیغِ تو در گداز آمد
خدنگِ تیرِ تو پهلوی خصم را بشکست — چو چنگِ شیر که بر گردنِ گراز آمد
عدو که با تو همی کوفت آب در هاون — بعاقبت سرش از چرخ در جواز آمد [illegible]
خدایگانا من بنده را دریں ایّام — سخن بمدحِ تو آمد اگر فراز آمد
منِ غریب سخن را است التجا بدرت — که آستانِ رفیعت غریب ساز آمد
اگر دعائے تو گویم سزد که بر همه خلق — دعائے دولتِ تو فرض چوں نماز آمد
همیشه تا بود آں قصر بر کشیده بلند — که دور او ز گل و خشت بی نیاز آمد
بلند باد ترا قصر و دشمنت در گل — چو خشتِ پخته که در زیرِ دستِ راز آمد

سوختم چنداں چراغ از سوزِ دل تا صبحِ حشر
خود بمیرد از دمِ صور ایں چراغِ دیر پا

(بحر مجتث مثمن مخبون مقصور وزن او مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلات)

شبِ برات که بر بام بر دیار چراغ — ز نور گشت بهر جانب آشکار چراغ
مگر ز تابِ رخش پرتوے بشهر افتاد — که شد پدید ز هر خانه صد هزار چراغ
مگر ازاں صنمِ شمع وش زبانی یافت — که کرد سوختن و مردن اختیار چراغ
نشانِ سوختگی در سرا چناں دارد — که می بسوزد بر خویش زار زار چراغ
زباں کشید که من از ستاره چه کم — که شد ز تریِ روغن ستاره بار چراغ

برای آنکه ز آتش کند زمین گلشن ‏— بمنجنیق نشیند خلیل وار چراغ

ز بهر بازیِ یکرانِ نعش را جوزا ‏— ببام چرخ بیفروخت بر قطار چراغ

مگر که نورِ مه امشب تمام قسمت شد ‏— که شد شمرده در آفاق بیشمار چراغ

ز وجه روشنیِ نجم نجم قسمت برد ‏— چو شد بقسمتِ آن شب برات وار چراغ

چراغ رو یاد دهای سر دمن بنگر ‏— ز بادِ تند نگهدار زینهار چراغ

بخانهٔ تو چه حاجت چراغ چون بهشت ‏— بمیر دار چه بسوزی هزار بار چراغ

ز آتشِ دلِ من صد چراغ بتوان سوخت ‏— ور است وار نمی آیدت بیار چراغ

دلم بزلفِ تو همچون چراغ می سوزد ‏— نسوزد ار چه که هرگز به پیش یار چراغ

غلط فتد بشبِ تارِ زلفِ تو خورشید ‏— اگر نباشدش از رای شهریار چراغ

چراغ و چشمِ جهان اختیارِ دولت و دین ‏— که یافته است ز چشمِ روزگار چراغ

جهان روشنِ دولت علی بن ایبک ‏— که هست روشن از نور کردگار چراغ

بخانه که ز رایش حکایتی گویند ‏— نمازِ شام چه حاجت دران تو ار چراغ

سپهر منزلتا هست پاسبانت قمر ‏— که بر فروزد هر شب بنه حصار چراغ

چراغ باشد عمازِ دزد و طرفه که ماه ‏— ز طاقِ قصرِ تو دزدد بآشکار چراغ

چگونه راه رود ماه در شبِ تاریک ‏— تو گر نسوزی ازان قصرِ نامدار چراغ

چگونه نور دهد باز نار خصم ترا ‏— مگر که دود برآرد ز نور نار چراغ

نه از بریدنِ سر دشمنِ تو دارد باک　　　نه از بریدنِ بینی شود فگار چراغ

جهان ز رزمِ تو چون تیره گردد آتش تیز　　　ز مغزِ خصمِ تو سوزد بهر دیاره چراغ

ز بهر سوختن و سرزدن به پیشِ تو خصم　　　کند ز آب و گِلِ خویشتن خاکسار چراغ

فرس نگر چو به پشتِ چراغ پایه کند　　　چراغ پایه که بروی شود سوار چراغ

شراره که ز نعلِ جنیبتِ تو جهد　　　ظفر بخانه بسوزد از آن شرار چراغ

چراغ را نکشد در زمانِ عدلِ تو باد　　　تو خواه هر نفسی باد را سپار چراغ

سپهر کور چه داند که نورِ رای تو چیست　　　چو نامده است گهی کور را بکار چراغ

عجب نباشد اگر هر شبی بهر خانه　　　ز بخششِ گلِ زرّین کند نثار چراغ

قلم بمدحِ تو دودِ چراغ چندان خورد　　　که گشت سوخته زین کاک دود خوار چراغ

کسی که روغنش از بی زری نداشت کنون　　　ز دولتِ تو برافروخت روزگار چراغ

من این سخن چه کشم پیشِ رایِ روشنِ تو　　　بآفتاب که وا دست یادگار چراغ

چو شب بجای تو پیشِ چراغ برخوانم　　　ز ماهتاب نخواهم بمستعار چراغ

همیشه تا که بود در چراغِ چرخ قرار　　　بقصرِ روشنِ تو باد برقرار چراغ

کی کند انگشت بر حلوای عید آخر دراز
چاشنی گیر ار برین حلوا شود انگشت ما

(بحر رمل مثمن مخبون مقصور　وزن او　فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات)

خاتمِ ماهِ نو عید شد انگشت نمای　　　مهرِ روزه ز نگینِ لبِ ما باز گشای

بین شهاب فلک و نیزه دوانیدن او
که شد اندر شب تار از رمه نو حلقه ربای

مرده بر لهو بجنبید همی رگ بر چنگ
زنده شد عیش و در آمد نفسی در تن نای

ساقیا روزهٔ ما شب بمیان کرد و برفت
روزها شد ز میان رفته آخر باز آی

شیر دندانی و خرما لب و روز عید است
شیر و خرما قدحی زود بده دیر مپای

جامه در عید مفرمای که تر کن بگلاب
جام می در ده و تر کردن جانم فرمای

عکس خود بین همی و عکس می اندر رخ خود
روی در آئینه و آئینه در روی نمای

تو نداری دهن و لب که همی بینم چیست
می ز وصلت شده در صفوت تو عکس نمای

شهسوارا بوغا گرد بروی ران و بکوش
که به پیمانهٔ سم جمله جهان می پیمای

زان کند باده سر از روزن قرابه برون
که بنظارهٔ مستان بودش هر دم رای

جرعه دانی که چرا ره بزمین می آرد
خاک می بوسد پیش ملک بزم آرای

اسد دین و دول خانهٔ خورشید شرف
کاسمانیست نه فر قد فرقد فرسای

ارسلان آنکه چو بندد بکمر ترکش کین
چرخ گوید که زهی شیر گرستاسی همای

بس که شمشیر تو شیران ژیان را پی کرد
پیش شمشیر تو شد شیر ژیان کوته پای

تیغ تو قطرهٔ آبیست که از ابر کفت
بر سر هر که فتد و سرد شود هم بر جای

از دل پاک تو صد نکته بیک رای زدن
نزند در همه عالم کس ازین بهتر رای

زان نهان باشد و کس را ننماید سایه
که همایون علمت سایه بدزدید همای

گاه بزم تو باموات رسد بوی بهشت
از نسیمی که شود جرعهٔ تو غالیه سای

خواہد از دستِ تو بیرونِ جہاں بگریزد | بحر را گر ز حباب آبلہ نبود در پای
سرورا خسروِ نطقم سخنم بشنو ازانکہ | تو خداوندی و من بندہ خداوند ستای
صد خیالم نہ یکے روئے نماید چو ثنات | شود از آئینۂ خاطرِ من زنگ زدای
بدعا خواہشم اینست کہ بیخواہست جہاں | گر خدا خواہد چیزے کہ بخواہی ز خدای

بر بیاضِ کاغذیں شکر فشانی را ببیں
راست گوئی کانگبیں با شیر گشتست آشنا

(بحرِ رمل مسدس مقصور وزن او فاعلاتن فاعلاتن فاعلات)

لالہ رویت را چہ خواند یاسمیں | بادہ لعلت را چہ گوید انگبیں
در دہانِ تنگِ تو گفتارِ نرم | گوئیا موم ست در انگشتریں
گر شنیدے خندۂ دندانِ تو | آمدے دندانِ پرویں بر زمیں
مہ بسے خواہد کہ باشد چوں رخت | او چہ خواہد دیگر ار باشد چنیں
در بناگوشِ ترت زلفِ سیاہ | سایۂ طوبیٰ ست بر ماءِ معیں
باد صندل سای شد بر سنگ کوہ | زاں قرنفل بوی زلفِ عنبریں
تا دہانِ غنچہ را وا می دہد | باد شد بر خاک راہش بوسہ چیں
عارضِ گلگوں بہ نرگس وا نمائے | تا نہ بیند بیش روئے یاسمیں
دور کن آئنہ را از پیشِ روی | رشک می آید مرا در خود مبیں

بر سرم بر می دوی هر دم چنان که   بر سرِ شاهانِ عالم تاجِ دین
آن محامد را محمّد کامده است   عدل را نوشیروانِ راستین
موئے را ماند سراسر عدلِ او   داند آنکس کو بود باریک بین
قاضیِ گردون گواهِ عدلِ اوست   خود گواهِ عدل بس باشد همین
بشگفد اقبال را هر دم گلے   چون کشد بادِ صبا را زیرِ زین
از سنانِ نیزهٔ او در مصاف   نیزه بالا خون رود در روزِ کین
شد چرا بر جامِ جودش جرعه ریز   در صدف غلطان شده درِّ ثمین
خُلقِ او گر ناز کردی بر صبا   گل کجا در باغ بودی نازنین
اے فلک قدری که بر خاکِ درت   ماه را جبهه است و جوزا را جبین
خیز با دولت نشین کاقبال را   از تو نیکوتر نخیزد همنشین
از نوالِ تست دریا را یسار   اے ترا در بزم دریا در یمین
آستینت زر بدامن می دهد   دامنت پُر دست و دست از آستین
سر همی گردد گلِ بزمِ ترا   بادِ مشک آلودهٔ خلدِ برین
گوش مالد بربطِ ناهید را   مطربِ بزمت بآوازِ حزین
در زبانِ بنده خسرو کن نظر   کو سخن میگوید از سحرِ مبین
کلکِ او سحر آفرینِ مدحِ تست   آفرین بادا برین سحر آفرین
منزلِ مدحِ ترا چون حد نبود   صبحدم گاهِ دعا کردم گزین

تا قرانِ اختراں باشد بچرخ　　　با تو بادا اخترِ دولت قریں

دربدایوں مہرہ سرمست برخیزد زخواب
گر بیاید غلغلِ مرغانِ دہلی زیں نوا

(بحرِ رمل مثمن محذوف وزن او فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن)

اے ز درگاہِ شہِ اقطاع بدایوں یافتہ　　　مسندی بالاتر از بالای گردوں یافتہ
تاج گوہر تاجِ دیں کو از برائے تہنیت　　　از وجودِ خود ہمائے بس ہمایوں یافتہ
ہر کجا دستت دُرافشاں گشت خلقے بر زمیں　　　سنگریزہ جستہ لولوئے مکنوں یافتہ
ہر کجا عقلِ تو در سرِّ نہاں محرم شدہ　　　عیب رد پوشیدہ راز پردہ بیروں یافتہ
چوں بنہ حلقۂ مسلسل گشت رایت در علوم　　　عقلِ کل خود را دراں زنجیر مجنوں یافتہ
دشمنت نایافتہ در عمر آبے بر جگر　　　لیک ہر ساعت زبی آبی جگر خوں یافتہ
کاف و نوں در زیر و بالائے کمانت بستہ شد　　　ای تو از نقشِ کمان ہم کاف و ہم نوں یافتہ
دشمن از تیرت شدہ غربیل و خاکش را اجل　　　بیختہ زاں گوہر پکایں بافزوں یافتہ
دہر شش پہلو بنامت قرعۂ دولت زدہ　　　چرخ نہ صفّہ بر ویت فالِ میموں یافتہ
بندہ خسرو کو گہر می چیند از میزانِ شعر　　　در سخن سنجی مدحت سحرِ موزوں یافتہ
یافت یادش در جہاں گوہری کہ کس مثلش نیافت　　　تا نباشد در جہاں نایافتہ چوں یافتہ

اندریں صفحہ چو من داد سخن دادم تمام
شاید ار اہلِ سخن بدہند انصافے مرا

(بحر ہزج مسدس مقصور وزن او مفاعیلن مفاعیلن مفاعیل)

شہے بخشادہ بر عالم در داد — کسے این در کہ بکشادست تو بکشاد
جہانِ عدل فخرِ دولت و دیں — توئی کانصافِ نو کرد از نو بنیاد
فرامش گشت نوشروان بعہدت — ندارد ہیچکس عہدے چنیں یاد
درایامت نکرد از ہیچ راہے — ز دستِ رہزناں جز چنگ فریاد
نہاد از بیم عدلت شیرِ شرزہ — ولیکن مادہ آہوش از شکم زاد
ہم از تیغت ہژبراں را جگر سوخت — ہم از تیرت پلنگاں را دل افتاد
ازاں آتش بجست از زخمِ تیرت — کہ پنہاں شد میانِ سنگ پولاد
چو راندی بادپا را بر سرِ خصم — سر اندر پائے اسپت داد برباد
چو گل شد بندۂ خلقِ تو شاید — کہ گل را بندہ گردد سروِ آزاد
ببازارِ ثنایت کلکِ خسرو — متاعِ خویش رسوا بروں داد
بیفتد بر زمیں ہرگز دعایش — کہ از بامِ بلندت یافت اسناد
بنقشِ طاقِ جاہت خواہم بصد فن — کہ باشد خیمہ دہلیزت یکے باد
کشیدہ بارگاہت بر فلک سر — بحبل اللہ کہ قائم زوست اوتاد

ای خوش آوازی گزین نکته زبان را تر کند
تا ش لب اندر دهان آید بهنگام ادا

(بحر ہزج مثمن سالم وزن او — مفاعیلن ۴ بار)

سمنبر ماهِ من رخساره چون گلبرگ تر دارد — شکر لب یارِ من گلخند در زیرِ شکر دارد
جمالی کان پری دارد ندارد بر زمین مردم — مگر خورشید گردون دارد و آنهم اگر دارد
مرا بارے حقیقت نیست کو دارد دهان یانی — ولیکن گه گهش در خنده می بینم مگر دارد
بسوئ خود کشد سر رشتهٔ عقلِ مرا هردم — دهانِ او که از سوراخ سوزن تنگ تر دارد
میانش نیست وان کش هست در زیرِ کمر موئے — همان رشته است کو اندر گرهائے کمر دارد
بناز آنگاه کز حسنت خبر شد در همه عالم — خبر از خود ندارم گر همه عالم خبر دارد
مرا گفتی نظر کن در سوئے من تا شوی زنده — تو خود گو چون نه بیند آنکس که آن رو در نظر دارد
ز چشم خویش خون گریم چو روئے نیکوان بیند — که او هردم مرا هم خویشتن را در جگر دارد
اگر غرقه شوم زین چشم چون دریا عجب نبود — که هر دُر کاندرین دریاست گرداب دگر دارد
بخاک افتاده ام بر آستانِ دولتِ خوبان — کسے باشد که این افتاده را از خاک بر دارد
جهانِ عدل فخرالدین که عدلِ همچو موئے او — بموئے میش بربسته گلوئے شیرِ نر دارد
ملک محمود بن والاحسین آن صاحب انصافے — که هم عدلش بداد انصاف کو عدلِ عمر دارد
الا ای منصب آرائی که رنگِ تابشِ لعلت — بسرخی شفق ماند که پشتِ ماه و خور دارد

قمر میخواهد از پروین شرف از ماه اعلات — مگر پروین از این گه گاه دندان بر قمر دارد

برح از زین بردارد زمین را بر زبر دستت — کسے کین خاکِ مسکین را چنین زیر و زبر دارد

دو در یکشا و تیرش در دلِ خصم و دلش خون شد — که جانش از پی بیرون شدن پای دو سو دارد

بگردون رو دلِ شب رشته در سوزن کشد عیسیٰ — که نورِ رای والایت بر گردون گذر دارد

کسے کو را بصر نبود کشد خاکِ تو در دیده — نکوتر در کشد در دیده آنکس کو بصر دارد

چو دولت سر کی گردست با تو کیست در عالم — کند با تو دوی در سر مگر آنکس دو سر دارد

ز شکّر ریزیِ مدحت قلم در دستِ خسرو بین — که سر تا پا ز شیرینی طریقِ نیشکر دارد

رهِ عمرِ تو بادا از قیامت منزلی زان سو — اگر زان بیشتر راند ز صیت رهبر دارد

در تماشاے جبین شعرے که دوّم نیستش
کوری احوال اگر بینائی داری بیا

(بحر ہزج مثمن محذوف وزن او مفاعیلن مفاعیلن فعولن)

گشا و هم دیده در روے تو ناگه — بچشمم در نشد ناکرده آگه

اگر گویم که از جورت کنم آه — نتیقم پاره کن ز تیغم آن وه

بدان من می کنم گه گه زنخدانت — ببین هر جانِ خود را می کنم چه

قدت شاخِ انار و در روے تو نار — تعالی الله ربّی قد انار که

اگر پرتو زند خورشیدِ رویت — بسوزد مه درونِ هفت خرگه

هم آخر از تو کاهش کرده با آنکه
دو هفته راست کرده روی خود مه

بکن با چشم خود نرگس مقابل
کسی آیینه ننهد پیش اکمه

صفا از روی تو کرد آنچه دخل
بنام ایزد زهی دخلِ موجّه

بگریم هر سحر بر یادِ رویت
که باران خوش بود وقتِ سحرگه

نثارِ دُر مهیّا کردم از اشک
کند آخر گهی در چشمِ من ره

ملک والا نصیر الدوله محمود
که بخشش هم ملک خوانده است هم شه

ظفر با عزمِ او گوید که آخر
مرا کاری همی فرمای گه گه

بخندد بر فلک بختِ جوانش
چو دانا کودکی بر پیرِ ابله

زهی روشن شده ز آفاق گیری
چو خورشید اندرین پیروزه خرگه

عدو با خویشتن بینایی داشت
سنانت چشمِ زخمش کرد ناگه

خدنگش شد سوی دشمن دلش گفت
درون آ - از کجا - بر سینم خه خه

چو بیرون شد ز سینه کرد فریاد
که جان از سینه بیرون رفت وه وه

بسوزد گوهرِ تیغت کسان را
سرشکی ز آتش و خرواری از که

غبارِ دشمن از تیغ تو بنشست
بلی از آب بنشیند خاک در ته

نگون شد شیرِ نر از عقدِ شستت
چنانک انگشتِ نر در عقدِ پنجه

تو این هم حمل کن بر مردیِ شیر
که او از حملهٔ تو می نهد زه

تصوّر کی کنم بی خنجرت فتح
نخست آیینه باری صورت آنگه

چو می بدست گیری گویدت بخت　　　هنیئاً ما سقاک الله راحه
تو چون گل زر فشانی نے چو نرگس　　　که زر دارد ولیکن چشم کوته
بمدحت خسرو از خط موے معنی　　　مسلسل کرد اعزّ الله شانه
دعا می گویم و زاں بد دعائے ق　　　نمیدانیم دعی واند منزّه
که می خور میوهٔ مقصود پیوست　　　ز شاخِ زندگانی بارک الله

با چنیں شعری سلاف بلندی می‌رزد
لاجرم ہیں صبح آنکه می بخندد بر سما

(بحرِ خفیف مجنون محذوف وزن او فاعلاتن مفاعلن فعلن)

روے بنمود صبح سیم عذار　　　ساقیِ صبح روے باده بیار
جام ده رو نما بصبح که باز　　　روے بنمود صبح سیم عذار
شمع را بر سر آمدست حیات　　　شربتے از قنینهٔ[1] بیروں آر
آتشِ مشرق از دمیدنِ صبح　　　می زند شعلهٔ بے دخان و شرار
گر چراغِ سحر ز باد بمرد　　　مردن از باد لیس شگفت مدار
شمع از مردنِ چراغ بسوخت　　　وز سرِ سوز می بگرید زار
خاک عودی بصندلِ زمیں　　　صندلے سوده شد ز بادِ بہار

زا می گوید　　[1] صراحی شیشهٔ شراب ۱۲

می رود باد صبح و می آید — زو مرا بوی لاله و گلنار
آب را لب پر از نبات شده است — از شکر خندهٔ گل و گلنار
باز پیغام گل به بلبل گفت — چشم نرگس بنوک غمزهٔ خار
گوش گشته بنفشه می جوید — دُر که باران بخاک کرد نثار
از هوا آب می خورد غنچه — دست در پیش داشته چو چنار
غنچه را بسته گشت دل بر شاخ — تا تو نگشای ای صبا زنهار
چشم نرگس شود پر آب چو ابر — بر گل کم بقا بگرید زار
هر سحرگاه روی گل بیند — نرگس از خواب چون شود بیدار
گره غنچه می کشاید باد — شاخ را گل همی کشد بردار
دهن غنچه ار چه بوی کند — چون خورد باده نرگس عیار
خون لاله بریخت گه اکنون — چنگ مرغان و دامن کهسار
گل برین باد می پرید بسی — که نسیم نسست مشک تتار
لیک دیدم که سر نهاد چو دید — خاک درگاه شاه چرخ شعار
نی گل از رشته می کشد زحمت — بلکه از باد می شود بیمار
بوی می نایدار صبا چو وزد — باد احسان شاه گیتی دار
شاه عالم غیاث دین که درش — روضهٔ رحمت آمد اندر بار
خواسته روز زندگانی او — زنده داران شب به لیل و نهار

در سخا با یمین میمونش | ابر گرینده روے را چه پیار
رونی صورت ۱۴
گر نسیمے ز خُلق او یابد | مشک از خونِ خود شود بیزار
اے جہاں خسروی که صولتِ تو | افسرِ خسرواں کند افسار
پیشِ تو ملکتِ سلیماں را | یاد گیرند خسروانِ دیار
از تگِ بادِ پاے تیزیِ تست | در دلِ باد صد ہزار غبار
آفتابے ست تیغِ تو که بتافت | در وَغا روئے صد ہزار سوار
تیر چوں در کماں کشد دستت | کرگسِ چرخ را کند مردار
تا کمندِ تو خواندم از شادی | دیدم از پوستش بروں شده مار
خصم را از خیالِ تیزۂ تو | موئے بر تن ہمی شود مسمار
از شکوهِ سه پایۂ عَلَمت | ہفت کرسیِ چرخ را ست مدار
خود دراں شبہه نیست کرسی را | باشد از قوّتِ سه پایه قرار
می برد بازوئے نشانۂ تو | فتح خواہد گرفتنش به کنار
از فروغِ ہلالِ رایتِ تست | ماہِ نَو را فزودنیِ انوار
تا به تیزیِ طبع بہره ترا | سفتم ایں چند لولوئے شہوار
ز آفتابِ ضمیرِ سلطانی | نظم را ہست گرمیِ گفتار
ہست در حلقۂ غلامانم | لعلِ کانی و دُرِّ دریا بار
زُہره دارا زہر ست چوں ایں شعر | نامِ او کرده ام ازہر الانوار

گیر سر رشتهٔ دعا خسرو — زاں که شد گوهرِ سخن بسیار

تا به پیچید هفت هیکلِ چرخ — ق — کاتبانِ جلال چوں طومار

باد قدرت چناں که از تعظیم — سر نهد بر خطِ تو نُه پرگار

باروانیِ چنیں شعرے که در باغ فلست

سرو و گل بارے چه می جنبند چندیں از صبا

(بحر مضارع اخرب محذوف وزن او مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن)

باد صبا بسروِ روانش کجا رسد — تنگِ شکر بکنجِ دهانش کجا رسد

سرو ارچه در چمن بلطافت رواں شود — هم در قدِ چو سروِ روانش کجا رسد

عاشق در آرزوے میانِ چو موے او — با آنکه موے شد بمیانش کجا رسد

شمع ار خوش فروختهٔ دست ایزدست — از بادِ سر بریده زبانش کجا رسد

جاں گرچه دست برد بشیرینی از شکر — در لب رسد و لے بلبانش کجا رسد

هر روز اگرچه ماه فزوں تر کشد کماں — در ابروے بلند کمانش کجا رسد

نرگس چو سرمه خاکِ درش گر کشد بچشم — عین الکمال از تیر قانش کجا رسد

چشمم بعشقِ سرِ او می شود رواں — تا خاکِ پائے شاهِ جهانش کجا رسد

عادل غیاثِ دیں که چو رایش دهد فروغ — شمعِ سپهر در لمعانش کجا رسد

جائیکه چوں ستاره بلندست گوهرش — لولوے بحر گوهرِ کانش کجا رسد

هر شب اگر نه ماه بود پاسبانِ او — از خوانِ چرخ گوشهٔ نانش کجا رسد
با آنکه ماه پاره کند پردهٔ کتان — از عدلش آن ستم بکتانش کجا رسد
خوانش سپهر و هر سحری کار آفتاب — بنگر زریزه چینیِ خوانش کجا رسد
گردون گمان برد که رسد بر درش ولے — آنجا که آن درست گمانش کجا رسد
گر گردهٔ فلک نبود زیرِ زینِ او — یک جو ز راهِ کاه کشانش کجا رسد
بادِ صبا عنانِ وی از دست چون گرفت — گیرد ولیک آن بعنانش کجا رسد
گر صد هزار نیزه شود زآسمان بلند — خورشید هم بنوکِ سنانش کجا رسد
او در رسد بحمله چو شیرِ ژیان به تیر — لیکن بحمله شیرِ ژیانش کجا رسد
شاها کفت که از لبِ دریا سخن کند — دریاے بیکران بکرانش کجا رسد
از خاکِ پایش ارچه بجائی رسید مشک — در بوی خُلق مشک فشانش کجا رسد
اقبال را گلے که ز روئے تو بشگفد — آسیبِ دستِ بادِ خزانش کجا رسد
سبزه سپید کرده محاسن درین هوس — کز خطِّ عارضِ تو نشانش کجا رسد
تا دشمنِ ترا نکند تیغِ تو قلم — از دستِ دهر خطِّ امانش کجا رسد
صیتِ ترا که تیغِ تو اندر زبان گرفت — بینی که او ز دستِ زبانش کجا رسد
خسرو که شد بمدحتِ تو جادوئے زمان — هر کس به جادوانِ زمانش کجا رسد
شو بیست بر درت نه نفیرِ دعای خلق — در گوشِ دولتِ تو فغانش کجا رسد
تا ابر در رسد نه بلندی بلا مکان — وانجا که دستِ تست مکانش کجا رسد

بادت مکان چنان که شود ابر گر بلند　　امکانِ رسیدنِ آتش کجا رسد

هر کرا او دردِ سری دارد برای زندگی
بس بود زین شعر سوزان و دشکنینش دوا

(بحر مجتث مثمن مخبون مخبون مقصور　وزن او　مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلات)

مهِ دی ست بباید نشاط را اسباب　　سماع و آتش و خرگاه و ساقیان و شراب
ز بادهای خنک موی آدمی ز قبا　　برون همی گذرد همچو سوزن از سنجاب
شهِ سپهر چو میلِ همه بآتش دید　　ز برج آبی درِ آتشین نمود شتاب
مگر که تیز نماند آفتاب را شمشیر　　که داد از آتشِ خود خانهٔ کمان را تاب
چو رشته کوته گردد ز تاب رشتهٔ شب　　چرا دراز شد از تاب دادنِ مهتاب
اسیر ماند درین رشتهٔ دراز و سیاه　　چو من کسی که ز تنهائیش نیامد خواب
بروی شاهدِ بستان همی چکد شبنم　　ز رست زلف شبای ماهتاب نه نقاب
بچشمهای چمن بادِ گل همی افگند　　ازان به بست مگر چشمهای خود را خواب
چو دید کس لب و جوی می نخواهد خورد　　دکانِ شیشه گری را روان به بست حباب
پی ببوتهٔ گل آب را درو شن کن　　که تا چگونه توان کرد نقره از سیماب
بزیر برف نگر لاله را بدامن کوه　　چو آتشی که نهندش میانِ پنبه بآب
جهان گرفته زمستان و بزم شاه شده　　بهارِ عالم و دستش دران میان چو سحاب

نهاده منقل و آتش برون کشیده زبان | چو تشنگانِ فرو مانده درمیانِ سراب
حکیم میوهٔ آن فصل خوانْد آتش را | یقین که میوهٔ آن فصل هست هم در تاب
کدام میوه ازین خوب‌تر که در مه دی | ز چوبِ خشک دهد ناردانه و عنّاب
مثال آتش و انگشت چون غراب و تذرو | بهم درآمده سرخ و سیه چو چشمِ عقاب
زهی غراب که آتش خورد تذرو شود | خهی تذرو که چون آب خورد گشت غراب
تذرو سرخ و چه زاغش نشانِ سوختگی | که سوزِ او دلِ درّاج و کبک کرد خراب
ستاده ساقیِ زرّین کمر پیاله بدست | چو آفتاب بدست کرده لعلِ مذاب
ز تفِّ آتشِ گلرنگِ می عجب نبود | که در گداختن آید پیاله همچو گلاب
پیاله راست بآبِ تنک همی ماند | که از مزاجِ هوا بسته گشت در دولاب
قرابه چندان خونابه خورد از ساقی | که خون همی رودش از دهان بجای لعاب
بطِ شراب نگه کن اگر ندیدستی | بطی که از شکمش زاده می‌شود سرخاب
زهی لطافتِ می کش چو آورند ز دست | رسد که دست بشویند مطلق از جلّاب
خهی مزاج شناسی که یک زمان در پیست | درون و دو کدمِ فی العروق والاعصاب
نشسته اهلِ طرب گرد پرده دست زنند | فرو درند بانگشت زهره را جلباب
ربابِ بی زن و دستِ چو آب هر ساعت | دو بحر کرده روان در کنارِ رود و رباب
برای گردنِ نغمِ چنگیِ تو در راه است | بدستِ خویش سر رشتهٔ طرب را تاب
شبابِ شاخ زنان از نی آن همه را | جنون گرفته و لیک شعبة الجنون شباب

بنوکِ لعل شود سفتہ ایں غزل مطرب کشد بتار بریشم بسانِ دُرِ خوشاب

(المطلع الثانی فی الغزل)

چہ آفت ست نمی دُانم ایں بزیرِ نقاب

کرنا نمودہ نمود آنچہ سینہ گشت کباب

توں رخ مپوش کہ از ہفت پردہ بنماید — چو آفتاب فروزندہ از چہار نقاب

توں زلف را زکلہ بفگنی عجب بنود — کہ دل بکنگرِ خورشید بر رود بطناب

مرا ز ابروئے تو شبہہ می رود بنماز — کہ سجدہ می کنم و صورت ست در محراب

توں می کُشی و کسے را کہ می کنی بیہوش — ذبیحہ را چہ خبر تا چہ می کند قصّاب

مرا کہ سوختہ گشتم ز آفتابِ رُخت — ازاں لب ار بتوانی بشربتے دریاب

ولے سوالِ مرا در جواب می لنگی — مگر کہ در شکر آلودہ است پائے ذباب

شتاب می کنم عمر در فراق مکوش — ترا کہ از پسِ عمرے بدیدہ ام مشتاب

وگرچہ عمر نماندم بعاریت خواہم — ز نامِ باقیِ شاہنشہِ سپہر جناب

(المطلع الثالث)

سپیدہ دم کہ دمد آفتاب روشن تاب

زمانہ را کند از آفرین شاہ خطاب

یگانہ نصرتِ دیں قاں ملک محمد را د — خدایگانِ فلک مرکبِ ہلال رکاب

گرفتہ منزلِ رفعت بر آسماں لقبش — اگرچہ منزل گردد ز آسماں القاب

بہ بند بازوے اوست بہر قوتِ دیں — زمانہ رشتۂ انصاف و گوہر خطّاب

جہاں نہ معدلتِ اوست قائم ارنہ بچرخ — بروج منقلب اند و ستارگاں قلّاب

زغیب هرچه کند روشن اخترِ رایش — چگونه حل کند اختر بهفت اسطرلاب
بضبط خویش درآمد ممالک روی زمین — همه بکوشش ثابت همه برای صواب
کشد گردنِ گردنکشان برشتهٔ حکم — که هست مالک ملک و قاب کُلّ رقاب
گهِ عتاب که سهمش فرو درد زهره — کراست زهره که پیش آیدش بگاهِ عتاب
حسود دم خورد ار جادوی بود دریتیر — چو بر کشد بگه رزم تیغ همچو سداب[1]
کشد زرشتهٔ رگ مهرهای گردنِ خصم — حمائلی دهدش خون بها بجای ضراب[2]
زمین بجنبد صفت مهرهٔ شود از عاج — زبس ترابِ دشمن که بشکند به تراب
بود دریغ درآب وگل عدو تیغش — گهر چگونه توان ریختن میانِ خلاب
کند زچرخ تراز وکه هیچ برنکشد — مثل چو تیر کند سوی آسمان پرتاب
هزار گوهرِ سیّاره را کند سوراخ — برای شاهدِ مشرق به تیر همچو شهاب
زپردهٔ دلِ دشمن برون جهد تیرش — بسانِ برق که ناگه برون جهد زسحاب
سپهرِ قدر زنورت کند جهانگیری — زرای روشن عالیت جوید استصواب
بریدصیت تو کش روز چرخ بردستت — به پیش قاصد او مه یکیست از نوّاب
زچشم مرحمت اریک نظر بچرخ کنی — همه وبال کواکب بدل شود بثواب
گهر که دستِ تو ریزد بروی تختهٔ خاک — حساب آن نتوان کرد تا بروزِ حساب
کم است گوهرِ روزگار در گهرت — چو آدمی که بود اوفتاده در گرداب
مگر که خلقِ خوشت را چراغ خواهد داد — که گشت بادِ صبا کنجِ غنچه را نقاب

[1] نام گیاهی ۱۲ [2] تیغ زدن ۱۲

جماعتے کہ چو قمری اسیرِ طوقِ تو اند   اجل نیفگند اندر گلوئے شان مضراب

کسان کہ راندۂ خوانِ مکارمِ تو شدند   دو دست بر سرِ خود می زنند ہمچو ذباب

خدایگانا بشنو حدیث بندہ بصدق   کہ گرچہ شاعرِ خاصم و لے نیم کذّاب

چہ سحر ہا کہ بمدحِ تو کردہ ام پیدا   کہ خسروِ سخنم خواندہ اند اولوالالباب

زخامہ گرچہ چو طفلاں ہمی دوا ہم نے   ولیک گوئے بلاغت ببردم از اصحاب

ہمہ زکوٰۃ ستانِ منند اہلِ سخن   چو از نصیب معانیم کامل ست نصاب

سوادِ دہر بگیرم زخامہ چوں امروز   مرا بہ پشتیِ مدحِ تو ملجا است و مآب

دراز دارم بکران نطق را رشتہ   کنون سزد کہ بہ پیچم طویلۂ اطناب

بحق دعائے تو گویم کہ ہر کہ آں گوید   ندای ہفت فلک بشنود کہ گشت مجاب

زہر درے کہ درآئی زبارگاہِ مراد   کشادہ باد زعونِ مفتّح الابواب

روز نوروز و شب عید این بیاض و آن سواد
کز تنعّم در گلاب و گل ہمی دارد مرا

(بحر مجتث مثمن مخبون مقصور وزن او مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلات)

بہار بادہ کہ گل در چمن قرار گرفت   ز دستِ عید جہاں جامِ نو بہار گرفت

بہار گوئی مشاطہ ایست از پی عید   کہ دستہائے گلِ سرخ در نگار گرفت

ز بہرِ رزمِ خزاں سحرِ آب را بنگر   کہ از حباب سراسر ہمہ سوار گرفت

بنفشہ حلقہ صفت گشت بہر بازی عید   سپاہ سبزہ و گل نیزہائے خار گرفت

رسید سبزہ تماشا کناں پس از سلے   بعرصۂ چمن و راہ جویبار گرفت

دوید آب و بغلطید سبزہ را در پاے   بخاست سبزۂ تر آب را کنار گرفت

نثار بار شد ابر و قیامت این بنگر   سر و و بید ز باراں نثارہ بار گرفت

بریخت کوہ گراں سنگ خونِ لالہ بہ تیغ   از آنست ابر کہ دامانِ کوہسار گرفت

زمینِ مردہ خدا زندہ کرد خاصہ کنوں   کہ خاک را چمن خونِ لالہ زار گرفت

بخیرہ کم کہ چرا دستہای بید انجیر   کبود گشت مگر پنجہ با چنار گرفت

چمن بروز شبت خندہ می کند کو را   گرفت سایہ و از ابر سایہ دار گرفت

حدیثِ جودِ شہ ابر بہار خنداں گفت   کہ گوشہائے چمن دُر نثار ہوا ر گرفت

گل پیادہ ببازیِ خار گشت سوار   عناں کشادہ رہِ بزم شہریار گرفت

شگوفۂ چمن ملک شاہ نصرتِ دیں   کہ ہر ستارہ جہاں را بہار وار گرفت

خدایگان سلاطین محمدِ سلطاں   کہ چوں علی رضی ہمہ عالم بذوالفقار گرفت

از آں براقِ فلک بارگیرِ خورشید است   کہ چتر زر بسر او بوقت بار گرفت

حسود را کہ اندو بود در شکم و زداں   ہمہ ز خونِ جگر رنگ چوں انار گرفت

گزیدہ شد ز سنانش سپہر افسوں ساز   دراں زماں کہ بکف نیزۂ چو مار گرفت

شبِ سیاہ کہ روئے زمیں ہمی گیرد   جہاں زیر چتر مرحش کمینہ تار گرفت

خدایگانا ہیبت چہار پرہ دارد   کہ چار گوشۂ عالم بداں چہار گرفت

ترا ست ملکِ سلیمان و توسنت بادی — که دیو را بعزیمت برائے کار گرفت
دران زمان که سپاهِ مظفّرت شمشیر — ز بهر سر زدنِ کافرِ تتار گرفت
فتاد زلزله از بارِ لشکرت به زمین — چه کوهِ حلمِ تو لنگر شدش قرار گرفت
چگونه صبحِ فلک را برشته پیماید — مگر جمازهٔ صیتِ ترا مهار گرفت
نخفت بختِ تو هرگز اگرچه در همه وقت — بیادِ مجلسِ تو جامِ خوشگوار گرفت
نگشت صاف مگر از نسیمِ مجلسِ تو — درونِ گل که ز بادِ خزان غبار گرفت
شهنشها بگلستانِ مدحِ تو خسرو — چو عندلیب نه دستان یکے هزار گرفت
به بوستانِ دعا هست بلبلے گلکش — که از صریرِ همه نالهائے زار گرفت
همیشه تا که بفصلِ بهار موسمِ عید — توان پیاله ز ساقیِ گلعذار گرفت
بهار بر تو مبارک چو عید باد که چرخ — بهار روئے ترا عیدِ روزگار گرفت

هر که این صد بیت خواند جان یکی صد گردش
شربتے به زمین نباشد تشنگان را جانفزا

(بحر مجتث مخبون مقطوع مسبغ وزن او — مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان)

دو رویه بست کمر آفتاب در جوزا — به پشتِ هفت زمین آتشے فگند صبا
بباد خانه درون رفت گرم گرد مزاج — که سوئے باد رود هر که هست در گرما
چنان ز آتشِ خورشید صبح می دمد — که تفِ آن نه زمین میرود به اوجِ سما

خود آفتاب ندیده ز صبح جز دم صدق | شود که گرم شود از دو روئی جوزا
ز آفتاب جهان گشت نقش شب معدوم | که از چراغ شود ظلمت شب یلدا
اگر سه روز زمستان زمانه یک جا کرد | بخیط ابیض برد وخت هر سه را یکجا
گر آفتاب قیامت کند بفردا گرم | قیامت است که امروز دیدم آن فردا
ز سنگ کوه که در تاب شد عجب نبود | که شعله خیزد بر جای لاله حمرا
بجای لاله جز شعله نادمش بدهان | چو تیز بر آخور سنگین کوه کرد چرا
اگرچه آهو ازین بیشه جسته می زد | کنون بدشت بگوید همی بر آتش پا
اگرچه گور ره بر خاک گنبدی می کرد | کنون چو گنبد گور است مانده پابرجا
شود چو کرمک شب تاب آتشین همه تن | میان روز اگر مرغ پر زند بهوا
سرود مرغ شنیدی بموسم نوروز | کنون نگر که چسان خلق می زنند نوا
ز بسکه صحن چمن خشک دید بید انجیر | ز بهر باران برداشت دستها بدعا
کجاست ابر که شربت بآفتاب دهد | که هم حرارت او غالب است و هم صفرا
بتشنگان بده ای ابر شربتی آخر | ترا اگر آب بچشم است یا بدیده حیا
کنون نه آب روان گر برآید آوازی | ندای العطش آید بگوش از آن آوا
ببوستان گل نازک مزاج رنگ پرید | که باد گرم نرفتی برو ز باد صبا
کنون ز سیلی باد سموم گرما گرم | فرو دریخت همه خون ز پوستش ز قفا
برحم بسوخت زمین را از خوردن گرمی | از آنکه نش می نشود زاده هیچ طفل گیا

ز بهرِ آنکه نسازد ز سردیٔ عملی
برید تیزیٔ خورشید دستِ نشو و نما

کدام باد برآمد درخت را یارب
که خشک می‌شود از فرق تا قدم اعضا

بآفتاب بگفتم که از چه تافته‌ای
بتافت روی و بگرمی جواب داد مرا

که کس چو چشم ندارد که بینم با آنکه
کنم نگاه بیک چشم سوی شاه و گدا

کسی که در مهِ دی جبهٔ مساکین دوخت
کشید پیرهن اکنون ز گردنِ ضعفا

تنی که بود بسرماش تنگ پنبه بپشت
نه پیرهن کند اکنون قبول و نه یکتا

همه ز سستیِ اندام و از کشیدنِ آب
گهی چو دق زدگان و گهی در استسقا

هوای گرم چنان سرد گشته سایهٔ بید
که بید و سایه بهم لرزه کرد از سرما

بوقت گرما شاید ز چاه سایه برون
ز سردی ار چه بلرزد در آب چاه آسا

کسی که تشنه فتاد است در بیابانی
درین خیال که خوش وقتِ غرقهٔ دریا

هوا چنین و مرا لشکری و رفتنِ راه
نه پی دراز رهی بلکه شاهراهِ عنا

غمست زادِ رهم بر چه حمل شاید کرد
که این چه زاد بود زاد تهمت از آبا

تنم ز مهرِ فلک گرم گرم می‌سوزد
دلم ز مهرِ عزیزان و فرقتِ رفقا

نخست منزلِ من بود منزلِ سیری
که سیر دیده در آن شد جمالِ اهلِ وفا

سه چار روزِ دگر آبِ جون بر آکردم
ز آه خشک‌تر از اشکها چو جون بالا

ز آبِ جون بر آن کرد و شاه جانبِ کوه
که تا شود بجد جنتیه قلعه کتا

ز بس که رو بقفا ماندم از پی یاران
قفای من همه گشت و روی تکیه قفا

اگر دو گام به ره پیش می نزدم در راه   سه چار گام پیش باز می شدم عمدا
دلم نگشت گشاده بهیچ دلبندی   تمام لشکر همره مرا و من تنها
کسی موافق طبع من مخالف طبع   بهم رهی نه مگر یک برادر و سه بنیا
نخست خالِ بزرگ اختیار دین که بنام   محمدیست که زو نام محمدست والا
دگر ستارهٔ روشن معز دین مسعود   که از سعادت او مشتری گرفته بها
دگر بفرقِ او خاص تاجِ دین محمود   که هم ز لفظ خودش هست لولوی لالا
دگر برادرِ خردم حسام دین قتلغ   که بر کشید شکوه ید اللهش مغزا
ز بهرِ روی مرا هر سه خال گرد شده   سیاه گشته ز خورشید و مانده در سودا
سیه شود بلی از خاک روی هر که شود   سپید روی من از سه خال روی دو نما
دو چشم خالی کردم ز مردم از پی آنکه   سه خال خویش درین هر دو در کشم عمیا
همی شدیم بکوه و فرس چنان زده گام   که سنگ سرمه شد از کوریِ همه اعدا
کمیتِ چقمقِ من کاتشی ست ز آهن و سنگ   به نعلِ آهنین آتش گشاده از خارا
تنم میان دو کوه و رهم میانِ دو کوه   کمر فرو شده می شدم میانِ حنا
بشیشه بازیِ در کوه می شدم بر سنگ   تنم چو شیشه در ره پر ز سنگلاخِ بلا
کشیده تیغ گشاده دره بهر سوی کوه   نهیب تیغ و دره خلق را که کرد سزا
خراس چرخ همی سودشان میانِ دو سنگ   بلی میانِ دو سنگ آرد بد مرا داورا
ز خلق در شد در گوشهای خلق نفیر   چنان که کوه هم اندر نفیر شد ز صدا

سفید رویان اندر مقابلِ خورشید   همی شدند زرنگی برنگ چون حربا

هزار غره بدل کرد آفتاب بسلخ   که پوست باز شد از روی مهوشانِ خطا

بآفتاب اگر تیز کس نگاه کند   سیاه و سرخ بچشم آیدش ز تابِ ضیا

مگر بگشت ز خورشید چشم من که بمن   نمود سرخ و سیه روی کودک و برنا

در آفتاب از آن می برم سایهٔ خویش   که هیچ گونه نیارم ز سایه گشت جدا

نه بلکه سایهٔ من می رود مرا از پس   شود ز سایهٔ من بو که آفتاب رها

غلط فتاد مرا سایه از کجا باشد   که شد ز پرتوِ خورشید سایه ناپیدا

زمانه خنجرِ خورشید تیز کرد ز چرخ   که نقش سایه کند حک ز عرصهٔ صحرا

بسوی سایه روانست آفتاب این چیست   بسایه می فگند آفتاب هم خود را

هوای گرم چنین است و چنان ز بس گرمی   که قطرهٔ آب شود گر بیفگنی به فضا

بآشنا شده غولانِ تشنه لب بسراب   بسانِ مردهٔ آبی بحرِ با پهنا

سراب دیدم و گفتم نگون بخوردنِ آب   نیامد آب بدست و بماند پشت دوتا

ز تشنگی آب چنان گشت در یکی منزل   که بود قطرهٔ آبی چو در بپیش بها

بمرد خلق ز بی آبی و کدام کس ست   که باشد او را بی آب زیستن یارا

نبات وار زبان چوب شد بهر دهنی   ز آرزوی یکی شربت از گلاب صفا

بسوی چه شده اشکم بپشت چسپیده   چنان که خشک شده مشک خالیِ سقا

درین میانه بدیدم فرازِ چه پسری   میانِ جامهٔ دیبا چو صورتِ زیبا

بنام یوسفِ خود از جمالِ او یوسف — فرو فتاده به چه سرنگون و پا بالا
قبا کشیده بیک توی پیرهن بنشست — که آب برکشد و گردد یک نظر برما
ز جامه که بچفسیده بر تنش ز تری — همی نمود تنش چون به شیشه در صهبا
کسے که وصف کند خود تریِ اندامش — که آب می بچکید از تریِ او بالا
همی چکید ز اندامش آب در پایش — ز خویش دست همی شست جانِ غم فرسا
ز بهرِ آب کشیدن چو آستین بر زد — نمود ساعدش از روشنی یدِ بیضا
به جهد بست رسن دلو را و بار دگر — بچرم گاو در افگند عنبرِ سارا
ز عطرِ غالیه دان گشت چاه از دو گوی — سرشته بود ز عطرِ آن کمند عنبر سا
ز بس کشش دهنِ چه پر آب شد تا لب — بچشمهاے چه آمد چو عکسِ آن رعنا
اگر مثل بچهِ کور عکسش افتادے — چه چشمها که شدے چاهِ کور را پیدا
ز آب حیوان سیر آمد این دلِ تشنه — بیک نظارهٔ آن صورتِ حیات افزا
وَاِنْ یَّکَادُ بخواندم که بر چه پر زنخش — بود بحبلِ متین اعتصامِ هر دانا
بران شدم که ز حبل الورید رشته کنم — که دل ز چاهِ زنخدانش بر کشم مانا
چو طاقتم بستد از پس کشیدمش دامن — وقُدّ همن دُبُرٍ آمد ز دل بگوش نوا
ز بوی پیرهنش چشم یافتم من کور — که می زدم ز پئے او نوای یا اسفا
وے آب داد بسے پس بسوئے خانه شتافت — فقد تعاقبه الدمع عاجلاً وجرا
برفت یوسف و سیّاره شد روان ز چشم — پر آب کرد رهی دلوِ چاه را به بکا

نمود گرگ ربائی و خون همی گریم ‏— بیادگار ازان جامه ایست خون آلا

رهی ز جای برفته بجای باز آمد ‏— بماند خوف بجای و نماند جای رجا

کنون همی روم اینک دریده من صبر ‏— دلم ز سینه قبا و تنم بجان یکتا

برادران چه فریبم دهید از دم کذب ‏— سفید گشت مرا دیده یوسفم بکجا

دریغ نیست کسی محرم من مجنون ‏— که وا کشانمش امروز گیسوی لیلا

کجاست تاج سر من برادرم زاهد ‏— که از سرم نشدست درد در خلا و ملا

جز او خیال بود هر کرا کنم صورت ‏— که گرددا ز من آئینهٔ طبع زنگ زدا

روای صبا ز من بنده بندگی برسان ‏— بران برادر و دیگر برادران برضا

یکی سپهر دقائق شهاب دین که بصدق ‏— مراست علم که او راست فضل بر فضلا

دگر لطیف ملک آیتی ور اقرا باسم ‏— که ختم کرد بخواندن بحلقهٔ قرا

دگر علی شه کاتب علا لقب که شدست ‏— ز نام عالی او عین آن لقب بالا

بگو ز بعد زمین بوس شان که یاد کنید ‏— ز من نه از پی من بلکه از برای خدا

غریب و عاشق و مهجور و از عزیزان دور ‏— تنی رفیق فراق و دلم اسیر جفا

چنان بکوه بنالم همی که می بدرد ‏— ز تیزی سخنم گوش صخرهٔ[۱] صما

گهی بود که بپای شما نهم دیده ‏— بپای هر یک بندم دو دیده را چو حنا

منم مسافر و شاید چنان بیایم لیک ‏— حنا چو خون من آید بپای تانست سزا

سپید دیده ام آخر بیک سواد قلم ‏— سیه کنید مرا این دو چشم نابینا

---

۱ سنگ معلق معروف در بیت المقدس ۱۲

اگر تبامه نیرزم زخاکِ ره باری   بدست باد فرستید بهرِ دیده دوا
بشعرِ ملک سلیمانیم چه سود کند   چو هدهدے برساند بمن پیام سبا
چو یاد نیست شما را زمن نه خویش اینک   بیاد دادم تان از قصیدهٔ غرّا
بششصد و نود[۶۹۰] این نکته را برون دادم   بشرحِ حالتِ خویش از درونِ پرغوغا
خطابِ روحة الروح کردمش که نشاند   سمومِ محرقِ غم را نسیمِ روح افزا
شما هنوز نخواندید بویه گر ز درتان   نخوانده در رسد این خسروِ مدیح سرا
امید هست که گر عمر باشدم برسم   بزودی انشاء الله وحده بشما

خواندنِ این حرف دل را سازوار آمد چنانکه
در نمازِ شام گوشِ روزه داران را صلا

(بحر هزج مثمن اخرب مکفوف مقصور وزن او مفعول مفاعیل مفاعیل مفاعیل)

امروز فروغی که در آفاق عیان ست   از غرّهٔ غرّای هلالِ رمضان ست
نوریست برحمت که بُد اندر تتقِ غیب   در چشمِ خود امروز بدیدم که عیان ست
هر شربتِ آبی که بنوشد لبِ صائم   همشیرهٔ جوئے عسل و حوضِ جنان ست
از آینهٔ جام کنون روی بگردان   بزدای دلِ تیره که آیینهٔ جان ست
آن شیشه که دی بود بر آبِ دگر از می   روشن شود امروز که قندیلِ جهان ست
قرّابه که از کفِ ترش مست شدے خلق   امروز نگه کن که چه بی آب و دهان ست

بادی که بداند سر پیروزه برون برد / این خامشی نامی دهن بسته همان ست

در ناله و فریاد به هنگام سحر چنگ / از دست مغنّی بر شاهجهان ست

تاج سر شاهان عجم گوهر شمشیر / کز آئینهٔ رای وی اختر لمعان ست

در بحر سپهر آب بود چشمهٔ خورشید / از عکس جبینش که مه نور فشان ست

تا بی خورد اسپ اجل از چشمهٔ تیغش / بر آخر گردن بدخواه روان ست

ای شیر شکوهی که کمند تو بهیجا / چنبر شده در گردن شیران ژیان ست

سیارهٔ اقبال ترا گاه عزیمت / مه زیر رکاب ست و فلک پیش عنان ست

در رزم چو باران ست ز ابر کف تو تیر / بشگفته گل فتح تو از شاخ کمان ست

بر آتش شمشیر تو لرزنده چو دود ست / این گنبد گردنده که چون ابر دخان ست

بسیار گهر لاف زدا ز آب رخ خویش / زان تیغ تو بگرفته مر او را بزبان ست

از گلشن خلق تو نسیمی که برد باد / غنچه ز پئے خدمت تو بسته میان ست

محمود قرا به نمط محمدت تو / بس سحر که بر کلکم اطرف لسان ست

در سلک غلامان تو من گرچه خطایم / در ملک سخن خسرو اقلیم ستان ست

پیشانی چون ماه تو کم باد گرفته / تا ماه گرفتار برج سرطان ست

پژمرده مبادا گل اقبال تو از چرخ / تا نرگس بیمار اسیر یرقان ست

عین این شعر ست ماه عید باریک و بلند
شادی افزا و مبارک طلعت و میمون لقا

(بحر هزج مثمن اخرب مکفوف وزن او مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن)

ای غرۀ تو دیده جهان را شده ماهی　　چشم تو نکرده بمه عید نگاهی
گر ابروی خود عاریه ندهی بمه عید　　در شبهه بود عید نه یکروز که ماهی
هنگام سپیده شود آرایش مه کم　　تو خود بسپیده کنی آرا استه ماهی
اندر زنخت روی توان دید ز صفوت　　چون عکس که پیدا شود اندر بن چاهی
زلف تو که شد بافته از صورت رویت　　گوئی که در آئینه نظر کرد سیاهی
لیکن سه ز دست بیش من رخ ننمودی　　آری ز بهشت او فتد آدم بگناهی
خون خم زدی و لب دو گواهی بگزیدی　　کس هنر ازین هیچ نکردست گواهی
مقصود من اندر شب غم شمع رخ تست　　ور نی نتوان سوختن شمع با آهی
زین غم بره هم چون طفلان شب عید　　بخشد اگرم در کنف لطف پناهی
شه نصرت حق تاج سر ملک محمد　　ای تاجوران یافته از ملک تو جاهی
آن سر دکن از تیغ کرچوید کله ملک　　دانی که نگنجد دو سر آخر بکلاهی
گاهست فلک ثابته شد بلکه بدیست　　چون گاه بلندت فلک ثابته گاهی
بر خاک جناب تو بتاسه که بر آید　　آبش نبود جز خوی پیشانی شاهی
جولانگه اسپ سر موییست بر دست　　بر فرق سران شانه زمو ساخته راهی
غلطیدن اگر زیر رکاب تو بیاید　　خورشید نخیزد ز زمین هیچ پگاهی
سنگ سپر قوی پنجه شود از تو گدا　　شب تا بخورشید شود سوخته کاهی

هر تیر نشان کرده ز کیشِ تو بلائی — هر بند ز ریحِ تو گره بسته سیاهی
از خدمتِ تو چرخ سر افراخت وگرنه — بر مه نرسیدست سرِ هیچ دو تاهی
بارانِ نوالت بزمینے که ببارد — اکسیر بود گرد مدا ز خاک گیاهی
در بحرِ بدیحت صفتِ خامهٔ خسرو — چون نے که بود بر سرِ دریاش شناهی
بادا به بزرگی که چو تو نیست بزرگی — در حفظِ الٰهی که جزا و نیست الٰهے

بود فرمانے که تنها باشد آن تشبیب شعر
ور نه کس در شعر عیدی چون کند ذکرِ عزا

(بحرِ ہزج مسدس وزن او مفاعیلن مفاعیلن فعولن)

چو ماهِ روزه از اوجِ سما شد — ز دورِ باده دوران پُر صفا شد
هلالِ عید پیدا شد چو ابرو — هلال ابروی من از من جدا شد
از آن آبے که بگذشت از سرِ خم — پیاله با صراحی آشنا شد
مرا کابے دو چشم از سر گذشتست — عجب رنگے که گل بود و صبا شد
گلے را سبزه نارسته گیا رست — چنان مردم نگه مردم گیا شد
از آن محرابِ ابرو یاد کردم — نمازِ عید نیز از من قضا شد
کسے داند که حالِ چون منی چیست — که چون من در فراقی مبتلا شد
همه گل می دمد از گریهٔ چشم — خیالِ قصهٔ او ما را بلا شد

در آبِ دیده سرگردان چه نازست | مگر سنگین دلِ من آسیا شد

دو چشمِ خسرو از باریدنِ دُر | کفِ شاهنشهِ باران عطا شد

ستوده نصرتِ دینِ محمد | که بر ملکِ جهان فرمان روا شد

چو او هرگز جوان بختی ندیدست | فلک کز غایتِ پیری دوتا شد

برای چشمهای دولتِ کور | غبارِ سبز خنگش توتیا شد

شها خاقان پناها صد چو خاقان | ترا بر بستهٔ چینِ قبا شد

بزیرِ پای اسپت دشمنان را | بسا سرها که بر بادِ هوا شد

چو بی سر از زوال کردی عدو را | عدو گرچه بلا بودست لا شد

ز تیغت در جهان آوازه رفت | که از وی هفت گنبد در صدا شد

درافتادی دوران پیرِ گردون | همی رمحِ تو در دستش عصا شد

هم انگشتِ خطا گیرد ز تیزی[1] | که از انگشتِ تو سوی خطا شد

مغل گرچه چو موران کرد صف راست | هم از صفِ سپاهت زیرِ پا شد

چو در مجلس نشستی[2] زهره بر چرخ | ز دودیهٔ مجلست عشرت فزا شد

از آن در بندِ زنجیرست دریا | ز دستِ بادِ گردابِ بلا شد

ندارد دستگاهِ مدح پایان | دعا گویم که هنگامِ دعا شد

مسلّم تا ابد بادا ترا ملک | خود این دولت مسلّم مر ترا شد

---

۱. همه انگشت میگیرد   ۲. نشینی

از زبانِ من اگر ایں شعرِ عیدی بشنود
در زماں قرباں کند خود را عطارد بر سما

(بحرِ رمل مثمّن مقصور وزنِ او فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات)

اے دو رخسارِ تو فرخندہ و میموں چو دو عید / دیدہ یک عید چو رخسارِ تو فرخندہ ندید
کردہ پیشِ رخِ رنگینِ تو صد جا پارہ / گل ہر آں جامہ کہ از سوزنِ خاری بکشید
روزِ عیدست چو قربانی اگر سر ببریم / سرِ آں نیست کہ ما از تو توانیم برید
دوش زخمے بزدی بر دلِ من از مژگاں / دل نگہداشت و لے چشمِ ترم بتراوید
خستۂ عقربِ زلفت شدہ ام چہ تواں کرد / ناگہاں آمد و زخمے زد و در گوش خزید
مار پیچیست سرِ زلفِ تو کز دیدنِ آں / مار بر خویش بپیچید و لبِ خود بگزید
دل کشیدہ بدم از زلفِ تو بگریختہ دوش / در کشیدن چکنم زلفِ تو از پس بدوید
روزِ عیدست اگر شربتِ وصلم ندہی / نمکی ہم ز لبانِ تو نخواہم بچشید
بوسۂ چند بدہ تا کنم امروز نثار / بر درِ شاہ کہ ہر کعبۂ دیں راست کلید
نصرتِ دینِ محمدؐ کہ طنابِ حکمش / ہست در گردنِ شاہانِ زماں حبلِ ورید
آنکہ در پیشِ کفش دریا لب لیس شود / در تحیّر لبِ خود ہم بتواند لیسید
چیست دریا کہ اگر بر سرِ او ریزی خاک / آں فرو گیرد و بیروں نتوانش کشید
مہ شبے گفت کہ من رائے شہم روشن و صاف / آسماں گفت مگو صبح بخواہد خندید

خسروا چشمهٔ خورشید بتیغت ماند | گوئی آن چشمه خود از بنِ تیغِ تو چکید
باد اندر سرِ خود دشمنِ تو چندان گرد | که هم از کردهٔ آن باد سرِ او ببرید
سخنِ خصمِ تو کس نشنود اندر عالم | بشنو این قصه که کس در همه عالم نشنید
داد بر باد بگلشن همه بوئے گل را | باد خُلقِ تو کز گلشنِ بزمِ تو وزید
گل بدزدیده بد از گلشنِ خلقت بوئے | ناگهان خنده بزد پردهٔ خود را بدرید
رو که بر شاخِ جوانی تو اے سرو بلند | بلبل الحمد بخواند و گل سوری بدمید
اے که آوازهٔ تو از نغماتِ شعرا | چون صبا رقص کنان در همه عالم برسید
خسروا از مدحِ تو هر دُر که بر اوراق بریخت | مشتری آمد و از نوکِ قلم جمله بچید
هست خوانندهٔ اقبالِ تو دُ می خواهد | مدتِ عمر ترا از مددِ غیب مدید
روزِ عیدت همه عمر مبارک بادا | بلکه هر روز ترا باد مبارک چون عید

دو درستِ مغربی را مهر و مه سکّه زنند
تا سپهر از بهرِ این عیدم کند عیدی عطا

(بحر مجتث مخبون مقطوع وزن او مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن)

رخ چو عید تو دل برد بهرِ قربان را | ازین نشاط بر یکجا دو عید شد جان را
ز چار سوی رخت چار روزه نور گرفت | تمام شد مه ده روزه عید قربان را
مرا تو عیدی و از انتظار تو شبها | بدیده خواب نبود این و چشم گریان را

ز ا طفل

قدم به تهنیتِ عید رنجه فرمودی   دو دیده در قدمت منّتِ آن را
گلاب می دهمت از گلابدانِ دو چشم   گلاب اگرچه نداده است کس گلستان را
چو آمدی بنشین تا در آمدن ندهم   درونِ وزنِ خود ماهتابِ تابان را
دو لب مبند یک امشب بروی من که بست   شکر فروش به شبهای عید دوکان را
دگر حدیث نگوئی بگوش کن بارے   ز نوکِ خامهٔ خسرو مدائحِ خان را
ستوده نصرتِ دین آفتابِ برجِ شرف   که چتر بر سرِ او سایه ایست گیهان را
کجا بگرد زمین گردد آفتاب چو او   زند بگردشِ خورشید سایه گردان را
چو خضر دیر بقا باد کوست گاهِ سخن   سکندری بلب آورده آبِ حیوان را
ز قهر و لطفش اثر گر نیابد آتش و آب   دو رکن بیش نماند چهار ارکان را
کمانِ قامتِ خصمش که در کشاکش باد   شد است ساخته خاص از برای قربان را
دلِ پر آتشِ حاسد که گریه انگیزد   تنورِ پیرزن است از برای طوفان را
فلک بروی زمین دشمنِ ترا برچید   چنان که مرغ چند کنجدِ پریشان را
زهی ز بهرِ اثرهای سعد و نحسِ جهان   چو آسمان بزمین برکشیده ایوان را
کشیده کنگرهٔ اوجِ تو زبان به مسیح   ز تیرگی کند اختر سپید دندان را
در سرای تو بر آسمان کشاده دهان   زبانه زد آتشش باز دار دربان را
اگر بطاقِ فلک سرکشی سزد زیرا که   ببین چراغ توئی دودمانِ سلطان را
ز آبِ گوهر و از خونِ لعل حیف بود   که دستِ خود کنی آلوده بهرِ احسان را

گهر نه قطرهٔ نطفه است ابر نیسانی — نه لعل پارهٔ حیض است مادر کان را

ز رشک دست تو یا رب چه دیده باز کند — اگر نه برق بخنداند ابر نیسان را

محیط با تو چه ماند و گر بتو ماند — گره زند بصدف قطرهای باران را

بباغ مدح تو این مرغ زاغ فوک قلم — بنغمه دل ببرد بلبلان بستان را

هزار دست برآرد چنار در تحسین — ازین دو نغمه بود گر هزار دستان را

ره دعا سپرم مدح را چو پایان نیست — که هیچ به ز دعا نیست عذر گویان را

همیشه تا بجهان دور عید باشد باد — ز نیم جرعهٔ تو دور عید شاهان را

بعید روی تو هر روز تهنیتی از یزدان — زمین روی تو هر لحظه عید دوران را

قدر این شعر ار ندانند ابلهان غم نیست زانکه
رونقی چندان نباشد عید را در روستا

بحر هزج مثمن اخرب مکفوف محذوف وزن او <u>مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن</u>

ای عید دوم آمده روی چو نگارت — قربان شده زان عید چو من بنده هزارت

مه را چه ولایت که کشد لشکر انجم — چون تافته شد طرهٔ خورشید سوارت

آن روز ز پرگار بشد دائرهٔ ما — کامد برون از ماه خط دائرهوارت

آموخته شد مردمک دیده چو طفلان — با خط خوش از تختهٔ سیمین عذارت

در یک دگر آورده دو ابروی تو سرها — هستند مگر از پی خونم شده یارت

نقشیست کژ آنرا که تو می خوانی ابرو — اندر سرِ آن چشم کژست پُر ز خمارت

دی خنده‌زنان سوئے چمن طوف نمودی — پیغام گل آورد مگر بادِ بهارت

نرگس همه تن گل شد و در چشم تو افتاد — تا روشنیِ تازه بیاید ز غبارت

لیکن نه کجا روئے تو دیدن بتواند — چشمے که درو نے بصرست و نه بصارت

تو آب لطیفی که بیائی و نیائی — من کے بتوانم که بگیرم بکنارت

خانه مکن اے شوخ درین دیدهٔ پُرنم — کس بر گذرِ سیل نکردست عمارت

باآن که بعمرے نچشد خسروِ بیدل — یارب که چه شیرین ست لبِ نوش گوارت

گوئی که نهد بر لبِ تو آن همه حلوا — کز خوردنی شاه برد عید بغارت

شه نصرتِ دین چشمهٔ اقبال محمّد — اے دیده بدریا دلت از چشم حقارت

کارِ تو بجائے ست که می بگذرد از چرخ — هرچند فرو می رود اندیشه بکارت

جائے که کند رائے تو بر دانشِ خود کار — برجیس به پیشِ تو نزیبد بوزارت

از رائے تو گر تافته شد چشمهٔ خورشید — بگزار که گرم ست دماغش بحرارت

گفتم بهمه این روشنی چشم تو از چیست — خاکِ درِ تو دید بدو کرد اشارت

در سایهٔ قصرت فلک آسوده شد آرے — زانست فرو مانده و آنگه بحجارت

هستی بتر از وے بزرگی زرِ خالص — همسنگِ تو باید که کند وزن عیارت

فردائے قیامت که ز بادے بپرد کوه — لنگر بتواند شدن الا که وقارت

دادست قدر از دولتِ اقبال تو منزل — یعنی که بدل کرد دو عالم بچهارت

پیشِ درِ تو بستہ بیارند گہے بار — آنرا کہ تنِ خویش نہ بستست بہ بارت
صوفیِ فلک چوں بدعائے تو برد دست — اول کند از چشمۂ خورشید طہارت
اسلام بہ ہر از تو قرارِ ابدی یافت — بادا ابدالدہر در اسلام قرارت

پیشِ این سلکِ ثریا چیست مروارید تر
کہنہ و تاریک و بے آب و حقیر و کم بہا

(بحرِ رمل مثمن محذوف وزن او فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن)

خطِ مشکگونت کہ بر خورشید لشکر می کشد — لشکرش خورشید را در گردِ عنبر می کشد
در دلِ من ہست ہر ساعت ہوایت گرم تر — گرچہ بر خورشیدِ تو ابرِ سیہ سر می کشد
زنگیِ خط را کہ در آبِ حیاتِ روئے تو — غرقہ شد حسنِ تو مویش گیرد و بر می کشد
در تماشائی رخت جانم بروں آمد ز تن — بسکہ در پیراہنِ گل سبزۂ تر می کشد
تا کند شربت ز بہرِ تشنۂ امیدوار — لعلِ تو پائے مگس گوئی کہ شکر می کشد
زلفِ تو کاندر دلم ہر حلقہ را جا می کند — چنگلِ باز است در خونِ کبوتر می کشد
شخصِ باریکِ مرا خونابِ چشم از غمت — راست ہمچوں رشتۂ یاقوتِ احمر می کشد
از قبایت جاں بجائے جامہ خواہم چاک زد — کانچناں اندام نازک تنگ در بر می کشد
دل کہ کوہِ غم شد و مژگانت صف بر وی کشید — گوئیا شاہِ جہاں بر کوہ لشکر می کشد
بعد ازیں از لشکرِ ہجراں نیندیشم ازاں کہ — شاہِ عالم قلعہ چوں سدِ سکندر می کشد

نصرتِ دینِ محمد شاہ سلطاں کز شرف
برجِ اقبالش سرازنۂ قلعہ برتر می کشد

آفتاب اندر پسِ کوہ از پئے آں می رود
کز برائے قلعۂ او سنگ بر سر می کشد

تا کند غربیلش از تیر و خرد بیسزد تمام
گرد کوہ از لشکرِ جرّارہ چنبر می کشد

چترِ لعل اندر سرش مانند آں سرخی کہ صبح
بامداداں بر سرِ خورشید انور می کشد

تا سپیدی و سیاہی را خطِ فرماں کشد
بر مثالِ ملک طغرائے معتبر می کشد

شہریارا تیغِ تو کز کوہہا بستد خراج
آفتابی داں کہ او از سنگ زر بر می کشد

فتح کاندر آبِ تیغت آشنا آموخت ست
از برائے بخششت آں آب گوہر می کشد

سر ہمی گردد قلم را بسکہ سودائی شدہ است
تا حسابِ بخششت بر روئے دفتر می کشد

ہر بلا کز چرخ سوئے دشمنت شد نامزد
بر زمیں می آید و تیرِ تو رہبر می کشد

ہر حبیبِ بکرِ مدحت از دواتِ نافہ وش
کلکِ آہو پائے خسرو مشکِ اذفر می کشد

نیست جز مدحِ تو یا خود دعای دولتت
ہر سخن کیں بندہ از طبعِ سخنور می کشد

تا فلک دائم بطوقِ ماہ و تاجِ آفتاب
در سرِ شام و گلوئے صبح زیور می کشد

تاجِ زرّیں نہ بسر کاقبال طوقِ طاعتت
در گلوئے سرکشانِ ہفت کشور می کشد

پختگاں را کرد خاکستر شرارِ طبعِ من
از پئے ایں بر خیالِ آئینہ صورت نما

(بحرِ مجتث مثمن مطوی مخبون وزنِ او مفتعلن مفاعلن مفتعلن مفاعلن)

رخ ز حجابِ زلف اگر آئینہ ساں بروں کشد
کیست مشاطہ کائینہ ز آئینہ داں بروں کشد

بسکه ز بلبلان کشد سرو بباغ سرزنش
چون ز قبای لاله گون سرو جوان برون کشد

چیست میانِ آن کمر بیهده تهمتِ میان
به که گشاید آن کمر مو ز میان برون کشد

گردِ دلِ من ز غم شود در پیِ زلفِ او نهان
شانه مگر ز سرکشی موی کشان برون کشد

هر که بگوشه می کند چشم وی از متاعِ جان
زان خطِ عنبرینِ او فتنه نشان برون کشد

جان کشمش به پیش و دل کم کشدش بسوی من
هم بدلش درون دهم گرچه که جان برون کشد

چونکه در آبِ چشمِ من کشتیِ صبر غرقه شد
کیست که رختِ بیکسی ز آبِ روان برون کشد

من ز فراق در خورم مرده و زنده در گمان
عقل کجاست تا مرا زین دو گمان برون کشد

پر دمِ سرد شد مرا حلق و دهان فغان کنم
نای که پر زند دمم شود طرفه فغان برون کشد

خسروِ خسته را عنان رفت ز دست و دل نشد
گر حشرِ خیالِ او دیده عنان برون کشد

شاد از آن ست بیشتر دل که ز بهرِ او من
گر به زمین فرو رود شاهِ جهان برون کشد

قاآنِ ملکِ جهان ستان نصرتِ حق محمد آن
کآتشِ کینه هر زمان ز آبِ سنان برون کشد

فتح کشند لشکرش شیوهٔ فتح دان که گر
ضبط نگردش جهان لشکرِ خان برون کشد

خصم ز پیشِ لشکرش زیرِ زمین فرو رود
گرچه صفی ز صد برون هرچه سان برون کشد

نیزهٔ مار شکلِ او گشت زبان و از سنان
مارِ اجل کند سخن هرچه زبان برون کشد

ناوکِ او عدو کشد و ز پیِ خون کمان کشان
گرچه که زاغ بایدش هم ز کمان برون کشد

کافرِ زرد پوش را جامه به نیل در زند
آبِ کبود رنگ چون تا ز میان برون کشد

گر مثلِ آفتاب سان تیغ بر آسمان زند
خیلِ ستارگانِ شب خطِّ ا ان برون کشد

بر گر نحیف کند کوه قیامت آرزو — در عرصاتِ رزم اگر گرز گران برون کشد
قلب شکن شهنشها بندۂ کمترینِ تو — قالبِ خاک بشکند قلبِ جهان برون کشد
معدلتِ تو عالمے تازہ کند بچشمِ مہ — تا ری اگر ز مہد تو مہ زکتان برون کشد
خصم بزیرِ تیغِ تو در غلیات بیخودی — ہر چہ یگان در ون برد فتح دگان برون کشد
معدلت تو عالمے تار کند بہ چشمِ ما — تارے اگر بعہدِ تو مہ زکتان برون کشد
کرۂ خنگ چرخ اگر رو بجر دنی آورد — رایض پایگاہ توش در تہِ ران برون کشد
باگلِ خُلقِ تو مگر بست بہمسری کمر — غنچہ کہ پوست از سرش بادِ خزان برون کشد
از پی آنکہ خازنت گنج بخاکیان دہد — خازنِ خاک ہر زمان گنج نہان برون کشد
بہر کفت روان کند آب صفت بہر طرف — زر کہ بجید کاو کاو از دلِ کان برون کشد
گر بخورند بحر و کان بادہ ز جامِ بخششت — جرعۂ تو بیک زمان گوہرِ شان برون کشد
ہر چہ کہ ابر پر کند گوشِ صدف زجودِ تو — صیتِ کفِ تو در دلش در رود آن برون کشد
ختم دعائے تو کند پیر سپہر بہرِ تو — صوفیِ صبح قرصِ خور بر سرِ خوان برون کشد
تا کہ مہ از سبک روی در دلِ شیر در رود — ہر چہ ز برجِ خود کمان چرخ زنان برون کشد
در کفِ چرخ زورِ تو بادِ کمان ماہ تا — پیشِ تو نا در د کہ سر شیرِ ژیان برون کشد

زین شرابِ من قلم مست میگردد چنانک
گر بگیرندش رود از دست و در غلطد بپا

(بحر رمل مثمن مقصور وزن او فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات)

دوش سرمست آن نگار نازنین آمد برون   همچو طاوسی که از خلد برین آمد برون
قامت زیبا و روئے چون بہار آراستہ   راستی گوئی کہ سرو راستین آمد برون
او میان مطلق ندارد اینکہ می بینیم چیست   تار موئے کز دو زلف عنبرین آمد برون
نازنینا تا میانِ خویش بنمائی مرا   زانتظارم دیدۂ باریک بین آمد برون
پاسخ تلخ تو کاندر جانِ شیرین می خلد   نیشِ زنبور ستکان از انگبین آمد برون
چون سخن می گوئی از روی تو می گوید سخن   صورتے کز خامۂ نقاش چین آمد برون
تا بدید انگشترین لعلِ تو ہرگز ندید   دید کز لب از لبِ انگشترین آمد برون
درِ دندانت خبر کرد از لطافت گوہری   کان ز دستِ صاحبِ تاج و نگین آمد برون
نصرتِ دنیا و دین کز چرخ بیرون برد نام   نام او خود نصرتِ دنیا و دین آمد برون
صبح در یک دم زدن صد شمع گردون را بکشت   لیک چون پروانہ زان سامی متین آمد برون
چون بہ عزم مملکت گیری ز دار الملک خویش   رایتِ منصور شاہ شرق و چین آمد برون
خواند گوششش فتح و نصرت را بآوازِ بلند   از یسارش فتح و نصرت از یمین آمد برون
او بہ پشتِ زین نشستہ در رخِ خورشید چرخ   نیش زد آن عقربے کز زیر زین آمد برون
ترکشی پر تیرِ نصرت کردہ بہ عزم شکار   شیر گوئی و نیستان از کمین آمد برون
تیرش آنزا دار دلِ بدخواہ بیرون می رود   نے کسے دیدست کز آتش چنین آمد برون
ناوکِ ترکانش اندر دیدۂ دشمن نشست   پس بخدمت کردنش با ہمنشین آمد برون

صبح وار آفاق بستد چون برون آورد تیغ   تیغ او گوئی که خاص از بهر این آمد برون

بسکه گوهر کرد از شمشیر بهر دست او   گوهر تیغ از حصار آهنین آمد برون

رفت موج گوهر از دریائے دستش بر فلک   ابر را دست امید از آستین آمد برون

گر مثل بارید ابر دست او بر چاه کور   چشمهائے روشنش عین الیقین آمد برون

دولتش را دید و گفت الحمد لله آسمان   از زبان چرخ رب العالمین آمد برون

پادشاها گر نبودے طیب خلقت در جهان   عنبر از سرگین بدی کز نارگین آمد برون

یاسمین پژمرده بود از رشک دم دادش صبا   خنده آنگاه از دهان یاسمین آمد برون

تا گفت سررشتۂ بخشش بسوئے خود کشید   ریسمان از گردن دُرِّ ثمین آمد برون

صبحدم بخت تو ناگه نیزه زد بر کوه قاف   چشمۂ خورشید از زیر زمین آمد برون

گرگ دم از دم طوق گردن ساخت بهر خدمتت   آدمی صورت شد و ز پوستین آمد برون

و آدمی را دوسے کہ پشت پوست سگ در کشید   سگ بود گر در وغا شیر از عرین آمد برون

خواستم از بهر شاه آرم دعائے در قلم   ناگه از نوک قلم سحر مبین آمد برون

مشتری می گفت چون خسرو دعائے بزم شاه   سوئے من دید از زبانش آفرین آمد برون

تا دریں قصر دو در گویند کز دوران چرخ   گر کسے زان در درون آمد ازین آمد برون

از در دولت درآ هر دم بدولت خانه   کارتفاع آن ز چرخ هفتمین آمد برون

این عروسی کز کرشمه نیکوان را توبه داد
گر نگیرندش رود از دست و در غلطد بپا

(بحر رمل مثمن مخبون مقصور وزن او فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات)

باز روی تو خوی آلوده وجعد تو ترست — زلف مشکین ترا باد صبا جلوه گرست
گل شگفت از چمن روی تو در خندیدن — مگر اندر شب زلف تو نسیم سحرست
تا بزیر و زبر رو گل و سنبل داری — سنبل و گل شده از روی تو زیر و زبرست
پیش شمشیر خیال تو سپر میفگند — گل تو روز که هم ناوک غم را سپرست
هر که دید آن خط تر غالیه دانست از مشک — خال مشکین تو چون غالیه دان دگرست
خبرت هست که دی شب چه خرابی کرد — چشم شوخ تو که از مستی خود بیخبرست
نازنین چشم تو هر اشکنه بر من که کند — همه در پرشکنا دادن زلف تو درست
جز حدیث کمرت نیست میان و دهنم — جان تو کین سخن از موی تو باریکترست
صد دل آویختی از بند کمر گفت چیست — گفت زلف تو که آویزش بند کمرست
هر کجا خنده دهنت باز شکر جای گرفت — باز جایی که لبت هست چه جای شکرست
نگشاید مگر آن لحظه که لب بگشایی — کار شکر که گره بر گره از نیشکرست
وصل تو هیچ فراموش نه دل می نشود — گوئیا لطف ملکزاده خورشید فرست
ملک الشرق الپ غازی بن اتز دخان — تاج دولت که ازو ملک عجم تاجورست
از کف او که زر کوفته بخشید بخلق — ای بسا کوفتگی کامده بر روی زرست
از پی خنگ سیه چشم و سفید اندامش — آسمان آینه ساز و مه نو نعل گرست
گر ندیدی که زخاک در او سرمه کند — آن سیاهی نظر افگن که بچشم قمرست

ای جهانگیر سوارے که بهنگامِ مصاف — رائے تو نسخهٔ تقدیر قضا و قدر ست

در نیارد به نظر آئینهٔ گردوں را — هر کرا آئینهٔ رائے تو اندر نظر ست

صورتِ فتح و ظفر می نگرم در تیغت — تیغ و تیرت مگر آئینهٔ فتح و ظفر ست

در پریدن ز عقابانِ هوا می گزرد — تیرِ تو گرچه که چوں اشکرهٔ نیم پر ست

دشمنت گفت به تیرت که مشو سوی من تیز — که ترا آخر روزی بسوی من گزر ست

خصم را خونِ جگر آب شد از هیبتِ تو — آب آنست اگر خصم ترا چه جگر ست

توئی آں شیر که غیر تو نرے نیست بدهر — ور نرے هست هم از قوتِ تیغ تو نر ست

بندهٔ خسرو منم ایں گلِ بستانِ سخن — که ز باغِ کرمت شاخِ امیدم ببر ست

در ثنائے تو سخن چوں دُرِ تر ریخته ام — بنگر آخر سخنِ ریختهٔ من چه تر ست

سرِ موئے سخنم نیست ز باریکی دور — بلکه در مدحِ تو باریکتر از موی سر ست

آبِ صافِ سخنِ خود نبرم بر درِ کس — تیره گویند هر آں آب که در پیشِ در ست

وقت خط کیست که بر حرفِ من انگشت نهد — چوں که بر هر سرِ انگشت مرا صد هنر ست

ایں سخن نائبِ قرآں ست کنوں ختم کنم — بر دعائے تو که نزدیکِ خرد معتبر ست

سرمهٔ چشمِ جہاں باد غبارِ درِ تو — تو بیا تا بجہاں نور فزائے بصر ست

مفلساں ایں سلکِ لولو را بجود بندند لیک
زیب ندهد افسرِ جمشید بر فرقِ گدا

(بحر مجتث مخبون محذوف وزن او مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن)

زهی مبارکِ شاهان ترا سرافرازی　　سرِ ملوکِ جهان تاجِ دین الپ غازی
چو مهرهٔ سرِ اژدر توئی روا باشد　　اگر بگوهرِ والای خویشتن نازی
گهِ کشیدنِ لشکر مهِ نشانهٔ تو　　فراز پردهٔ اطلس کند سرافرازی
گهِ بریدنِ سر تیغ آبدادهٔ تست　　چنان که گوی بر آبِ روان کند بازی
بگو به تیغ که آخر جهان بقبضهٔ تست　　بدشمن از پی جانی زبان چه اندازی
چه گفت نالهٔ تیرت بگوشِ مرغِ هوا　　که پیشِ من چه پری از بلندپروازی
چگونه مرگ تواند که خلق را بخشد　　اگر نه خشمِ تو با مرگ باشد انبازی
نوای خوشدلی از دشمنانِ خود مطلب　　که کس طلب نکند از خزان خوش آوازی
سپهر بگردد ز دورِ مجلسِ تو　　گهی که دستِ مبارک بجام می یازی
تبارک الله جامِ کرم که پردازد　　نعوذ بالله اگر تو بآن نپردازی
شدست خلقِ تو غمّاز مُلکِ پنهانت　　کسی چه عیب کند مشک را بغمّازی
نه بوی خلق بود در دکانِ هر عطّار　　نه شیرِ مرغ بود در دکانِ شیرازی
فلک غلاما خسرو چو گشت بندهٔ تو　　ز روی بنده نوازیش به که بنوازی
چو باغ جودی و نوروز لطف می آید　　که برگ بنده چنان کز تو می سبز سازی
بقات باد بدولت چنانکه هر روزی　　حیاتِ رفته بیکباره از سر آغازی

هرچه از نقدِ گهر این صفحه را در دامن است
پُر گهر گردد جهانے گر کند دامن رها

(بحر مجتث مثمن مخبون   وزن او   مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلاتن)

خجسته باد بدولت رسیدنت بولایت   فراز کوکبهٔ چرخ برکشیدنِ رایت

سرِ ملوک ملک تاج و دل گوهرِ از در   نہے ز جودِ تو عالم بشکر و کاں بشکایت

به پیش رائے تو مرّیخ تیز چشم فلک را   برد به تیزیِ خورشید دستهای کفایت

فلک بروز و بشب بال برکشاده چو عنقا   که رستمی دگرت خواند بر سبیل کنایت

ز نیم نام تو آن زینت است هفت فلک را   که هفت گنبد بهرام راست هفت حکایت

ولایتے که جهان است آفتاب چه گیرد   چو ملک تست جهان آفتاب را چه ولایت

چو خنجرِ تو ز چرخ آمدست نصرتِ حق   مزاح کن ذمِ بدخواه تیز کن بدرایت

بدرس معرکه ناخواندگانِ مکتبِ دین   زبانِ تیغِ تو تلقین کند کتاب بدایت

ز آبِ تیغِ تو شور عدو و شود آرے   نمک فرو گداز و دمش چو کرد سرایت

گهر ز بیم گفت رفت در حمایتِ تیغت   چو باز ندهر هند وفتاده را ز حمایت

حسود تست جبینی که در شکمه بمیرد   که بر بدایتِ عمرش مقدم ست نهایت

عدوت فارغ از اقبال چون لی ز حیات   ولیت ایمن از اقبال چون نبی ز جنایت

ز موئے خویش رسن تافت بهر گردنِ شیرا   بزی که از سگِ زنجیر یافتست رعایت

ایا دو دیدهٔ دولت که روشنی بجهانی ‌‌ ببیں بجانبِ خسرو ولی بچشم عنایت

همیشه کارِ تو با نظم باد زیور کتابت ‌‌ نثار کلکِ گهربار من گزشته زغایت

بشکرم[۵۱] ایں سینه مه دم را چو من نے پیں برم

آری آری با کبوتر کے کند سنقر[۵۲] وفا

(بحر رمل مسدس مخبون مقطوع ‌ وزن او ‌ فاعلاتن فعلاتن فعلن)

دورِ گردوں که تفاخر دارد ‌‌ بملک غازی سنقر دارد

سیفِ دیں گوهرِ تیغ شاهی ‌‌ اے که ملک از تو تفاخر دارد

صورت آں کن که نظیرِ چو توئی ‌‌ جز در آئینه تصوّر دارد

نرگس از غیرتِ خلقت به غم ست ‌‌ خلق داند که تکبُّر دارد

تا کفت دود برآورد زبحر ‌‌ دیدهٔ ابر تقاطر دارد

بلکه ابر از کفِ دریا وشِ تو ‌‌ دامنِ کوه پرّ از دُر دارد

هست از بخششِ دستت که صدف ‌‌ از گهر تنگ دلے پر دارد

هر دم از تیغ تو همچوں حربا ‌‌ رنگ خورشید تغیر دارد

دولت از عنصرِ تو باد قوی ‌‌ تا جهاں قوّتِ عنصر دارد

جاں همی گوید که من شیریں چو ایں شعر ترم

نیست تنگ شیرین جاں لیکن ایں حلاوت ازکجا

---

۵۱ یعنی بشکنم - شکریدن - بمعنی شکار کردن و شکستن دشمن باشد ۱۲

۵۲ شکره ۱۲

(بحر رمل مثمن مخبون مقطوع مسبّغ وزن او فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلان)

ناگهش مست ز گلزار برون آوردند / وز تتق مقنعه رخسار برون آوردند
باز کردند گریبانش که گر بازده بود / سینهٔ چون گل و گلنار برون آوردند
بلبلان ریختنی کف پاش از دل گل / ای بسا زر که بمنقار برون آوردند
گل که در خاک بغلطید ز رشکش اندامش / پاره پاره شده از خار برون آوردند
می نیاید سخن از پستهٔ تنگش بیرون / حیله کردند و بهنجار برون آوردند
دل برون ناید از آن شوخ همین بسیار است / که از آن طرهٔ طرار برون آوردند
تا دعائی که بدانند رخ مسکین دل من / که از آن زلف چو طومار برون آوردند
عاشقان ناله که آلوده بدّ از خون جگر / در زمان ز دل افگار برون آوردند
چون غم سوخته گشتند روان آب حیات / از خط صدر جهاندار برون آوردند
شمس دین مردمک چشم خرد کز دل او / فضل را قیمت و مقدار برون آوردند
از پی کشتن دشمن دو زبان قلمش / گوئی خود از دهن مار برون آوردند
در پناه قلمش جان برد از تیر خدنگ / شرزه شیری که ز نی زار برون آوردند
تیر در سینهٔ بدخواه وی آسان بزدند / لیک آن طرفه که دشوار برون آوردند
دل خصمش که به سختی بکشیدند ز تن / گوئیا سنگ ز دیوار برون آوردند
ای دبیری که پروانهٔ لوک قلمت / تیغ خورشید ز زنگار برون آوردند
زان ولایت که دران خامهٔ تو تیره بزد / علم فتنه نگونسار برون آوردند

گرهِ کلکِ ترا اہلِ سخن بکشادند
زاں ہمہ لولوئے شہوار بروں آوردند

روشِ آبِ روانِ سخنت را دیدند
آب را شیوۂ رفتار بروں آوردند

ژالہ چنداں ز کفِ ابر بروں می‌آید
کہ گہر زاں کفِ دربار بروں آوردند

ہر کرا مہرِ تو در مغز سرش جائے نساخت
از سرش مغز بچقمار بروں آوردند

بر سر از خاکِ جنابِ تو کلاہے دادند
مشتری را کہ ز دستار بروں آوردند

تا بدوزند زرہ از پئے کلاہت خورشید
از قبائے تو کلہ وار بروں آوردند

نافۂ مشک ز خلقِ تو بہ بہسار خزید
ہو گرفتند ز کہسار بروں آوردند

جز دعائے تو ندیدند بہ ہر دل آناں
کز دلِ اہلِ دل اسرار بروں آوردند

تا بگویند کہ صبح آمد و آں خطِ سفید
از سیاہیِ شبِ تار بروں آوردند

بقلم ملک سیاہی و سپیدی گیری
کہ قلم از پئے ایں کار بروں آوردند

روفتی دلہا بیکسو از ہمہ روئے زمیں
اے صنم آخر گرہ زن در سرِ زلفِ دوتا

(بحر مجتث مخبون مقطوع مسبغ وزن او مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلات)

دو زلفِ تو کہ سر اندر زمیں رسانیدست
بلالہ بوی گل و یاسمیں رسانیدست

دہانِ تست چناں تنگ یا کسی از موم
نشاں ز حلقۂ انگشتریں رسانیدست

رواست در حقِ شہد ار ہزار نیش زند
بداں مگس کہ لبت انگبیں رسانیدست

چناں نگیں کہ لبِ تست نقش نتواں کرد
جہاں ترا بچہ نقش از نگیں رسانیدست

خوش ست خندۂ پرویں اگرچہ دنداں را
ز رشک خندۂ تو بر زمیں رسانیدست

اگر بکوہ نہی دل گراں کند بر خلق
گرانیِ کہ میانت از سریں رسانیدست

ہزار نقش بیک تختہ بست نوکِ قلم
کہ نسختِ تو بنقاش چیں رسانیدست

کنوں غمِ تو بیارد کہ گردِ من گردد
مرا خدای چو بر شمس دیں رسانیدست

مجیرِ لطف کہ از جامِ لطف در کفِ خلق
نہ می کہ چشمۂ ماءِ معیں رسانیدست

سوارِ بختِ ز بہرِ براق دولتِ او
ز ماہ نعل و ز خورشید زیں رسانیدست

ہزار معنی چوں موے طرۂ خطِ تو
بچشمِ مردمِ باریک بیں رسانیدست

کجا فتاد گہر در زبانِ کلکش کو
زبانِ طعنہ بدرِ ثمیں رسانیدست

ایا محیط زمینی کہ از کفِ تو سحاب
نفیر و نالہ بچرخِ بریں رسانیدست

حدیثِ خلقِ تو دارد دہانِ گل ہمہ روز
صبا بزلفِ بنفشہ چنیں رسانیدست

ترا سخن کہ نہ سحرست و آدمی صد بار
زمانہ بر چہ تو سحر آفریں رسانیدست

دواتِ تو کہ از و مشک رچہ افتادست
ز خط بکلکِ تو حبلِ متیں رسانیدست

ببرد آب چہ با سبلے سر قلمت
ازاں خطے کہ بسحر مبیں رسانیدست

برائے خندہ زدن ریشِ دشمنت گوئی
کہ طفل بر خطِ تر آستیں رسانیدست

ملک دعائے تو گوید ازانکہ بس فرمان
بریدِ غیب بروح الامیں رسانیدست

ہمیشہ تا کہ بگویند کاں فلاں چنگے
بگوشِ زہرہ سماعِ حزیں رسانیدست

بنوش بادۂ نوشیں کہ دورِ پیست فلک   بدشمنانِ تو دورِ پسیں رسانیدست

نظم سنجاں را چو راند کلکِ من زیں معجزہ
جادُواں را میزند ہر دم کلیم اللہ عصا

بمعنی جادوگراں

(بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف وزن او مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن)

از ما چہ دیدۂ کہ نظر بر گرفتۂ   کارِ ستم چو زلف خود از سر گرفتۂ

ہرگز دلم نخواست کہ برگیرد از تو چشم   از کارِ او اگرچہ نظر بر گرفتۂ

از غمزہ پیشِ چشم صفے برکشیدۂ   ملکِ جہاں بگیر کہ لشکر گرفتۂ

زلفِ سیاہ بر طرفِ مہ نہادۂ   یا ماہ را بدامِ معنبر گرفتۂ

گر باد دام ماہی بافد بروی آب   تو دامِ ماہ بافتن اندر گرفتۂ

ما از صلیبِ زلفِ تو زنار بستہ ایم   تا زآئنہ تو قبلۂ دیگر گرفتۂ

فریادم ار نمی شنوی برحقی ازانکہ   گوشِ گراں بنالۂ زیور گرفتۂ

ہر دم برابرِ تو ہمی کوبد آفتاب   تا رخ بر آفتاب برابر گرفتۂ

ماہِ سریع سیر بتو کے رسد چو تو   فتراکِ صیت خواجۂ کشور گرفتۂ

والا مجیر ملک خداوند شمس دیں   اے کز کرم جہاں ہمہ در بر گرفتۂ

گشتست خامہ بر سرِ دفتر ہزار بار   روزے کہ خامہ بر سرِ دفتر گرفتۂ

ایں سرنوشتِ خامۂ تست از ازل کرد   در خطِ حکم لوح زمیں در گرفتۂ

آن خوب دبتا به پیش تو کارے ست سرسری　　کافاق را بخامه سراسر گرفته
خطت بدین گواست که در گردن قلم　　خون سیاه نافه اذفر گرفته
از نظم گوهرین بورق بر نبشته　　پس دُر که آن بر شته مسطر گرفته
ابر آفتاب را به پیِ دست میکند　　از شرم ساغر تو چو ساغر گرفته
تیغ خطیب اگر نه اے تیغ آفتاب　　از رائے خواجه بهر چه منبر گرفته
هر روز گنبد فلک آوازی دهد　　کاوازه بگنبد اخضر گرفته
گر دست ابر آئنه کردست خاک را　　تو خاک را چو آئنه در زر گرفته
از بوئے خلق خویش که مشک ست بے خطا　　روئے زمیں بغالیه تر گرفته
عنبر ز خاک پائے تو سر بر نمی کند　　تا خاک پائے خویش به عنبر گرفته
اے دیده از برائے چه پی کور میکنی　　آخر نه روشنائی ازان در گرفته
بدخواه را که رشته بگردن فگنده　　انصاف می دهم که قوی خر گرفته
آب حیات تا بابد نوش کن ازل　　فرهنگ خضر و فر سکندر گرفته

زلف پیچان مقام پیچیدن آن خوب روی
پیچکان سوزش ست فام طبعان را دعا

(بحر خفیف مخبون مقطوع　وزن او　فعلاتن　مفاعلن　فعلات)

خم زلفت که مشک چین آمد　　با گل و لاله همنشین آمد

لبِ لعلِ تو کانِ پُر از گُهر است — خاتمِ حسن را نگین آمد
گرچه گُل ناز می‌کند بر شاخ — نه چو روی تو نازنین آمد
کوه را سایه کس نیابد گرد — جز دو زلفت که بر سرین آمد
ای که پیکانِ تیرِ غمزهٔ تو — تشنهٔ خونِ حورِ عین آمد
صورت این کن که چینِ ابروت — رشکِ صورتگرانِ چین آمد
بگزیدم لبت که خون آید — خون برون نامد انگبین آمد
از شبِ زلفِ تو بدست دلم — گشت روشن که شمسِ دین آمد
آفتابِ زمین مجیر الملک — کآسمان قدر و مه جبین آمد
بادی از خُلقِ او به بستان رفت — لاله را بوی یاسمین آمد
از سرِ سروران به پیشِ درش — خاک با مشک توأمین آمد
کلکِ او تیرِ چرخ را بشکست — چرخ را تیر راستین آمد
از پی صید کردنِ دلها — خطِّ او دامِ عنبرین آمد
قلمش را بوقتِ سحرگری — یدِ بیضا در آستین آمد
دشمنش را فلک بجام کشید — زانکه او خام پوستین آمد
ای دبیری که بر سرِ قلمت — آیتِ ساحری مبین آمد
هر صدف را چو دید در سخنت — خنده بر لؤلوی ثمین آمد
دستِ تو تازه کرد عالم را — همچو باران که بر زمین آمد

آبِ رخ چشمهائے بحر بگشت — تا ترا آب در یمیں آمد
خاک شد چون تو از دو دیده بدید — چشم گردون کہ دوربین آمد
تا بپوشد ز سنگ خصم ترا — دامنِ کوہ سنگ چیں آمد
ملک را آمدست ز آمدنت — آفریں باد بر چنیں آمد
مکرما چوں برائے مدحِ تو شعر — ہمہ چوں رائے تو متیں آمد
آفریں بر زبانِ خسرو کن — زانکہ در خوردِ آفریں آمد
شادماں زی کہ بہرِ عمر ترا — از ازل تا ابد یقیں آمد

زیں دقیقہ دار دآنک چاشنی قرص خور
چرخ را باآنکہ جو جو پر دقیقہ است آسیا

(بحر مجتث مثمن مقطوع مسبغ وزن او مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان)

قدِ کشیدہ دلجوی تست راست چو تیر — نشستہ در دل و جانِ منِ غریب و اسیر
چگونہ چشم بہ بندم کہ در میان دو پلک — خیالِ قامتِ تو راست ایستاد چو تیر
بخواب بے تو نہ بندم دو چشم اگر میرم — و بے بہ بندم چشم اگر بگوئیم کہ بمیر
ز انتظار دو ماہیِ ساقِ تو صد چشم — بزیرِ بر بودارم چوں دامِ ماہی گیر
چو جامہ پوشی تاری ازاں حریرِ بکش — میانِ خویش و روکش بجائے تارِ حریر
ہم آخر از تو بکاہید و کور شد با آنکہ — تمام نورِ فلک گرد کرد بدر منیر

سواد عارض خود نقش چشم بنده مکن　　ز مردمان مستان خانه زان خط تزویر
نه آن خطیست خیالی ز زلف مشکینت　　دران عذار که آئینه ایست عکس پذیر
سواد زلف تو زان درهم ست کامد موی　　بنوک خامه چو می بست نقش او تقدیر
نفس ببندم از گریه صد هزار گره　　گهے که بگذرد م یاد زلف او بضمیر
نه ایستد ز دویدن سرشک من هر چند　　که باد سرد منش در کشد بصد زنجیر
سپید کرده ام از گریه حوض خانهٔ چشم　　ز بهر آنکه خیالت درو کند تصویر
در اشک خویش خیال لبت بدیدم آه　　که خون بخورد چه بسیار دیده ام اندر شیر
دل شتر دلِ من می کشد سوی زنخت　　و جاں حین بعیر فحام حول البیر
وگر بچاه زنخدان تو فتد خسرو　　برون کشد ملک مملکت پناه کبیر

قوام دولت قائم مقام پایهٔ تخت
کز استقامت آں پایه قائم ست سریر

سر سران دول پردلان ره ی سپاه　　پناه و پشت ممالک محمد ابن ظهیر
ازان ببام فلک صیت او شتابنده ست　　که گرم گرم نهد سایه بر سپهر اثیر
گهے که شست هنر را گشاده از شستش　　ز چرخ جست روان و زمین فرو شد تیر
به تیر یک چو موئے خصم کرده دو موی　　دو موی کسے که چنین شد چگونه گردد پیر
اجل بصحبت رمحش سریع سیر شود　　بآمدن کند از سوئے دشمنش تاخیر
پرنده ناوک او کز هوا دهد آواز　　هزار مرغ فرود آرد از صفا بصفیر

زا هوا

زہے بدستِ تو سررشتۂ کفایتِ ملک — اسیرِ رشتۂ تو گشتہ صد ہزار وزیر
ازاں گہے کہ ترا از زبانِ تیغ و قلم — بنامہ صاحبِ سیف و قلم نوشت دبیر
زامنِ تیغ فرو خفت درمیانِ نیام — ز سودِ خود قلم آسودہ شد دریں تدبیر
عدو بہ پیشِ تو زن شد کہ جمعِ او بشکست — چناں کہ جمع مونث شد از پئے تکسیر
دواتِ حاملِ تو صد ہزار معنی زاد — ہنوز حمل کند خامۂ تو بہ تقصیر
کسے بروں نتواند کشید از ظلمت — چو از دواتِ تو در چہ فتند مشک و عبیر
گل دگر شگفد ہر زماں معانی را — ازاں قلم کہ رود ہمچو باد در شبگیر
عطارد ارچہ ز تحریرِ تو در آزادیست — ولیک بندہ شدست مشتری ازاں تحریر
نظیرِ خویش در آئینہ ہم مکن صورت — ترا چگونہ بود آنچہ عکسِ تست نظیر
چہ ماند آبِ رواں با تو در جوانمردی — کہ یک روش کند آں نیز با ہزار نفیر
ندا بر دستِ تو پُر در شدہ ہزاراں دست — چناں کہ از نمِ شب برگ ہائے بید انجیر
سحابِ جود تو تقدیر کرد بادریا — چناں کہ گوشش صدف بار شد ازاں تقدیر
چناں بلند شد انبار ہائے دُر ز کفت — کہ در ز روی برو باشدش بار بمطیر
فلک ز منت تو خم شد چنیں بارے — چہ طاقت آرد سقفے کہ باشدش یک تیر
درست شد ز دُرِ نظمِ من کہ در مدحت — چو قلبِ من سرہ کردند ناقدانِ بصیر
بہر دہاں نبود میوۂ دلم در خور — کہ نامدست زہر مرغ خوردنِ انجیر
ہر آں قیام کہ کلکم بکرد در دلِ شب — دعات خواند بہر سجدہ ببانگِ صریر

تو دیدہ زی کہ جہاں کم کند از اں ہر روز   زعمر خلق کہ در عمر تو کند توفیر

از می چرخ ست اے باشیشہ ہائے آسماں
لاف سنگ انداز آخر بر چہ دارد ترا

(بحر رمل مثمن مخبون مقطوع مسبغ وزن او فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلان)

روزہ نزدیک شد و موسم سنگ اندازست   گاہ می خوردن و شادی و نشاط و نازست
مستی آغاز شد و وقت حریفاں خوش گشت   آنچہ وقت خوش مستی ست ہماں آغازست
اہ گلبوئے من امروز کہ مہمانِ من ست   زلف بکشا کہ نسیم سحری غمازست
ستی و رندی دپس راز نہفتن اے دل   پارہ کن پردۂ تزویر چہ جائے رازست
ختِ تقوی ہمہ تاراج فنا شد چکنم   مطرب رہ زنِ عشاق چہ جائے جازست
زہ حیراں ست پیالہ بجاں ساقی   از چہ معنی ست کہ پیوستہ دہانش بازست
چہ لبہا بہ لبت می رسد اے کوزۂ می   اے خوش آنکس کہ لبش با لب تو انبازست
اقیا بحرکشاں را ز پیالہ چہ شود   ہر خم را شکن امروز کہ سنگ اندازست
دہ آنگاہ نوا جوے ز مطرب کہ زمی   ہم تری گل و ہم تری خوش آوازست
زہ می نگر از چرخ چہ خوش ساختہ است   شیشۂ چرخ غمے دارد اگر بد سازست
ے صبا چند برانی ز درم آخر بیں   بزم گاہِ شہ دریا کف و کاں پروازست

۱ مستی

شہ جلال الدین کز ہیبتِ کافر شکنش
لرزہ در کاشغر و زلزلہ در انجازست

بحر دستی کہ ز باریدنِ ابرِ کفِ او — شستہ شد ہر چہ کہ در طینتِ مردم آزست
قفل در بند شد و غلغلہ در زنجیرش — بلکہ دروازۂ قصرش بجدِ درواز ست
عالم از خوشدلی دولتِ آن میمون عہد — چون دلِ دانا از بادِ ہنر طنازست
خسروا این شعر کہ بنوشت کہ بر خواہد ماند — پیش ازاں خاک شد آن پیر کہ در شیرازست
جاوداں باش برین نکتہ سخن موجز شد — مدحتِ تست کہ چون عمرِ تو بے ایجازست

زین شرابِ شکر کز نوکِ کلکِ من چکید
ہم ببوئے مست گردد مردمِ معنی ستا

(بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف وزن او مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن)

از غمزہ پیشِ چشم سنانے برکشیدہ — ملکِ جہاں بگیر کہ لشکر کشیدہ
در پوست می نگنجد ز اندامِ نازکت — پیراہنِ حریر کہ در بر کشیدہ
باریکیِ میانِ تو در گوہرین کمر — گوئی کہ رشتہ بہ گہر در کشیدہ
ہر جا کہ گوہریست برو رشتہ در کشند — تو چون بجائے رشتہ بگوہر کشیدہ
زلفِ سیاہ کرد زنخ را ازاں رسن — در چہ فگندہ و ترسش برکشیدہ
بر پیچِ زلف آبِ سیہ زان بر آفتاب — چون زلف را ز چاہِ زنخ برکشیدہ

اے درکشیده نافهٔ اذفر بموے خویش — آں مو مگر ز نافهٔ اذفر کشیدهٔ

بر روئے تو ز باد پریشاں شدست موے — می بینمت که مستی و ساغر کشیدهٔ

مستی و سرخوشی مگر ایں بادهٔ خوشی — در مجلسِ سپه کشِ کشور کشیدهٔ

والا ملک نصیر دول آں که از خدنگ

در دم دمے ز دشمنِ ابتر کشیدهٔ

نورِ دو دیدهٔ ملک اینک نبی یلی — کز حمله ذوالفقار چو حیدر کشیدهٔ

آیاتِ فتح را ز پے خواندنِ ظفر — بر روئے تختهٔ درِ خیبر کشیدهٔ

از تیغ کردهٔ مغلاں را چو نئی قلم — بس خط بیار نامهٔ کافر کشیدهٔ

رمحت چو از قفائے عدو سر بروں کشد — گوئی زبانش از رهِ دیگر کشیدهٔ

پوشیده ماند اخترِ گردوں ز ابرہا — تا ابرهٔ کلاه بر اختر کشیدهٔ

بس کاں لعل ریختهٔ گاه جرعه ریز — چوں آبِ لعل در قدحِ زر کشیدهٔ

خسرو شدست بلبلِ بزمت نوا شنو — از کامِ بط چو خونِ کبوتر کشیدهٔ

حدِ حیاتِ خود ز پے کوری حسود — میل سه چار زاں سوے محشر کشیدهٔ

فرقِ تو بود بر فلک سیر سبز باد — آں سر که تا به گنبدِ اخضر کشیدهٔ

بسکه شیرین ست ایں نغمه عجب نبود اگر

در ادا ابلیس گردد شاعرِ مدحت سرا

(بحر مجتث مخبون مخبون مقصور وزن او مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلات)

هزار شکر خدا را که بعد سالِ دراز ‌ ‌ ‌ بآستانهٔ مخدومِ خود رسیدم باز
خجسته سرورِ آفاق عزِ دین و دول ‌ ‌ ‌ که شد بوجه قبایت تمام چین و طراز
چراغ چشم بغاتخان که تابِ جبهتِ او ‌ ‌ ‌ هزار شمع فلک را در آورد بگداز
سرافگنی که چو شمشیر در کشد بوغا ‌ ‌ ‌ چنان زند که سرِ دشمنانش گردد باز
هزار ناز کند نصرت و ظفر بروے ‌ ‌ ‌ اگرچه آں نه کشد هیچگه از ایشان ناز
زهے همایون قدرے که باز همت تو ‌ ‌ ‌ فراز سدره و طوبیٰ همی کند پرواز
دهانِ نافه گر از خلقِ تو سخن گوید ‌ ‌ ‌ رهاش کن که نه بست است بر لب اعجاز
چنان گشاد در بستهٔ کرم دستت ‌ ‌ ‌ که آں صریرِ در بند رفت تا درواز
سپهر گشت ز آوازهٔ تو پر غلغل ‌ ‌ ‌ چنانکه گنبدِ مسجد ز صوتِ بانگِ نماز
چگونه صبح جهان را بیک نفس گیرد ‌ ‌ ‌ اگر نباشد با رائے روشنت انباز
چو پا دراز کنی با چهار بالشِ بخت ‌ ‌ ‌ نیاورد که کند بخت با تو پائے دراز
عدو که آب شدش خود ز کوب چندش پیش ‌ ‌ ‌ که پیش ازین نتوان کوفت آب را بجواز
سپهر قدرا مدح ترا چو پایان نیست ‌ ‌ ‌ بجز دعا نکند خسروِ سخن پرداز
مدام بزم فلک تا بود پر از جوهر ‌ ‌ ‌ ببزم تیغ و جواهر فشان و عشرت ساز

بس که در پیچ این لوزینه نهان لذتے ست
هر که انگشتی نهد بروی شود انگشت خا

(بحرِ رمل مثمن مخبون مقصور وزن او فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات)

یارب اندر سرِ هر موی تو چندان چه خم است — زیر آن موی رخت از گلِ خندان چه کم است
هست در بندِ تو دلهای چو ما تافتگان — موبهای که بر آن جبهه پیا ز تاب خم است
چند گویی که مکن صورتِ جور اندر چشم — مردمِ چشم تو خود صورتِ جور و ستم است
ما چو از جورِ تو زنار به تسلیم کنون — هم بروی تو اگر روی بروی صنم است
گاه گاهی که دهی نیم دمی همچو مسیح — زندگانی اگرم هست همان نیم دم است
ای لبا ز خونِ دلم شسته ز بهرِ خودم — تا چه دندان است که لبهای ترا در شکم است
دلِ من سوی عدم رفت بهمراهیِ صبر — از لبِ خود خبری پرس که راهِ عدم است
ماند با خطِ تو چسپیده سیاهی در چشم — زانکه خطِ تو تر و دیدهٔ من پر ز نم است
چه سبب خطِ ترا ماه بود در فرمان — مگر از خانهٔ دستورِ عطارد رقم است

آصفِ دهر علای دول آن دستوری
که همایون قلمش ضابطِ ملکِ عجم است

جامِ گردون بنمود ست جهانی چو دلش — می نماید که دلِ او بجهان جامِ جم است
هست گویی بصفت نامهٔ عمرِ خصمش — هر خطی کز رقمِ او به هر آیینه رقم است
ای جهان بخش وزیری که صریرِ قلمت — هیچ بشنود که آوازهٔ جود و کرم است
هست کلکِ تو جهان گیر چو آوازهٔ تو — کش سیاهی و سفیدی جهان در رقم است
چه عجب گر قلمت دستِ جهان را بربست — با چنان سلسله کز خطِ تو با او بهم است

شد روان بر سرِ کلکِ تو روان آبِ حیات — گرچه هرگز نرود ره که میانِ ظلمست
قلمت شد علمِ ملک و سوادِ خطِ تو — بهرِ سرهای سران سایهٔ پایِ علمست
رمح خطی ست که خوانند الف ممدودت — نصب کن در محلِ رفع که با فتحِ ضمست
تا فته می رود از رای چو خورشید تو روی — ماهِ شب گرد که او راز کواکب حشمست
مگر از جرعهٔ جامِ کرمت شسته شود — دلِ خسرو که بیالوده زاندوه غمست
تا شود بزم ز جامِ مَی چون باغِ ارم — جامِ می نوش به بزمی که چو باغِ ارمست

عینِ این شعرِ روان کز حوضِ کوثر چشمه ایست
می زند از موجِ آبِ زندگانی را قفا

(بحرِ مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور وزن او مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات)

می ریزد از تری تو ای جان فزای آب — ما تشنه ایم تشنهٔ خود را نمای آب
خاکِ درِ تو بر سر و چشمِ ترِ آبِ ماست — پیوسته گرچه خاک بود زیرپای آب
آبِ حیاتی و نشوی آشنای من — تا چشمهای من نشود آشنای آب
چون در کنارِ آب خرامی خیالِ تو — گویی که هست مردمکِ چشمهای آب
ای چشمهٔ زلال مرو گر برای تو — مردم چنان که مردمِ آبی برای آب
می نالم و برای تو می ریزم آبِ چشم — این نالهٔ من ست بگو یا صدای آب
آبِ روان نمی رسد اندر سرشکِ من — خواهی ببین تو آبِ روان یا جرای آب

زین پیشتر بدیدهٔ من جای آب بود
واکنون ببین که شد همه خونها بجای آب

از آبِ چشم بنده بگردد اگرچه هست
سنگینِ دل تو سخت‌تر از ماجرای آب

بگداختم چو آب و بسودی مرا ز دل
کس آب را بسنگ نساید مسای آب

اکنون که آبِ چشم بلاگشت مر مرا
چشم مرا که باز خرد از بلای آب

دریای مکرمت شرفِ دوله فتح ملک

ای آنکه ریزی از سخنِ جان‌فزای آب

آبِ حیات را چه بقا پیشِ خطِّ تو
ای خضر صفوتی که تو داری بقای آب

چون آب در دوات فگندی برای خط
شد خونِ مشک از آن قلمِ مشک‌سای آب

آن تیغها که آب ز خورشید می‌برد
هست از پیِ دوات ترا قطره‌های آب

گوهر در آبِ تیغِ تو نماید از صفا
چون سنگریزه در تهِ آب از صفای آب

اسرارِ غیب در دلِ پاکِ تو روشن است
چون عکسِ مه در آینه رو نمای آب

از آفتابِ رای برافروز چرخ را
در چشمِ اخترانِ فلک توتیای آب

از بهرِ تشنگانِ امید است دستِ تو
دریا که آید و نبود منتهای آب

ای وقت بار شاخِ کرم بیخ فضلِ او
داده ز نوکِ خامهٔ مشکل‌گشای آب

مپسند من پیاده و اسپ کسان چنانک
گنبد کند حباب صفت بر فضای آب

چیزی که در منت زد دیگر کسان مجوی
دانی که در سراب نروید گیای آب

القصه هیچ خر بخدایم رها مکن
زیرا که هست موسمِ ابر و هوای آب

خسروا زین سپس نگذارد رکابِ تو گو برق بار آتش و گو ابر زای آب

فرمانِ تو چو آبِ روان باد در جهان تا در جهان ست خسرو فرمانروای آب

سرحدِ چین ز بندِ قبای تو بسته باد تا دست باد چین فگند در قبای آب

شعرِ این دیوان همه پنجاه و هشت است در شمار

هر که این الم کند یا رب که کم بودش بقا

بگذر از شعرم کنون مهمانِ ترجیعات شو

تا ت در هر خانه هم قلوا رسد هم زیر پا

(بحر مجتث مثمن مخبون مقطوع وزن او مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن)

شبِ برات که روشن کنند هر خانه مرا ز روی تو باشد چراغ در خانه

من از رخِ تو اگر نیستمی برم به برات روم چراغ ز یکخانه در دگر خانه

مراست تیره ز نادیدنِ تو خانهٔ چشم که بی چراغ بود تیره در نظر خانه

ز سوز دل شده ام آتشی که خانهٔ من برای سوختن آید چراغ هر خانه

ز تیغِ آهِ من آفاق روشن است چنانکه ز شمع در نظرِ شاه نامور خانه

فروغِ مشعلهٔ هفت چرخ و نصرتِ دین

که از دو نیزهٔ من دشمن ز تما آتش کین

شبِ برات که در هر طرف چراغ کنند هزار جا دلم از دودِ عشق داغ کنند

گمان چنان برد دم کز دلِ هوای من | شراره ایست مگر هر کجا چراغ کنند
شب ار چراغ شود گلشنی دگر خواهد | ملائکه ز برائے خلیل باغ کنند
گرفت نفطه[1] پری چهرگان که دریابی | هزار خانه بسوزند اگرچه لاغ کنند
مزاح ۱۲
مگر ز مشعلهٔ شاه پرتوے یابند | که بر ستاره و مه دعویِ دماغ کنند

چراغ دودهٔ دولت محمد سلطان
که روشنائی ازو یافت خطهٔ ملتان

شهے که از کفِ کین آسمان برافروزد | جهان ز لمعهٔ نوکِ سنان برافروزد
حدیثِ خنجرِ او آفتاب را نرسد | چه شمع روے اگر ده زبان برافروزد
زبانِ تیغِ وے از تارکِ عدو چون برق | فرو رود بزمین آسمان برافروزد
ز بادِ حمله چراغِ ستاره را بکشد | ولی ز نوکِ سنان در زمان برافروزد
خدایگانا دشمن به عهدِ تو نزید | اگر چراغ ز بادِ خزان برافروزد

توئی که مشعلِ کفر از چراغِ دین کشتی
چراغِ فتنه ز آسیبِ آتشین کشتی

نہے ز نورِ دولت گشت شمعِ دین روشن | نبود هیچ گهے دینِ حق چنین روشن
ظفر ز آتشِ او صد چراغ بفروزد | چو تیرِ تو ببرد ناگه از کمین روشن
کفِ تو بسکه گهرهای شب چراغ بریخت | بماند تا ابد از نورِ آن زمین روشن

---

[1] یہ لفظ ڈھاکے نسخہ میں نفطہ بفتح نون وسکون فا لکھا ہے یہی صحیح ہے۔ نفطہ معرب ہے نفت کا بمعنی "مادۂ آتش گیر" مجازاً بارود ۱۲

جهان ز ظلمت بخل ار سیه شود دستت — کند ز ریختن لعل آتشین روشن
بجود دست تو در هفت پرده روشن شد — چو صورت ید بیضا در آستین روشن

مدار ز رای تو نوری بگوشه گیر چه عیب
که شمع را نتوان داشتن نهان در جیب

خدایگانا دولت بنام تو خوش باد — بدولت آنکه نخواهد ترا مشوش باد
کسی که با تو بموئی کژی کند در سر — چو زلف سیمبران مانده در کشاکش باد
نگار خانهٔ صیت تو بر بسیط زمین — ز نوک خامهٔ نقاش من منقش باد
برای چشمهٔ ملح و چراغ تحسینت — روان طبیعت خسرو چو آب و آتش باد
تراست دیده بیدار و روز خوش بحساب — بخفت بخت عدو تا ابد شبش خوش باد

برات بر تو مبارک بعالم افروزی
برات تو ز تو هر روز بنده را روزی

هر دم این گنج اهل دل را شادی نو بر دهد
چون دل زر دوست را تعلیم علم کیمیا

(بحر رجز مثمن سالم وزن او مستفعلن هشت بار)

عیدست و جام زرفشان صورت نمای صبحدم — ساقی چو عید آراسته صورت برای صبحدم
شد سرمهٔ ظلمت نهان از توتیای آسمان — با چشم روشن شد جهان از توتیای صبحدم

پیر سحرگه خاسته سحری ز نور آراسته — صبح چنین در خواسته هم در دعای صبحدم
از روزه داران مهر لب کز ماه نو بر دست شب — تو جام مهر آیین طلب وزه کشای صبحدم
عیدست بر دریاکشان از کشتی مه درفشان — کو کشتی دریانشان گوهر فزای صبحدم
آن راح روح آمیز کو مهد نشاط انگیز کو — آبستن خون ریز کو خورشیدزای صبحدم
هر روز بادا تا ابد عیدی ز گردون تا برد — بر آفتاب باره بد باران عطای صبحدم

تاج سریر سلطنت دولت شعار راستین
باز سپید مملکت دشمن شکار راستین

ساقی بکرد آن باده شب بر آفتاب افشاندش — وز جام یاقوت سلب یاقوت ناب افشاندش
زان خط مشکین گرد رو مه صید کردی مو بمو — وز جرعهای مشک بو چون بر تراب افشاندش
بزم فلک خلد برین قرابه جوی انگبین — وز باغ رضوان بر زمین نقل و کباب افشاندش
خرم حریف بزم شه وان کز دلش بر مه نگه — وز عکس روی همچو مه گل در گلاب افشاندش
بین شیشه می خوردنش طوق عنبر گردنش — در شیشه خون کم کردنش وز عناب افشاندش
شکل پیاله در طرب مر گوهر جان را سبب — وز بوسه بر یاقوت لب خون مذاب افشاندش
چشم سران نامور حیران شاه بحر و بر — زان بخشش در خاک زر چون آفتاب افشاندش

شه نصرة الدین کز کرم در خاک زر آرد کفش
افتادگان خاک را از خاک بر دارد کفش

آواز مزمار از طرب با مغز جان سازد همی — چون مغز اندر کالبد با استخوان سازد همی

چنگ ار چه پوشد پوستین بند دلباسی بر سرین   در پرده چون ابریشمین رگ بی زبان ساز دهی

نی دارد از سر تا قدم از باد زحمت دمبدم   زان دست نالد بر شکم افغان از آن ساز دهی

آنکس که دهر بد نفس بگسست رگهای تنش   از تار خود بربط زنش رگهای جان ساز دهی

طفل کمانچه بین و ده توهم مو سیاه و هم دو مو   مانند مو آوازه او کز مو زبان ساز دهی

دف کاب ریزندش بسر تا گردش آوازه نه   آوازش از تری مگر مطرب چسان ساز دهی

هر جا که ترتیب طرب امروز جمعست ای عجب   شد ملک عالم را سبب اسباب آن ساز دهی

والا محمد کاسمان بر آستانش سر نهد

دوران چرخ دولتش بر فرق هفت اختر نهد

ای عارضت را برگ گل وز مشک تر گرد آمده   هر روز بر گرد گلت مشکی دگر گرد آمده

تو خط کشیدی بر سمن مه را میان انجمن   پا در گلیم خویشتن زان خط تر گرد آمده

در حد هندستان اگر بسیار گرد آید شکر   خط تو هندستان نگر در روی شکر گرد آمده

شمشیر خارا از چه سو بشکست برد گل را گلو   هست ار چه گرد اگرد او چندین سپر گرد آمده

بسته کمر چون غافلی مخرام و مفکن عاقلی   هر حلقه میدان بیدلی گرد کمر گرد آمده

فردا از آن جولان تو بازی کند چوگان تو   هر گوشه در میدان تو چون گوی سر گرد آمده

ای کرده زان شب چو مه بر روز خونی بی گنه   از جور تو در پیش شه شهر دگر گرد آمده

هندوستان را کی بود از لشکر کافر زیان

از تیغ کافر سوز او تا بست آسا در میان

شاہے کہ اعلامِ ظفر از چرخِ والا برکند　　شد چرخ ازیں عالم علم کاعلامِ او را برکند
از آب کے ماند دلہ سرچشمۂ رخشانِ خرد　　خورشید تاجش چونکہ سر از اوجِ جوزا برکند
خنگش کہ بادآسا رود چوں پر بر بالا رود　　بادِ صبا از جا رود جائی کش از جا برکند
خفت ست پائے دشمنش از دیر غم دربستنش　　بجهد ز تیغِ روشنش گر بیشتر پا برکند
اے آتشیں دریا صفت خورشید در تاب از تفت　　شمشیرِ تست اندر کفت کاتش ز دریا برکند
آنرا کہ بر سینہ رقم کرد از قمر محنت رقم　　افسونِ سودا دمبدم در حشر تابان برکند
زانگونہ کز آبِ سناں در شکر کافرداں　　کاں تیز آب از موتاں سر در بخارا برکند

گو ابر بکشاد از ہوا آبے بنار در بر زمیں
بکشاد چوں ابر کفت بارد ہمہ درِّ ثمیں

جودِ تو چوں از آستیں دستِ زر افشاں برکشد　　ابرے ست کاندر آسماں در فصلِ نیساں برکشد
بحر از تو ہنگامِ سخا زاں گونہ شد مستِ علا　　کز آب مروارید را غواصِ غلطاں برکشد
زیں پس ترازوی جہاں از وزنِ زر یابد ابا　　جودِ تو از سنگِ گراں خیزانِ زر از کاں برکشد
ہست از کفت در قعرِ یم دنداں صدف را در شکم　　غواص از نیش دمبدم دامن بدنداں برکشد
کردی بشمشیر و قلم دستِ بخیلاں را قلم　　تا زاں قلم ہمت رقم بر خطِ فرماں برکشد
ہر سر کز اقبالِ فرش در خط نیارد اخترش　　منشورِ ملکت بر سرش طغرائے فرماں برکشد
بیند گہ جولانِ تو سر در خمِ چوگانِ تو　　آنکس کہ از فرمانِ تو گردن ز طغیاں برکشد
دعوت کہ ملکت را کند نہ پیرِ فرتوتِ فلک　　از کلکِ تیر اندر زماں بر پیر نویسندش ملک

مسند فراز تکیه گه خلد برین بادا ترا | در جام تو تلخاب از نار معین بادا ترا
تقدیر تو قلمون قلم کرد آنچه از دولت رقم | بر جبههٔ کاوس و جم نقش نگین بادا ترا
از هفت خنگ بادپا گنبد کنان اندر هوا | چون تازیان دلربا در زیر زین بادا ترا
روزی که بگشائی عنان بر کافر تاریک جان | مشعل که بفروزد جهان فتح مبین بادا ترا
زنبیان که بر روی زمین بنیاد دین کردی متین | همواره کوشش همچنین در کار دین بادا ترا
آنرا که خواهی کشتنش یک دیدن چشم تو بس | در کار خسرو هر نفس چشمی چنین بادا ترا
وحش و طیور و دام و دد فرمانت را شد نامزد | در ضبط فرمان تا ابد ملک زمین بادا ترا

این شعر چون آب روان آب از روانی گفتمش
چون این معنی بر همه عین المعانی گفتمش

این نمط ترجیع ازان خواندکر تاثیر من
باز می گرداند از خوانندگان خود بلا

(بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور وزن او مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات)

برخاست باز غلغلهٔ جان فزای عید | شد نیم ده کشیم ز نی غمزدای عید
شد راح گوهرین قدح زرنخش خاک | شد خاک عنبرین چمن عطرسای عید
گل می کند شراب ز بوی تو گل سراب | بلبل شده است بلبلهٔ خوشنوای عید
خون خروس خوان می یاقوت رنگ را | کافگند سایه بر سر عالم همای عید

قرابه بین که کرد برون پنبه را ز گوش   تا بشنود ز ساقی رعنا صلای عید

ریخته لعل رخش شه عید ساقیا   جام زریست لعل بها از بهای عید

چشم ستاره داند ابروی ماه نو   کامد غبار مرکب شه توتیای عید

مالک رقاب نصرت دین افسر ملوک

عالی نسب محمد سلطان سر ملوک

بگشاد صبح عید ز رخ چون نقاب را   بنمود ساقی آن رخ چون ماهتاب را

اینک رسید وقت که مردان آب کار   گردان کنند هر طرفی کار آب را

عید مبارک آمد و از بهر دوستان   ساقی مگر ز شیشه برون زد گلاب را

قرابه می ز شیشه برون ریخت عیب نیست   بترا دوا ز شیشه بریزی گلاب را

ساقی از آن دو چشم که در بند خفتن است   صد چشم بندی است که آموخت خواب را

مطرب به پرده که تو دانی بگو بچنگ   کای پیر کوز پشت چه کردی شباب را

امروز حلقهای بریشم چه لایق است   در مجلس شه اند پی گوش رباب را

از سهم خود چو تیر ظفر بر کمان نهاد

صیتش چو آفتاب سر اندر جهان نهاد

مطرب ترنم تر مستان بباخته است   ساقی کمیت تند طرب را نواخته است

عید آمد و شهاب بمیدان سبز چرخ   امشب نه شام تا به سحر نیزه باخته است

هم عود را نسیم صراحی بسوخته است   هم چنگ را سماع مغنی بباخته است

از تابشِ شراب که لعلےست آبدار گوہر چو ژالہ در دلِ دریا گداختہ است
آوازِ مطرباں کہ شدست از شراب تر رشکِ نوائے بلبل و آواز فاختہ است
شاید کہ دف بپوست نگنجد کنوں کہ باز نائی نفس نفس نَے خود را نواختہ است
شکلِ عنان ست ماہِ نو سبز خنگِ شاہ امروز بر عنانِ فلک سر فراختہ است

تا تیغ آفتاب بزیرِ رکابِ اوست
اقلیم بے حسابِ فلک در حسابِ اوست

شاہے کہ زر ز بخششِ او در گداز شد سرو ے کہ شاخِ دولت او سرفراز شد
خاکِ زمیں ز یادِ لبش مشکبوی گشت شمعِ فلک ز نورِ رخش در گداز شد
بدخواہ سوے لشکرِ او گر کشاد تیر از ہیبتش بجانبِ بدخواہ باز شد
چوں از زبانِ خنجرِ او قطع شد سخن در مدحِ او فتاد و حکایت دراز شد
بازوئے مملکت علمِ ملک گیرِ اوست فتح و ظفر بران سرِ بازو طراز شد
تا ابرِ بخششِ تو برآمد بر آسماں خورشید را بسایۂ دستت نیاز شد
بادِ صبا ز گلشنِ بزمت حکایتے در گوشِ غنچہ گفت و سرِ غنچہ باز شد

تیغے کہ بست شہ چو بخورشید می رود
انیست بستہ طرفہ کزیں تیز می رود

خلقش سخن ز نافۂ تاتار می کند زاں باد خاک بر سرِ گلزار می کند
خس مہرہ ایست پیشِ کفش زر چو کہربا چوں کاہ می رباید و ایثار می کند

تا چند بر عدو زند از خونِ خصم رنگ　　دندانهائے تیغ گہروار می کند
اے خسروے کہ ناوکِ خارا شگافِ تو　　سوراخہا بہ بینیِ کہسار می کند
بر کوہ بس گراں ست کہ ہر لحظہ بر رود　　کو از تو ہر بزرگیِ بسیار می کند
وصفِ جہاں گرفتنِ تو می کند بیاں　　تا تیغ را برزم زباں کار می کند
میکوبِ طبلِ جود کہ صد بختِ خفتہ را　　آوازہائے طبلِ تو بیدار می کند

روزے اگر حسودِ تو دنداں کند سفید
شمشیرِ تو ز خشم بلرزد چو برگِ بید

اے آفتاب خاک شدہ پیش روے تو　　وے نورِ آفتاب شدہ خاکِ کوئے تو
تو نیز دولتی بجہاں ہمچو آفتاب　　زہرہ کرا کہ تیز بہ بیند بسوئے تو
چوں بر سرت کلاہ سرے دید چرخ گفت　　کاے صد کلاہ بر سرِ لحیا بموئے تو
اے کارِ بخشش از کفِ دستت رواں چو آب　　با دا آب تا بروزِ قیامت بجوئے تو
وصفِ نسیمِ خلق خود از نافہ باز پرس　　تا پوست باز کردہ بگوید بروئے تو
زیں آرزو بمرد حسود و کہ ہیچ وقت　　باشد شہا بمردنِ او آرزوئے تو
گوئی سرِ عدو ست کہ در وقتِ باختن　　چوگانِ چرخ بازیِ یابد بکوئے تو

از گردشِ سپہر غلامِ تو اختر ست
جانش غلامِ گردشِ ایں چرخِ اخضر ست

راے تو بر بساطِ جہاں کامگار باد　　خاکِ درِ تو مشکِ خطا و تتار باد

تا میوه بار می دهد از بارگاهِ شاخ — در بارگاهِ چرخ ترا چار یار باد
اندر زمینِ نرم ز بارانِ تیرِ تو — بر هر طرف شگفته و صد لاله زار باد
چون در مصاف آتشِ تیغت زبان زند — پرّان سرِ حسود تو همچون شرار باد
در پشتِ خنگِ بخت بجولانگهِ ظفر — دایم رکابِ دولتِ تو پایدار باد
زان مے که دستِ چرخ بریزد بجامِ تو — اندر دماغِ خشکِ عدو صد خمار باد
تا نصرتِ خدائے جهان بر سریرِ ملک — عمرِ تو در عمارتِ دین بیشمار باد

این شعر ترکه یافت معانی ازو کمال
آمد ز آسمان بنقش رویة الهلال

این بساط نو که نطع ناظمان را کرد طے
دور نبود گر قیامت را بپیچد بوریا

(بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف وزن او مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن)

اے دولتِ ترا دو جهان در پناهِ ملک — وے بختِ نیک نامِ ترا نیک خواهِ ملک
بالائے قست بر سرِ بالین بگاه بار — سرے ببالش آمده در بارگاهِ ملک
تا تو کلاهِ ملک نهادی بفرقِ خویش — خورشید سر نهاد چو دید آں کلاهِ ملک
سایه ست زیرِ چترِ تو دان ظلّ چتر نیست — ظلّ خداست در تهِ چترِ سیاهِ ملک
تا بندگانت را نشود قبله مشتبه — کس را نداد با تو خدا اشتباهِ ملک

تا خنگ ملک دشمن تو زیر رانت دید — کاهی شد از حسد خس آن سینه کاه ملک

بر بوی ره کند فرست زیر پای او — شانه که در میان سران کرده راه ملک

دعوی تو بملک درست است کز قضا — هم عدل تو براستی آمد گواه ملک

گفتم بعالم از چه ز آفات ایمنی — گفتا از آن که داشت مرا در پناه ملک

سلطان معزّ دنیا و دین کیقباد شاه

یک دیده و دو مردمک چار پادشاه

ای از سر کرم بتو داده خدای تاج — وی گوهر بلند تو زیور فزای تاج

دریاست گوییا بسر آورده تاج موج — فرق مبارکت که شده آشنای تاج

تاج ترا سر آمده کار ملک کرد — پیشانیت که شد بجهان پیشوای تاج

گر تاج بر رود بسرت جای انس نیست — چون همت تو کرده بسر خویش جای تاج

هستی بروی سرخ جگر گوشهٔ شهان — چون لعل در خور آمده خاص از برای تاج

رنگی بچرخ ماند شفق خواندش آسمان — تا شد بسرت با وج فلک لعل سای تاج

آن آفتاب نیست بگردون که بلکه هست — آیینهٔ فلک شده صورت نمای تاج

وان گونه کآفتاب بیاقوت می دهد — دریوزه کرد از آن گهری با صفای تاج

ای صبح تاج زر بغلط دادهٔ بچرخ — من گوییت که کیست بعالم سزای تاج

سلطان معز دنیا و دین کیقباد شاه

یک دیده و دو مردمک چار پادشاه

ای چار بالشِ تو شده پشتبانِ تخت	پشت از تو یافت بالشِ عالی مکانِ تخت
تختِ تو چون بگردنِ گردون نهاده بار	گردون خمیده ماند ز بارِ گرانِ تخت
بگرفت جمله بیضهٔ عالم بزیرِ پر	همچون همای چترِ تو بر آشیانِ تخت
اطلس که نام یافت نهم پردهٔ فلک	پرکاله ایست بر سرت از سایبانِ تخت
دستِ زمانه بر فلکِ خویش زه کند	یک پایه گر بدو دهی از نردبانِ تخت
بر رفت مه به بختِ تو ناگه چو بر دوید	دوران فتاده در سرش از آسمانِ تخت
می خواست مه ز گردشِ دوران فرو فتد	لیکن ذنب گرفت ورا بر کرانِ تخت
چرخ ست دزدِ گوهر و آن دزدِ گوهرین	لیکن چه غم ز دزد چو شد پاسبانِ تخت

سلطان معز دنیا و دین کیقباد شاه

یک دیده و دو مردمکِ چار پادشاه

ای فرقِ تو بجاه رسانیده کارِ چتر	وز رویت آفتاب شده سایه دارِ چتر
چترِ تراست چون ته و بالا دو آفتاب	سایه چگونه باشد اندر کنارِ چتر
تا هر زمان باوج رسد آفتابِ ملک	جوزات گوییا کمرِ زرنگارِ چتر
حقِّ جوار را بفلکِ سایه بر فگن	سر بست بختی فلک اندر جوارِ چتر
چترِ سیاهِ تو شبِ معراجِ دولت ست	سیارگانِ شب گهرِ سایه دارِ چتر
هر ذره زیرِ چتر قطرهٔ بارانِ رحمت ست	تا از جهان فرو دنشاند غبارِ چتر
شاید که هم بگوهرِ پروین شرف کند	زانرو که بست گوهرِ خود را ببارِ چتر

تو برگرفته چرخ و عطارد ببامِ چرخ　　بنوشت بر ولایتِ بالا نشارِ چتر
گفتم بملک چتر ترا کار شد بلند　　گفتا بگو بیت که چنیں کرد کار چتر

سلطان معز دنیا و دیں کیقباد شاه
یک دیده و دو مردمکِ چار پادشاه

ای دستِ دولتِ تو گهرچینِ دورباش　　بر بازوی تو تکیه و تمکینِ دورباش
پولاد دورباشِ تو چندان گهر فشاند　　کاسوده شد علاقهٔ زرینِ دورباش
یا زآبِ دورباش مگر قطرها چکید　　در شد بجامهٔ گهر آگینِ دورباش
شد چار پایه کرسیِ نه پایه تا بود　　اندر ته سه پایه گهرچینِ دورباش
از تابخیِ درچو تشنهٔ خوں شد زباں کشید　　خونِ عدوست شربتِ تسکینِ دورباش
خود جاں که داشت خصم بجا بذر خاص داد　　بر جانِ خود چو دید همه کینِ دورباش
آهنگِ دورباشِ تو بر جانِ خصم زد　　تنگ آمده ازاں شده تزوینِ دورباش
نمود روی فتح و ظفر پیشگی چو یافت　　آئینهای روشن از آئینِ دورباش
هر ساعتیش سورهٔ فتح ست بر زباں　　دانی که کرد ایں همه تلقینِ دورباش

سلطان معز دنیا و دیں کیقباد شاه
یک دیده و دو مردمک چار پادشاه

ای عهد دولتِ تو به پشتِ بلندِ پیل　　بخت از پیِ نشستِ ترا عهد بندِ پیل
خورشید گوئیا که برآید به پشتِ کوه　　آندم که بر دوی تو به پشتِ بلندِ پیل

چک ۱۲

کوهِ گران که کوهِ قیامت برد ز باد   بنگر تو سازیش ز تنِ زورمندِ پیل

از بهرِ ژاله سنگ دو هر پیل ابر را   گوئی که در هوا فگند چار[1] بندِ پیل

دندانش بر زمین چو عدو را فرو برد   گاوِ زمین دریده شود از گزندِ پیل

خرطوم حلقه حلقه کمندے بحلقهاست   یارب چه حلقهاست چنان در کمندِ پیل

خود پیلِ تو ز گرم روی برج آتشی ست   جانِ عدو بر آتشِ بندت سپندِ پیل

کرده چو سرخ روی تو خون ریز دشمنان   باشد میانِ کوکبه صورت پسندِ پیل

سلطان معز دنیا و دین کیقباد شاه

یکے دیده و دو مردمک چار پادشاه

بادا جهان همیشه بکامِ تو شهریار   شاهانِ روزگار غلامِ تو شهریار

محمود چون بدی شدی اندر پناهِ ملک   محمود از تو باد مقامِ تو شهریار

همواره بامِ فضلِ تو از نه فلک یکی   با نه فلک یکے شده نامِ تو شهریار

آن ابلقِ زمانه که کس ندهدش نشان   برلبشهٔ دوال ستامِ تو شهریار

تا صیتِ دولتِ تو برد شرق را بغرب   بادِ صبا اسیر بکامِ تو شهریار

تا هر زمان نشسته چه خوش با مراد و کام   هر دم مئ مراد بکامِ تو شهریار

از هفت شیشهٔ فلکی دورِ تو مدام   وافاق مست دور مدامِ تو شهریار

خسرو ز جامِ جودِ تو سیراب می که هست   امیدوار جرعهٔ جامِ تو شهریار

---

[1] کنایه از عالم و دنیا

بادا همیشه سکّهٔ تو چوں درم درست　　بر روے سکه خطبه بنامِ تو شهریار

سلطان معزّ دنیا و دیں کیقباد شاه

یک دیده و دو مردمک چار بادشاه

می‌ترا و د آب سرچا باشد ایں شعر از تری

منکرش خس پوش کاندر زیر آں دارد ریا

(بحر رمل مثمن مخبون مخبون مقصور　وزن او　فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن)

صحنِ گلزار پُر از نغمهٔ مرغانِ هوا ست　　خیمه در باغ زن اے گل که گهِ برگ و نوا ست

غنچه رازِ دلِ خود گرچه نهاں می‌دارد　　سخنِ سبزه و بلبل همه اندر صحرا ست

ساقیا خیز که در پیشِ رخِ گلگونت　　نرگسِ مست بخفت و گلِ سوری برخاست

باد را گرد سرِ زلف مده گشتن از انکه　　آں پریشانیِ زلفت همه از بادِ صبا ست

قدحے بخش بخسرو که هواے باده است　　آں خیالِ بخششِ ابر ست که بر یاد هوا ست

همه در راست بود نالهٔ بلبل در سرو　　چوں که بر خار نشیند هنرِ خود آرا ست

اے بنفشه سخن سرو چو برخاست بگو

سر فرو چند کنی گوشه نشیں راست بگو

باغ پُر غلغلهٔ نغمهٔ دستاں گشت است　　در رخِ گل همه آفاق گلستاں گشت است

بوئے مشک ست که از سوئے چمن می‌آید　　زلفِ سنبل مگر از باد پریشاں گشت است

سوسن از شرم سر افگنده بماندست مگر — تیغ بر گل بکشیدست و پشیماں گشت ست
بعد ازیں چشم نگهدار تو اے نرگس از انک — خرمن باغ پر از سنبل و ریحاں گشت ست
بید را باد گرفت ست از آں می لرزد — یاسمین را که گرفت ست که لرزاں گشت ست
بیجگر خون صراحی بمن آور ساقی — که مرا تار بریشم چو رگ جاں گشت ست
تا گل روئے ترا دیده ام اے سرو بلند — غنچه در چشم من از دل شده پیکاں گشت ست

شاخ شد حامله شو خار ولایت گردا

می خور امروز که داند که چه آید فردا

دیده رخسار ترا آئینهٔ جاں گیرد — لب شیرین ترا چشمهٔ حیواں گیرد
از برائے دل من گیر یکے گل بردست — تا گل از دست تو انگشت بدنداں گیرد
لاله کردار اگر خنده زنی دامن کوه — اے بسا سنگ که در لالهٔ خنداں گیرد
دستش از بند جدا کن که گهِ گستاخی — بندے از طرهٔ مشکین پریشاں گیرد
زلف مشکین ترا عاشق مسکیں پس ازیں — در دل خویش گرفت ست که در جاں گیرد
چوں که بے روئے تو نتواں گلستاں دیدن — دل من عیب مکن ار نه گلستاں گیرد
هر که خواهد که ز دست تو مرا باز خرد — در زمان پائے ملکزادهٔ گیهاں گیرد

اختیار دل آں شه که جهاں را جان ست

روشن ست ایں که چراغ دل کشلیخان ست

شهسوارے که اگر زیں بسمند افگند ست — صورت نیزهٔ او بیخ عدو بر کند ست

دشمناں را بپراگند سمندش بوغا — باد خس را عجبے نیست کہ بپراگندہ است
بادہ خور دست نہ کاسِ سرِ دشمن تیغش — زاں سبب گوہرِ خود جملہ بروں افگندہ است
دشمنش زندہ نماندست یکے در عالم — آنکہ زندہ است ہم از بازوی او تا زندہ است
تا زگنجِ کرمش باد بنرگس زر داد — چشمِ نرگس بزمین ست مگر شرمندہ است
ابر چوں دیدہ کفش گفت بآوازِ بلند — کہ رہے دستِ ترا درگہِ بخشش بندہ است
گل بگستاخی در مجلسِ او می خندید — باد زد در دہنِ او کہ چہ جائے خندہ است

ابرنیساں زکفش چوں سخن آغاز کند
چوں بدریا برسد گوش صدف باز کند

خسروا چرخ ز تیغِ تو جہاں می دارد — چرخ را دستِ تو بر نوکِ سناں می دارد
گردناں گر نہ عطائے تو بود خاک شوند — آں ہمہ سرفگناں را ہمہ آں می دارد
دشمنت در ہوسِ زندہ شدن می میرد — تو مسیحی بزبانش چہ زیاں می دارد
آبِ سیم ار ببرد نیست عجب چوں کفِ تو — سیم را بہ صفتِ آبِ رواں می دارد
آب گردد گہر از دستِ سخائے تو ولیک — تیغِ تیزِ تو مرا او را بزباں می دارد
در جہاں داشت ترا بہرِ جہانداری را — یک جہاں دار کہ او ہر دو جہاں می دارد
غنچہ از غیرتِ خلقت جگری خوں کردست — لیکن از نرگسِ غماز نہاں می دارد

سرفرازاں ہمہ در پیشِ تو افسر بنہند
در کلاہِ تو بہ بینند و رواں سر بنہند

چرخ بر روی زمین کارِ ترا گردان کرد / بخت بر نامهٔ دین نامِ ترا عنوان کرد

هر کرا گفتی که پیشم بزمین بوسه بزن / بزمین بوسه زد و حکم ترا فرمان کرد

بادپای تو چو برخاست بجولان گفتم / خاست آن باد که در سایهٔ گل جولان کرد

زخم چوگانِ تو چون دید سرِ گوی بگشت / آن چه لعب است که در بازوی تو جولان کرد

نوکِ تیرِ تو جدا کرد بهنگامِ مصاف / کمرِ کوه که از تیغ جدا نتوان کرد

پیل را گفتم خون ریز حسودِ شه را / پیل این خدمتِ لایق ز بنِ دندان کرد

عاقبت در دلش از خاکِ درت یاد آمد / هر که در چشم گهی سرمهٔ اصفاهان کرد

دهر را بر درِ ایوانِ تو سر می بینم
آسمان بارگهِ تست چو در می بینم

شهسوارا کرهٔ بختِ تو در جولان باد / جای جولانِ کمندِ تو سرِ کیوان باد

هر که ننهد چو قلم بر خطِ فرمانِ تو سر / در قلم کردنِ او تیغِ ترا فرمان باد

وانکه چون چرخ بگردِ سرِ او می گردد / تا ابد چرخ بگردِ سرِ او گردان باد

هر زمان تیغ گهردار فلک می گوید / نصرتِ تیغِ شه از گوهرِ کشلیخان باد

از پیِ آن که بد اندیش ترا گاز نهد / چرخ همچون اره سر تا بقدم دندان باد

تا ز باران و ز باد است گلستان تازه / در گلستانِ کرم ابرِ کفت باران باد

آن مبادا که نخواهد دلِ تو در عالم / هر چه خواهد دلِ تو در همه عالم آن باد

این قصیده که همه ورد کند ایامش
مورد الورد و نهادست معانی نامش

در ملا گویم که خلوت گاه این شعر منست
آن که بر نه چرخ گوئی الخلا و الملا

(بحر مضارع مثمن محذوف وزن او مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن)

منت خدای را که بمنزلگهِ ظفر　　آمد ببرج خود ملکِ مشتری نظر
شه اختیار دولهٔ چرخ منزل آنکه　　بگذشته ماه رایتش از منزلِ قمر
می ریخت از لگامِ براقش چو برق نور　　زین سان لگام ریزشه آمد ببرج در
گلگونِ او برویِ زمین پای می نهاد　　پایش چو دید گرهٔ گردون نهاد سر
دریا چو دید بخششِ او کرد بهرِ خلق　　هر دُر که در خزینهٔ آب ست جمله تر
از گردِ لشکرش که برآمد بر آفتاب　　کس را نیاید آئینهٔ آب در نظر
زر را به نیم جو چه بسنجید جودِ او　　بی سنگ شد ترازو و بی وزن گشت زر

تیغ روانِ او ز عدو زان گریخته است
آبی ست گوئیا که کس آن را نریخته است

چون در شد بلند شهِ مشتری شعار　　دامن کشان به تیزیِ خورشید شد سوار
چرخ از سنانِ نیزه زمین از خیالِ نعل　　گشته چو دامِ ماهی و اندامِ سوسمار
بر نیزهٔ دراز، سنانِ کبود رنگ　　گوئی که آمده است برون از دهانِ مار
افتاده بر کلاه سران سایهٔ قلم　　و اسپانِ دیو گیر شده جمله سایه دار

زان ماهیِ نشانه که از زنده شد چو آب | پیوسته در درونهٔ خالی ست خار خار
تا پای خنگِ تو بزمین آمدست هست | زان رو زبا زد در دلِ چرخ از زمین غبار
بیهوش گشتی از فزع و بانگِ طبلِ خلق | گر نوبتِ بلند نگفتی که هوش دار

نیک اختران سوار بر ایوانِ ماهِ نعل
روئے زمیں گرفته سراسر کلاهِ لعل

رو می نماید آئینهٔ جامِ آب گون | آئینهائے ثانیِ جمشید بین کنون
چون بحرِ آبگون قدحِ موج می زنند | بے آبگی نه می شود این بحرِ آبگون
آئینهٔ مراد که آرد بدستِ من | بیرونِ جامِ می که صفا دارد از درون
جوشی که در دماغِ صراحی ست از شراب | ساقی تواند آنکه برد از سرش برون
ساقی تمام بر صفتِ مه بر آمده | وانگه مهی که روز بروز ست در فزون
زو خون گرفت مجلس و کس نے که گویدش | کاے ترکِ خون گرفته سرت از گرفتِ خون
زلفش که بر نمی کند از پیچ روی سر | گوئی ز شرمِ بخششِ شه گشت سرنگون

بنمود چرخ را بزمینِ جهان فروز
بستد ز آفتابِ فلک ملکِ نیمروز

صبح ست باد گل که بگلزار داده رنگ | بر آبِ خویش آمد و از آب رفت رنگ
برگیر شیشهٔ می و آهسته بکش | دست تو گر ز کوهِ غم آید بزیر سنگ
اے چنگی که چنگ ببر در گرفته | مگذار زینهار ز دستت گرفتِ چنگ

وان نائے تنگ حوصلہ را بیں کہ سخن — در تنگی افتدش نفس اندر دہانِ تنگ
از چرخ اگرچہ قامتِ دف چنبری شدست — بارے سفید پوش ہمی بینیش برنگ
ساقی پیالہ بر کف و از پستہ نقل ریز — در جوز مغز پستۂ تر زان دہانِ تنگ
تا چشم او ز خواب در آمد چناں خوش ست — گوئی کہ دید روئے سرافرازِ روم و زنگ

جائے کہ تیغِ شاہ در آمد بسر کشی
اے تیغ آفتاب تو بارے چہ درکشی

شاہے کہ گرم کرد چو در زیر راں سمند — سوز د جہاں بر آتشِ آں باد پا سپند
واں خنگ گرد مہرہ چو در باختر شود — گوئی کہ باد مہرہ بروے ہوا فگند
تیرش بلند می پرد آنجا کہ راست است — از قوتِ کسے ست کہ او می پرد بلند
شیرینیِ بہ نیزہ دہد لعب دستِ او — از دے دہد تہی گہ نے نیزہ پر ز قند
آوردہ سحرِ او دلِ دشمن بہ بندِ خویش — تا کرد جعد پرخمِ او زیر موے بند
پیچاں کمند او ست نہنگے کہ بد سگال — بر خویشتن بہ پیچد اگر بیند آں کمند
خواہد کہ ابر چوں کفِ او دُر فشاں شود — چشمک زند ستارہ کہ اے برق زو بخند

شاہا چو دید دست ترا ابر راستین
دریا ز شرم دست کشید اندر آستین

اے کز خیالِ تیغِ تو خورشید گشت زرد — سر سبز شد ز خالِ رخت چرخِ لاجورد
گر کرۂ زمیں نشود خاکِ پائے تو — صد نے بر آورد ز زمیں کرۂ تو گرد

شمشیر تست قطرهٔ آبی که روز رزم — آن را بخورد دشمن و بر جای گشت سرد
خوش خورد آب تیغ تو دشمن ز دست تو — وانکس که آن ندید دمی آب خوش نخورد
گر هست دشمنت بمثل همچو آفتاب — بر وی مشو تو تیز که هست آفتاب زرد
فریادرس شها که ز دست سخای تو — از گریهٔ ابر خون دل و لاله آب کرد
نرگس ز خاک مجلس تو توتیا کند — از چشم زخم خار چو چشم آیدش بدرد

دستت که کرد گاه کرم سوی سیم پشت
از تیغ زر ستاند و انگه دهد بهشت

شاها تویی که تیغ تو با خصم بد نژاد — دی گفت دل من بده از سهم جان بداد
خسرو منم که بهر نثار تو دست من — نقد معانی از گره کلک برگشاد
تیغ از نهیب کلک من از دست رفته بود — شد بر قرار خود چو شهش دست رست داد
گوهر که کارد از قلم من بدخش کرد — با تیغ گوهرین همه اندر میان نهاد
می گفت باد شب سخن شعر من بآب — از گریه آب را گره اندر دل اوفتاد
خود را ز دست تو فراموش کرده ام — لیکن دعای شاه مرا دم همیشه یاد
تا آب و باد تند رود بر مراد خویش — در صحن عالم اسپ مراد تو تند باد

این شعر آبدار بخوبی چو شد تمام
گردون حدیقة الحقایقش نهاد نام

بسکه از خونِ شهیدان ست نقش این حرم
نام این نعت الغزا گفتیم فی نعت الغزا

(بحر رمل مثمن مقصور وزن او سه بار فاعلاتن و یک بار فاعلات)

واقعه است این یا بلا کز آسمان آمد پدید
آفت ست این یا قیامت کز جهان آمد پدید

راه در بنیادِ عالم داد سیلِ فتنه را
رخنهٔ کامسال در هندوستان آمد پدید

مجلسِ یاران پریشان شد چو برگِ گل ز باد
برگ ریزی گوئی اندر گلستان آمد پدید

هر مژه بی دیدنِ یاران سنانی شد بچشم
تیر بالا چون ز نوکِ هر سنان آمد پدید

دل نه پیچد چون؟ ز نامه رشتهٔ صحبت گسست
در نه ریزد چون؟ خلل در ریسمان آمد پدید

بسکه آبِ چشمِ خلقی شد روان از چار سو
پنج آبِ دیگر اندر ملتان آمد پدید

خواستم من تا ز آتش بر زبان آرم سخن
صد زبانِ آتشینم در دهان آمد پدید

سینهٔ خاکی بکندم گریه بکشاد از دو چشم
چون زمین کاویده شد آبِ روان آمد پدید

جمع شد سیاره در چشم و دگر طوفان شود
چون ببرجِ آبی انجم را قران آمد پدید

گریه هم بی پوست روی می کند با من کنون
پوست از روی هم برفت و استخوان آمد پدید

مردمان بودند تا سیرِ قران را منتظر
اینک اینک خسروا آثار آن آمد پدید

من نخواهم چون جهان جمعیت داین کی شود
خود خیال ست این ثبات اینقش پروین کی شود

تا چہ طالع بُد کہ شاہ از مولتاں لشکر کشید — تیغ کافرکش برائے کشتنِ کافر کشید

چوں خبر گردیدش از دشمن بر آں قوت کہ داشت — بے محابا خشم در سر کرد رایت برکشید

انچہ حاضر بود لشکر لشکرے دیگر بجست — زانکہ رستم را نشاید منّتِ لشکر کشید

یک کششِ از مولتاں تا باکہا ور اوفتاد — یعنی اندر عہدِ من کافر تواند سر کشید

من نہ آں شیرم کہ شمشیرِ چو آبِ آتشم — از کششِ بر جانشاں از خاک و خاکستر کشید

بسکہ برگِ خونِ ایشاں سر رواں کردم چو آب — ہمچو بط بر پرِّ کرگس بر سرِ خواں برکشید

زاختراں چشمش رسید از دست مانند از شہاب — میں باید تافت و اندر چشمِ ہفت اختر کشید

غرۂ مہ شد محرم نے بروئے بر کلِ خلق — چوں سلیح اندر گلوئے دشمناں خنجر کشید

آں خیابانِ رنگیں امسال ست خاک از خونِ شاں — کز زمیں باید شفق را گونۂ احمر کشید

او دریں تدبیر آگہ نہ ز تقدیرِ فلک — صفحۂ تدبیر را خطِّ مشیّت در کشید

تا رسد عاشور در صفِّ غزا شہ چوں حسینؑ — گردِ خنگش سرمہ در چشمِ مہ انور کشید

آں چہ ساعت بُد کہ کافر بر سرِ کافر رسید

جوق بر جوق آب را بگذشت ناگہ در رسید

خنگ شہ دیدی و بر گردوں غبار انگیختن — باد پا بر کافرانِ خاک را انگیختن

غلغلہ در انجم از جوششِ سپاہ انداختن — زلزلہ در عالم از شیرِ سوار انگیختن

از خروشِ کوس و بانگِ اسپ و آوازِ سوا — لرزہ در صحرا و دشت و کوہسار انگیختن

آنچہ ہیبت بود وقتِ کارزار آراستن — وانچہ وحشت بود گاہِ گیر و دار انگیختن

نعل در آتش نهادن توسنانِ گرم را | وز سُمِ هر آتشیں نعلے غبار انگیختن
از فروغِ تیغ در سر تفّ و تاب انداختن | وز خیالِ نیزه در دل خار خار انگیختن
پردلاں در حمله از بهرِ مخالف سوختن | بیدلاں در حیله از بهرِ فرار انگیختن
کارِ شاهِ مردپرور اندراں میدانِ کار | کارِ مرداں کردن و مردانِ کار انگیختن
ضربتِ مردانه در پهلوی نامرداں زدن | شعلهٔ آتش ز تیغِ آبدار انگیختن
دیوبندی را علمِ جمشیدوار افراختن | ملک‌گیری را فرس خورشیدوار انگیختن
آسماں اندر تضرّع زاں فزع بر داشتن | آفتاب اندر تیمّم زاں غبار انگیختن

اندراں میداں که فرق از مرد تا نامرد بود
اے بسا کس را که لبها خشک و رو ها زرد بود

روز از تاریکی آمد چوں بهم بر بافتند | زرد شد خورشید چوں خنجر بخنجر بافتند
روز نزدیکِ فرو رفتن که از زنگارِ تیغ | آسمانی بر سرِ خورشید لشکر بافتند
شانه را مانند آں صفهاے تیغ از هر دو سو | سرکشاں چوں مویهاے یکدگر بر بافتند
آبگوں شد خاک چوں جوشن بجوشن دوختند | گلستاں شد دشت چوں اسپر به اسپر بافتند
آسماں پیکشد گوئے که بگریزد ز تیر | نیزها بالائے سر زاں پر که در بر بافتند
صاف شد از تیغ چوں نیمی سرِ کافر تمام | کافراں هر سو که چوں مرغول کافر بافتند
از سرِ شاخِ خسےں همه یاقوتِ سرخ از تیغ جست | تا مکلل شد علمهائے که در زر بافتند
هم یگاں سر شد دوگاں شمشیر چوں برهم زدند | هم دوگاں سر شد یگاں سرها چو در سر بافتند

کشتگان افتاده در اطراف آن صحرای سبز همچو صورتها که در دیبای اخضر بافتند
خواست شه تا نطع نصرت گستر ولیکن سپهر کز فلک این نطع را بر شکلِ دیگر بافتند

یک زمان شمشیرِ قتالش نیاسود از قتال
از زوالِ روز تا شب اندران ور نه زوال

یاربا آن خون بود کان در رهِ صحرا میدوید یا بسوی تشنگان موجی ز دریا میدوید
آب بر غربیل ریزی چون فرو ریزد بزیر خستگان را خون بدانگونه ز اعضا میدوید
کشته اندر خاک جان میکند و بر خود می طپید ور گلویش موج زد خون و ببالا میدوید
آن بدوزخ برد آب این بجنت داد جوی گرچه خونِ گبر و مومن هر دو یکجا میدوید
تیر کشتیها ز پر میراند بر دریای خون بیلکی می زد به تندی و کنارا میدوید
از وجود مرد هر خونی که آن از زیر جست چون کسی کز تیر جهد بی محابا میدوید
توسنان در خیز و سرهای سواران می فتاد مرد را سر میدوید و اسپ را پا میدوید
هر کرا از قوتِ دل بازوان در کار بود راست کرده تیر سوی قلبِ اعدا میدوید
وانکه از ضعفِ درونی دست و پا گم کرده بود گه بسوی آب و گاهی سوی صحرا میدوید
خان لشکر کش بترتیبِ صف و آئینِ جنگ میدوانید اشهبِ اقبال را تا میدوید
باز بس می برد گردون مو گرفته فتح را فتح هرچند از ملاعین جانبِ ما میدوید

کافر اندر انتظارِ شب که تا بیرون شود
ناگهان میزان مارا پله دیگرگون شود

تا چه شب بود آنکه از چرخ آفتاب افتاده بود — دیو آتش در جهان میزد شهاب افتاده بود

روز چون باقی نبود آن آفتابِ چرخ را — روز باقی بود چیزی کافتاب افتاده بود

گر حسین کربلا را ره به بی آبی فتاد — آن محمد بد که از آتش بآب افتاده بود

دام ماهی شد دلِ مردم که در رودستانِ دیو — دستِ جم را خاتمِ شاهی در آب افتاده بود

کافر اندر خون چو خر در پارگین افتاده بود — مومن اندر گل چو گوهر در خلاب افتاده بود

فوجے اندر آبِ طوفانِ بلا را می گذشت — فوجِ دیگر تشنه در راهِ سراب افتاده بود

هر یکے در تختهٔ خاکی فرو شد بهرِ آن که — کارِ شان با دفترِ یوم الحساب افتاده بود

جوهرِ هندی بد منقش کرده از شنگرف تر — کشتگان را سر که اندر خونِ ناب افتاده بود

از وداعِ جان جراحتهای تن خون میگریست — وز فراقِ زندگانی تن خراب افتاده بود

فعلِ این گرگِ کهن بنگر که از فعلِ سگان — شیر در زنجیر و پیل اندر طناب افتاده بود

نے فزع بود آن قیامت را معین دیده ام
گر قیامت را نشان این ست پس من دیده ام

دائراتِ آسمان بین گردشِ پرکار کرد — مرکزِ اسلام را سرگشته چون پرکار کرد

ذره را دیدی که آبِ چشمهٔ خورشید برد — سنگ را دیدی که کارِ لولوی شهوار کرد

تا شد اندر کهفِ عصمت شد شکستان آدمی — گوئی از افغان خفتگانِ کهف را بیدار کرد

گر نهان غایب رفت از پیشِ دشمن عیب نیست — مصطفیٰ از رزمِ خصمان عزمِ سوئے غار کرد

در شراری آمدش از تیرِ کافر هم رواست — خشمِ نمرود آخر ابراهیم را در نار کرد

ور بدارِ قدس رفت از اشکِ شاں دل بدمکن　　عیسیٰ از جورِ نصارا سر فدای دار کرد

ور سگاں رو بہ فنی کردند با او ہم چو پاک　　انچہ ترسائے بروے حیدرِ کرار کرد

ور ز دیوانش گزشت آب از سر آخر یاد کن　　زانچہ دیوے تہمتن را غرق دریا بار کرد

با مغل ہر سال بہرِ دین ہمو کار یش بود　　عاقبت جانِ گرامی در سرِ ایں کار کرد

دست تقدیر ست گہ خوں ریزد و گہ جاں دہد　　تا توانا نیم نتواں کینہ بر قہار کرد

شیر نر از پیشِ مورے صد خروشِ صعب زد　　پیل مست از نوکِ خاری صد فغانِ زار کرد

جمعہ بود و سلخ ذی الحجہ کہ رفت آں کارزار

آخر ہشتاد و سہ آغاز ہشتاد و چہار

۶۸۳ھ　　۶۸۴ھ

مہر و مہ بر روئے آں فرخ لقا بگریستند　　روز و شب بر سالِ آں اندک بقا بگریستند

ہمچو فرمانش رواں شد شرق تا غرب آبِ چشم　　بندہ فرماناں کہ بے فرمانروا بگریستند

بس کہ اندر عہدِ او ماہی و مرغ آسودہ بود　　ماہیاں در آب و مرغاں در ہوا بگریستند

آسمانہا با ہزاراں دیدہ بر اہلِ زمیں　　ہمچو بارانِ بہاری بر گیا بگریستند

شبنمے کز آسماں ہر صبح می ریزد بخاک　　اشکِ انجم داں کہ از اوجِ سما بگریستند

خلقِ ملتاں مرد و زن گریہ کناں و مو کناں　　کو بکوی و سو بسوی و جا بجا بگریستند

از خروشِ گریہ و بانگِ بکا کس می نخفت　　بسکہ در ہر خانۂ اہلِ عزا بگریستند

ہم بآبِ چشم خود کردند ترتیبِ وضو　　مغفرت جویاں کہ در وقتِ دعا بگریستند

دیدہ خوں افشاند بر گل چوں گلوی کشتگاں　　بسکہ بر کشتگانِ خویش را بگریستند

شد زباں از نالہ چوں پاے اسیراں آبلہ — بسکہ از بہرِ اسیرانِ بلا بگریستند
ور ازاں بندِ بلا ناگہ اسیرے باز گشت — روئے او دیدند ہرکس بے ریا بگریستند

گریہ چنداں شد کہ موجِ دیدہ از جیحوں گزشت
حالِ من ایں بود حالِ دیگراں تا چوں گزشت

دستِ الم تا خود از دنداں کنم بازو کبود — یا بپوشم جامہ زیں مینای چرخ مینو کبود
ہر کسے نامی زند سوزن سرِ بازوے من — نامِ شہ خیزد چو از دنداں کنم بازو کبود
وہ کہ از چرخِ کبود او خفت پہلوی زمیں — وز زمیں خفتن ہمہ آفاق شد پہلو کبود
ہم سیاہی شد ز ہندو ہم سپیدی شد ز ترک — بسکہ می پوشد کنوں ہم ترک و ہم ہندو کبود
آسماں را گوئیا بدرید و قسمت کرد خلق — بسکہ اطرافِ زمیں از جامہ شد ہر سو کبود
نیل پوشیدن کنوں چوں رسم شد زیں پس رواست — گر کنند اسپید بافاں رشتہ[1] دریا کو کبود
مصر جامع را بہر کوئے رواں شد رودِ نیل — شستہ شد از گریہ چنداں جامہ رہ ہر کو کبود
نیل گر را خود عروسی شد بخانہ بس کہ شد — پیرہنہاے عروساں در عزا شو کبود
خوبرویاں را کہ پیشانی زدند و خوں گریست — زیرِ ابرو سرخ شد بالا ترا زا برو کبود
نیل حاجت نیست خوباں را و سرخی بعد ازیں — چوں نہ کندن سرخ گشت و از زدن شد رو کبود
بسکہ برکندند موے از فرقِ نازک سر بسر — شد ز آزارِ جہاں کندن تہ ہر مو کبود

موے سر تا چند ازیں غم زار و گریاں برکنم
ایں تن چوں موے باید از سرِ جاں برکنم

[1] آنکہ جولاہگان ہندی نال یا نلی ۱۲

ده که دل یکبارگی خوں شد برائے دوستاں — آه ازاں جمعیتِ راحت فزائے دوستاں

دیده بہرِ دوستاں شد آشنائے آب و خوں — تا میانِ آب و خوں شد آشنائے دوستاں

بسکه خونِ بے بہا خورد ست خاک از دوستی — واجب ست از خاک جستن خوں بہائے دوستاں

خفتگانِ خاک را گر خاستن ممکن بود — عمرِ باقی می کنم وقفِ بقائے دوستاں

حیف باشد مردمانِ چشمِ ما از چشم دور — دیگراں را چوں تواں دیدن بجائے دوستاں

دوستاں رفتند غیرے را چه گیرم در کنار — چوں کشم بر قامتِ ہر کس قبائے دوستاں

خاکِ شاں در دیده می آرم در انصافے بود — ایں چنیں بے قدر باشد خاکِ پائے دوستاں

در ہوائے دوستانم گر سرم بیروں کنند — از سرم بیروں نخواہد شد ہوائے دوستاں

خسروا ہر بار می گوئی فرو خواہم درید — جامۂ جاں تا بدامن در عزائے دوستاں

جاں که صد پاره شد از غمہا کجا باشد روا — پاره را پاره کردن از برائے دوستاں

دوستاں رفتند از بہرِ که می گوئی سخن — ختم مطلق کن سخن را از برائے دوستاں

یاد می کن رفتگاں را خاصه در حالِ ما

کت برحمت راه ننماید مگر دالِ دعا

یارب از خورشیدِ رحمت نور در جاں بادشاں — جاں ز فیضِ نور چوں خورشید تاباں بادشاں

بود شاں در روضۂ ہیجا خانِ اعظم پیش رو — پیشوائے جنة الفردوس ہمچناں بادشاں

در ہوای گر بلک آنجا پرد گرد و مگس — پرِ طاؤساں فردوسی مگس را ں بادشاں

فیضِ رحمت آبِ حیوان ہست در ظلماتِ گور — یارب از ظلمتِ گور آبِ حیواں بادشاں

چوں ز خورشید قیامت روبها گرد سیاه　　بر سر از چتر بلا یک سایه گرداں بادشاں
چوں نه دیوانِ سیاست نامه‌شاں برکف نهند　　از کتاباً بالیمیں بر نامه عنواں بادشاں
قطرهٔ خونی گگشت از حلقِ ایشاں ریخته　　بهتریں لعلے برائے تاجِ غفراں بادشاں
تشنگانے راکه جانِ شاں زبے آبی برفت　　بر سر از بحرِ کرم هر لحظه باراں بادشاں
بستگانے راکه دشواری بر ایشاں دیرماند　　یارب امیدِ رهائی زود آساں بادشاں
رستگانِ هند را رنجیکه اندر هند بود　　موجب از بهرِ نجاتِ آخرت آں بادشاں
وانچه باقی مانده اندوهاں بلا باز آمده　　فضلِ یزداں بادشاں احسانِ سلطاں بادشاں

چوں محمد رفت شهر را عاقبت محمود باد
کیقباد دش اسعد و کیخسرو دش مسعود باد

از برائے لب خود این دشمناں خونابه ایست
از کهن دولاب خوں ریزِ سپهر ایں ماجرا

(بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف وزن او مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن)

اے دل بغم نشیں که ز شادی نشاں نماند　　اے دیده خوں گری که طرب در جهاں نماند
هم مرغِ عیش از قفسِ خاکداں بجست　　هم دُرِّ مهر در صدفِ آسماں نماند
فتنه سپه کشید چو لشکر شکن بخفت　　آفت جهاں گرفت چو لشکر ستاں نماند
در تختِ ملک پایهٔ فتح و ظفر شکست　　بر فرقِ دهر سایهٔ امن و اماں نماند

چشم و چراغِ خسروِ روے زمیں برفت
پشت و پناهِ کشورِ هندوستاں نماند

از مملکت چه کام برآید چو خاں بشد
وز کالبد چه کار کشاید چو جاں نماند

خواهم زباں زپارهٔ دنداں فرو برم
گر خواهد ایں حدیث بگوید که خاں نماند

آں دستگاهِ دولت و دیں را نگیں کجاست
واں شاهزادهٔ همه روئے زمیں کجاست

چشمے که بود بختِ جواں را بخواب رفت
شمعے که بود بزمِ جہاں را ز تاب رفت

پیرایهٔ جلال بصندوقِ چوب ماند
سیّارهٔ کمال بدریاے آب رفت

انجم بخاک خفت مگر آسماں فتاد
عالم سیاه گشت مگر آفتاب رفت

ساقی مده که طبع حریف از مزاج گشت
مطرب مزن که سازِ نشاط از مضراب رفت

بر خاک ریز باده که گاهِ طرب گذشت
بر سنگ زن پیاله که وقتِ شراب رفت

اکنوں جوابِ خصم که گوید بروزِ رزم
شمشیرِ تیز را چو زبانِ جواب رفت

خسرو هنوز چند تواں خواندن ایں کتاب
هم شب بآخر آمد و هم خاں بخواب رفت

پرده فرو هلید بسرخ همچو ماه را
ابره فرو درید کلاهِ سیاه را

ماهی گذشت و قصد بمیداں نمی کند
رغبت بگوی و میل بچوگاں نمی کند

تیغش میانِ معرکه رخشاں نمی شود
خنگش میانِ کوکبه جولاں نمی کند

در بار خنده چوں گلِ بستاں نمی کند
در بزم جلوه چوں مهِ تاباں نمی کند

درکف کتاب کرده ندیمان نشسته اند   آخر چه شد که گوش پریشان نمی کند
دردل امید بسته بزرگان ستاده اند   چون ست کار ملک بسامان نمی کند
نوروز عالم ست چرا از برای جشن   مجلس گهی چو روضهٔ رضوان نمی کند
عیدِ مبارک ست چرا بر طریق پار   آهنگ نیزه بازیِ میدان نمی کند

خاں را خبر کنید که بر چرخ رفت گرد
کافر رسید و آب لہاور عبره کرد

خیمه و بارگاه بصحرا برون برید   دنبالِ شاه رایتِ والا برون برید
در سایهٔ نشانه دهل را نوازنید   با نعمتِ دمامه علم را برون برید
مست ست شاه خفته به تختش روان کنید   چون نیست آن خیال که سوارا برون برید
قاآن ملک بجانب دم تله شد روان   دریای قلب جانب دریا برون برید
شاهِ جهان بسوی کهستان نمود عزم   لشکر گهی چو کوه به صحرا برون برید
نی نی که سوی حضرتِ اعلاش خوانده اند   رایت بسوی حضرتِ اعلا برون برید
اسباک هست امیدِ نیابت به پیش تخت   ترتیبِ ملک جمله مهیّا برون برید

تاج از همه و نطاق ز جوزا کنید راست
خاصه از برای نصرتِ دنیا کنید راست

گاهی بدی که این شبِ بخت سر آمدی   خورشیدِ ما فروشده ناگه بر آمدی
از تیر کافر آنچه که بر غازیان گذشت   از تیرِ غازیان به سرِ کافر آمدی

آں شیر سرخ گو کہ بہ پیروزی آمدے
در زیرِ چترِ لعل مدوّر بر آمدی

گر گرد چرخ کوکبۂ خاصگانِ شاہ
کانجم صفت بگردِ مہِ انور آمدی

نائب کجا کہ ہمچو تہمتن بہ پیشِ رخش
جولاں زناں بہ پیشِ صفِ لشکر آمدی

جاندارِ شہ کجاست کہ از راستائے شہ
بادوزیانش جلوۂ چترِ زر آمدی

کو شہ سلاح دار کہ شمشیرِ خاص را
افگندہ با حمائلِ زر در بر آمدی

شادی کنید شاہ بملتاں ہمی رسد
قاآنِ ملک محمد سلطاں ہمی رسد

کو آں جہاں گرفتن و لشکر کشیدنش
بر اوجِ آفتاب علم بر کشیدنش

ہر روزہ تیر در دلِ ہندو نشاندنش
ہر سال تیغ بر سرِ کافر کشیدنش

کو آں بگاہ بار بلند نشیندنش
صفہائے صف دراں ہمہ تا در کشیدنش

کو آں قباہائے مرصّع فگندنش
اسپانِ نوبتی ہمہ در زر کشیدنش

کو آں ملوک خواندن و دستے نشاندنش
واں بزم راست کردن و ساغر کشیدنش

در بحثِ علم نکتۂ مشکل شنیدنش
وز دل برآ نکتۂ دیگر کشیدنش

چوں سال و مہ تمام نگردد ثنائے او
آں بہ کہ صبح و شام بگوییم دعائے او

یارب کہ در مظلۂ قدسش پناہ باد
در بارگاہِ رحمتش جائگاہ باد

با خاکیاں بمرکزِ سفلی مقام ساخت
با عرشیان بعالمِ علویش راہ باد

نقصانِ عمرِ او که در اسلام رخنه کرد | افزونیِ حیاتِ شهِ دین پناه باد
تا سلطنت بود بجهان بر سریرِ ملک | سلطان غیاثِ دنیا و دین بادشاه باد
در کارِ دین محمدِ غازی چو سر نهاد | محمود بر برادرِ خود کینه خواه باد
مخصوص شد چو تارکِ کیخسروی بتاج | بر فرقِ کیقباد ز دولت کلاه باد
بادا همیشه بر سرِ سلطان ظلال چتر | زان چتر بر سرِ همه ظلّ الله باد

محفوظ بر یمین و یسارش ز نیک و بد
یک دیدهٔ دو مردمکِ دیده تا ابد

این رقم وصف شهِ دریادلِ دریاوشست
کابر ازو دارد بپالا بانگ و نام اندر سخا

(بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف وزن او مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن)

آوخ که تابِ جوهرِ عالم بتاب شد | دُرّی که آبِ گوهرِ آدم بخاک شد
بشکست نامِ مکرمت و هم گشاد چشم | بگشاد جامِ مرحمت و جم بخاک شد
ای ناله زود خیز که گردون خراب گشت | ای بخت دیر خسپ که عالم بخاک شد
ای دل ضریر باش که مسیحا بچرخ رفت | وی جان ضمیر سوز که مریم بخاک شد
گردابِ فتنه پر شد و جیحون سراب گشت | آهرمن اسپ تاخت چو رستم بخاک شد
در خاک رفت مردمکِ چشمِ روزگار | بس خونِ دل ز دیده درین غم بخاک شد

آں ماہِ آسمانِ معانی بچاہ رفت　　واں یادگارِ خانِ معظم بخاک شد

ای قدسیاں وقایۂ جوزا فرو درید

وی عرشیاں سپہرِ معلّٰی فرو درید

آں بر وی ملک بازوی شاہِ جہاں کجاست　　واں سرفرازِ کشورِ ہندوستاں کجاست
آں خصم بند و قلعہ کشای زمانہ کو　　آں شہر بخش و دہ دہ و کشورستاں کجاست
ترکاں نشستہ خسرو و لشکر کدام سوست　　اسپاں ستادہ صاحبِ برگستواں کجاست
بر تیرۂ سپہر شبیخوں زدست دہر　　بدرِ شہابِ صولتِ جوزا عناں کجاست
بی آب شد جہاں چو صدف در ہوای ابر　　آں ابرِ گوہر افگنِ دریا نشاں کجاست
آں دُر و درپاشِ لعل بزیر نشانہ کو　　واں تیغ با حمائلِ زر در میاں کجاست
شہزادۂ جہاں ز جہاں می رود بروں　　دہلیزِ بارگاہِ جہاں در جہاں کجاست

خیزید کاخترِ کرم انوار می دہد

عالی علای دولت و دیں بار می دہد

ای از میِ حیات تہی کردہ جام را　　وی از برونِ چرخ بروں بردہ نام را
بنگر خروشِ لشکر و عجزِ سپاہ را　　بشنو نفیرِ چاکر و آہِ غلام را
نی صبر ماند دام و دد و وحش و طیر را　　نی فرق بود در روز و شب و صبح و شام را
چوں خیمہ وقت کوچ ز پا اندر آمدہ　　ہر کو تہی بماندہ ز کوچت مقام را
ہم وقت گریہ شد رخِ شمشیرِ آبدار　　ہم چوب شد درونہ ز خشکی نیام را

اسپانِ پیل پیکر و کبکانِ زاغ چشم — از تنگ بماندہ کرّہ فراموش کام را
سرہا فگندہ کردہ پریشان بفرق موی — دُمہا بریدہ بستہ دگرگون ستام را

آں چاوشانِ چابکِ پیرانہ دست کو
بسم اللہ بلند و زمیں بوس پست کو

اے جامِ چرخ بہرِ تو جم خوں گریستہ — بر ذاتِ تو وجود و عدم خوں گریستہ
در مجلسِ صراحیِ زر پیشِ روی جام — ہردم نگوں شدہ ز ندم خوں گریستہ
ابرِ گہر فشاں کہ جہانے ست از کرم — بر دستت اے جہانِ کرم خوں گریستہ
از گریہ چشم شد چو رخِ پیل گشتہ سرخ — اسپ و پیادہ خیل و حشم خوں گریستہ
تا گنجِ تو نہاں شدہ اے شہ بزیرِ خاک — بہرِ تو اژدہائے علم خوں گریستہ
سرہائے نیزہ گشتہ چو پرچم ہزار شاخ — بیرق دریدہ جامۂ جم خوں گریستہ
پوشیدہ جامۂ نمدیں طبل پس بروی — افگندہ آستین و ز غم خوں گریستہ

آمد براق لطف بر افگن بر دستام
دامن کشاں بجانبِ دار البقا خرام

پا کا ببامِ عرش ترا پایگاہ باد — وز عونِ ذو الجلال بفرقت کلاہ باد
اینجا بہ تیغِ داد ستد دست از فلک — آنجا فلک بحضرتِ تو داد خواہ باد
اینجا ترا بپایۂ دولت مقام بود — آنجا ترا بسایۂ طوبیٰ پناہ باد
بر پایۂ جلالِ تو جمشید جاہ داشت — در سایۂ حیاتِ تو خورشید و ماہ باد

آفاق را ثنائے تو باغِ ضمیر بود　　افلاک را خطابِ تو داغِ جباه باد

روحِ ترا که جزوے از آثارِ رحمت ست　　زاں سوی عقلِ کل بدو فرسنگ راه باد

بر دستِ تو چو نامهٔ اعمال بر نهند　　عنوانِ او عنایتِ عونِ اله باد

روحِ مقدسِ تو که عرش ست جائے او

بادا قبولِ غیب ز خسرو دعائے او

ایں غزا نامه از آں شهسواری اں که زد
پنجهٔ همت بفتراکِ شهیدِ کربلا

(بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف وزنِ او　مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن)

امروز گر ز تن برود جاں دریغ نیست　　ور خوں شود در رهِ ز افغاں دریغ نیست

بر خشک ماند کشتیِ اُمید ناروال　　رانیم اگر ز هر مژه طوفاں دریغ نیست

تن همچو پیرهن ز سرِ روح بر کشم　　پس بر درم بجائے گریباں دریغ نیست

رفتند دوستاں و ندیدند باز پس　　گر جاں رود برابرِ ایشاں دریغ نیست

چابک سواری از صفِ لشکر بروں فتاد　　گر خونِ دل زنیم بمیداں دریغ نیست

اے میرِ مجلس از لبِ قرّا به نالهٔ

میراں وداع می کند اختر پیالهٔ

جولاں بکن که هست گهِ نیزه باختن　　چوگاں بزن که هست گهِ گوے باختن

بانوتی بگو که بجنباں دمامه را　　کامروز هست وقتِ علم برفراختن

خیزاے نقیب وصفِ لشکر خبر رساں | میراں سوار گشت و رواں شد بتاختن
افسوس ازاں لطافتِ بالا کہ کم تواں | نخلے براں نمونہ خود از موم ساختن
ارزیدہ وار آں تنِ چوں سیم خام تو | یعنی بزیر خاک بخواہی گداختن

آں جسد چوں گل بریدہ روا بود
کس مشک را بخاک فشاند خطا بود

بخشا یکے دو نرگسِ خواب ناک را | از ماہتاب روے چو خورشید پاک را
آں شخصِ نازنیں کہ زشمشیر چاک شد | جانم بساز رشتہ و بردوز چاک را
جائے کہ تیر مومن و کافر روانہ گشت | گرداب کرد رفتنِ پر خوں مغاک را
غربیل شد زمین و نیابند گردِ تو | گر صد ہزار بار ببیزند خاک را
خورشید را بہ گل نہ نہفتہ است ہیچ کس | پنہاں مکن بخاک رخِ تابناک را

بنماے رو کہ دیدنِ تست آرزو مرا
ایں آرزو بسر برو بنمای رو مرا

اے در غمِ تو دیدہ جاں خوں گریستہ | بے مجلسِ تو جامِ جہاں خوں گریستہ
یک دیدہ جہاں بدی و با ہزار چشم | چرخ از پئے تو دیدہ کناں خوں گریستہ
ہرگہ کہ خواست آب فشاند ز دیدگاں | چوں بنگریستیم ہماں خوں گریستہ
ہر تیر کاں نشست بر اندامِ نازکت | پیکانِ آں ز درد رواں خوں گریستہ

بگریسته کسے که بدیده جمالِ تو — وان کو ندیده بهتر ازاں خون گریسته

تا یاد می کند دلِ من زاں قبائے چست

شستم اگر نه بند ز بندم شدست سست

سروِ ترا بسایهٔ طوبیٰ پناه باد — همسایهٔ تو سایهٔ لطفِ اله باد

رضواں چو بر سرِ تو کشد بارگاهِ نور — گیسوئے حور رشتهٔ آں بارگاه باد

اکنوں که دور ماند کلاهِ زر از سرت — از رحمتِ خدائے سرت را کلاه باد

آں جاں سپاریِ که نمودی به پیشِ شاه — مقبولِ حضرتِ شهِ گیتی پناه باد

بستی کمر چو بندگی شاه را بجاں — صد بنده چوں تو بسته کمر پیشِ شاه باد

خسروِ حزیں دعا نکند کز درِ اله

بادت عطائے روز فزوں از بقائے شاه

چوں زده ترجیع صد سالک گر دیدی کنوں — قطعهائے زر اگر خواهی بدکانِ من آر

ایں چهل قطعه است و دو گر کم نویسد کس یکے

باشد ایں نقشِ چهل بر جهلِ آں جاهل گوا

روزے سخن از سترِ دینِ مو — در زمرهٔ صوف در فگندم

گفتند درین میانه سترے — دیدم چو نکو نظر فگندم

یعنی که هر انچه بود در سر — آں جمله بموز سر فگندم

وله

گروه فقر سر از بهر آن تراشیدند　　که خط کشند برین عالم بی پسندیده
ندیده که تراشند سر قلم کاتب　　چو خط نیاید از کلکِ ناتراشیده

وله

گوهر فقر تیغ برّان ست　　مرد باید که با حذر باشد
کی تواند که سر به تیغ دهد　　هر کرا چون قلم دو سر باشد

وله

درخت باش گهی میوه بخش و گه سایه　　اگر بخواهی سرسبز باشدت پیوست
نشست هر کس در سایهٔ درخت بسی　　درخت هرگز در سایهٔ کسی ننشست
اُمید بست همه کس بمیوه های درخت　　درخت هرگز از کس اُمید میوه نه بست

وله

مکن تکبر اگر هست مر ترا هستی　　که مرد با همه گردن کشد و دو تو برود
درخت بارور آید چو سر بروی زمین　　بزیر او همه کس سر کشد فرو برود

وله

ای که در عیب کسان می بینی　　دیده از عیب خودت نابیناست
گر بگوئی که ندارم عیبی　　این محالست که بی عیب خداست
چون خدا نیستی و آدمئی　　نام بی عیبی بر تو ز چه خاست

خود گرفتم که ترا سرتا پای　　از گرفتاریِ هر عیب جداست
ای که نازی تو به بی‌عیبیِ خویش　　عیب من بینی عیبی پیداست
چون یقین شد که تو هم داری عیب　　جستنِ عیبِ کسان بهر چراست
کوری ار کور دگر را بیند　　وانگهی عیب کند عیب کراست

وله

مردمی باید که چون دنبالهٔ کاری شود　　در میانِ کار خود را بی‌محابا افگند
قطرهٔ آبی که دُر خواهد شد از ابر بلند　　گرد گیرد خویشتن را پس بدریا افگند

وله

خدایگان سلاطینِ عصر نصرتِ دین　　زهی بسوده رکاب تو فرقِ فرقد را
تو آسمانی از قدر و سپهر زمان صد بار　　بپیشِ قدرِ تو خم کرد آسمان قد را
ز بهرِ جود تو دولاب هفت گردون آب　　دهد ز چشمهٔ خورشید مر زبرجد را
تو پنج کوس زدی در چهار رکنِ زمین　　صدای صیتِ تو بگرفت هفت گنبد را
خدایگانا خسرو که بهرِ نشرِ درت　　بسلکِ نظم کشد لولوی منقّد را
مباد کز کرمِ شاه تنگدست بود　　ولیک بر دلِ شه یاد میدهد خود را
تو دیر زی که قضا بر جریدهٔ ایام　　بنامِ نایبِ تو کردست عمرِ سرمد را

وله

نصرتِ دین محمد شهِ فیروز مصاف　　ای همه وقت بشمشیرِ تو پیروزی بار

شاد باش ای صفت چنین و صفوت درای　　　آفرین ای کشش لشکر و کوشش در کار
تف تیغ تو برآورد ز جا ہائے دود　　　آتش اندر دل کانون زد و سنگ کہسار
بندگان را کہ ز تو سنگ مثل بشکستند　　　چاکران تو بہ ہر پلہ کشیدند حصار
گفت ہفت اختر و نہ چرخ کہ چشم بد دور　　　زان دو با زو کہ دو فتحش بدو در ہم یک بار
فتح بر ران براق تو ازاں داغی شد　　　کہ چنیں را بدوانی بدو دو او تا چار
باد بر فرق ظفر غاشیۂ دولت تو　　　فتح دنبال رکاب تو دواں غاشیہ دار

[illegible]

ولہ

نصرة الحق شہ و شہزادۂ عصری کہ بحق　　　پایۂ مدح ترا بر سر جمشید کشم
چون ہمہ اسم شدلے ذات تو خورشید کرم　　　با وجود تو چرا منت خورشید کشم

ولہ

سپہر معالی علائے دولت و دیں　　　زہے کف تو کمر بستہ درفشانی را
بباغ نرگس بیمار می برد بر سر　　　بیاد خلق تو ایام ناتوانی را
سپہر پیر بہ بخت جوانت می گوید　　　کہ چشم بد نرسد یارب آں جوانی را
چو تیغ تو بعدو بہر جان زبان انداخت　　　عدو فدائے سر ش کرد زندگانی را
جہاں چو تیغ تو بستد سزد کہ از کرمت　　　توقعے بود و جرعہ معانی را

ولہ

جہاں کشایا خسرو عریضۂ دارد　　　شود بر خصت آں خلق خوب نافہ کشائے

هزار سال بباید که آورد گیتی ‌ ‌ ‌ چو تو کریم ستوده چو من کریم ستاے
نبود تا قدِ گفتار من کسے زین پیش ‌ ‌ ‌ که پیش او شوم از بحرِ نظم گوهرزاے
ترا چه یافتم اکنون من و مناقبِ تو ‌ ‌ ‌ چه سحرها که نمایم بکلک سحرنماے
سخن حیاتِ ابد شد بگنج زر بستان ‌ ‌ ‌ که زر نپاید و نام از سخن بود برپاے
بهاے هر سخنِ من هزار دینار است ‌ ‌ ‌ قرار بنده باندازهٔ سخن فرماے
هزار سال بجان تا بود قرارِ جهان ‌ ‌ ‌ هزار سال دگر هم برین قرار بپاے

وله

اے که چون خنگِ تو جولان درگرفت ‌ ‌ ‌ گَرد گِردا گِرد گَردون گَرد کرد
بس که خلق از تو به سرما بُرد بَرد ‌ ‌ ‌ بُرد بُرد و بَرد بُردا بُرد و بَرد
چون دو دُر در دو در قسمت خورد گفت ‌ ‌ ‌ دُرِ دُرد دَر دَرد دُرا دُرد و دُرد

وله

والا جنابا دستِ چو ابرِ تست ‌ ‌ ‌ اقبال شسته روی چو گل در میانِ میغ
تا خامهٔ تو بر گهر آبِ سیاه ماند ‌ ‌ ‌ از نوکِ خامهٔ تو سیه گشت آبِ تیغ
گر جان بری دریغ نباید چو هیچ چیز ‌ ‌ ‌ از تو نداشت خداے جهان دریغ

وله

صدرا توئی که یک رقم از دفترِ سخن ‌ ‌ ‌ هر دم بصد هزار دقائق بیان کنی
نظمِ رهی که از نظرت آبِ خضر گشت ‌ ‌ ‌ شاید اگر ز لطف برین سو روان کنی

ولِه

خانِ جهان‌کشای معظّم تتارخان والا نصیرِ حق مَلِکِ مملکت‌پناه
آنی که ابرِ دستِ تو گردد چو دُرفشان نی زر که کیمیا شود اندر زمین گیاه
گر چرخ سوی همتِ عالیت بنگرد از فرقِ او بچاه درافتد کلاهِ ماه
دارم عریضهٔ مشرّح بگویمت گر از کرم بسمعِ مبارک دهیش راه
دانی که هیچگه بجنابت نیامدم تا سوی من بدیدهٔ احسان کنی نگاه
مدحت گهی نگفتم و بخشش نخواستم این بار ناگهان بغلط کردم این گناه
کردی ز نقدِ وعده چنان دهنم گران کز بارِ آن بخانه شدم با قدِ دوتاه
تو عَمّ بادشاهی و من مادحِ شهم شاید که عشوه تحفه برم از تو پیشِ شاه
این بار صلّام ده و سوگند می‌خورم گر زحمتی دهم بجنابِ تو هیچگاه
این گویمت دعا که ز فضلِ خدای پاک جاوید باد عمرِ تو در خرّمی و جاه

ولِه

پناهِ مُلک تاجِ دولت و دین بملکت عارضِ لشکر نویسند
نکوتر سر بپشتِ چرخ باشد چو نامت چرخ را بر سر نویسند
شود بر آبِ دیگر سکّهٔ زر خطابت گر بآبِ زر نویسند
اشارت کن که نامِ بندهٔ خسرو بحکمِ شاه بر دفتر نویسند
بقا بادای عرض چندانت کز تو بقای جملگی جوهر نویسند

وله

ای بکف تاج و دول ای که براق همت — بر فلک گر بتگ تیز دوانی رسدت
ور بخواهی که سهیلے دهی از گوهر تیغ — مر یمن را هم ازان تیغ یمانی رسدت
تیر تو قاصد آنست که گر فرمائی — در زمان از دل بدخواه نشانی رسدت
مکرما چون همه اسباب معانی در تست — مکرمت در حق ارباب معانی رسدت
بشنو این قصهٔ من گرچه که طولے دارد — عفو کن گرچه که در گوش گرانی رسدت
توئی آن کارگشائے که اگر ذات ترا — بخت گوید در ایام جوانی رسدت
وانکه این فال چو در گوش مبارک برسید — گر بسمع شه آفاق رسانی رسدت

وله

سر اکابر آفاق تاج دولت و دین — توئی که قدر تو از اوج وهم بیش رسید
کفت که شور ز دریا برآورید ازو — مخالفان جهان را نمک بریش رسید
قلم بدست تو زنبور شهد شد که ازو — بدوست نوش رسید و بخصم نیش رسید
برائے دشمن تو کلک تست آن تیرے — کز و شکستگی اندر هزار کیش رسید
نشست جوهر پاکت چو در بساط عروض — فلک نثار جواهر ستد به پیش رسید
عطارد آمد و داد آفتاب را مژده — که باز اختر دولت ببرج خویش رسید
یگانه بود بر اورنگ آسمان خورشید — هزار شکر خدا را که دو بهیش رسید

وله

شرف الدین سر اشراف جهان فسیح الملک — اے که بر روئے زمین دیده ندیدت ثانی

تا ز خُلق تو نسیمے نرود در بستاں — غنچه ها را نگشاید گره از پیشانی
چو ولی نعمتِ دهری بسرِ نامم کن — کاب خویش می نخورم من ز پی بے نانی

وله

اے درِ شرف چو دولت اے فتح ملک و ملت — محمود نیک نامی مسعود خوش نظامی
ماہی و گر رسیدت عین الکمال گردوں — بر اوج خویش برشو فردا اگر ہمانی
چوں بستہ گشت دریا از سردیِ زمانہ — اے آفتابِ دولت وقت ست اگر بتابی
تشنہ است خلق عالم از بہرِ دیدنِ تو — اے چشمۂ مکارم یارب کشادہ مانی
خصمت کہ ساخت گیتی او را کہ ساخت گیتی — در آبِ دیدہ باشد رخسارۂ چو آبی

وله

اے فتح ممالکِ معالی — اے خاکِ درِ تو پشتبانم
ہستی غرضیکہ جوہرِ چرخ — باروئے تو جز غرض نخوانم
چرب ست برائے مدحتِ تو — از مغزِ سخن ہمہ زبانم
دارم بہ ثنائے تو زباں چرب — تا مغز بود در استخوانم
ہرکس دانا بتحفۂ خود — من ہیچ ندانم از کہ دانم
شد باکرمت حوالہ ایں کار — داند کرمِ تو من ندانم

وله

سر دفترِ اکابرِ عالم نظامِ دیں — اے در مناقبت بہ سخن سحر کاریم

از مدحت تو تا بقلم شرح داده ام   مانندست سرنگون قلم از شرمساریم
تا کار رو با من نشود از تو استوا   بر آب کار خود بنما استواریم
چون شد قرار نامهٔ من از تو برقرا   خواهد رسید هم ز تو هم بیقراریم
سر بر خطت نهادم و شاید که بعد ازین   اندر حمایت قلم خود شماریم

وله

سر ملوک ملک اختیار دولت و دین   عنان توسن خود بر سما برسان
ز شستِ قلب شکن تیر بے خطا بگشاے   صریر تیر خود اندر حدِ خطا برسان
عریضه ایست بخدمت مرا نکو بشنو   پس التماس رهی در حدِ وفا برسان
شکسته بسته بسے بیت گفته ام ز کرم   عنایتے کن و در پیش پادشا برسان
ترا خداے رساند بمنتهاے اُمید   اُمید خسرو مسکین به منتها برسان

وله

صفدر گیتی الپ غازی بن اشد در ملک   تیغ تو از صف دشمن خون بیجا را نشست
تا نثار آستانت را اگر لائق شود   بس که دریا روز و شب لولوی لالا را نشست
خنگ تو چو پاے فلک پیما نیالاید بخاک   گرچه چندین بار باران روی صحرا را نشست
گر ترا از چشم بد آلائشے بود دست شکر   کایزد از عین الکمال آن نقش و بالا را نشست
تو وجود پاک می شستی و میگفت آسمان   آفرین بر دست دُربارت که دریا را نشست
چشمهٔ خورشید را در طشت زرین کرد هیچ   بہ سرت نمود گستاخی و بے پا را نشست

تا چو اسکندر همے آئینہ سازی جام را — ساقی از آبِ خضر جامِ مصفّا را بشست

بندہ خسرو جز دعائے دولت دیرے نخواند — شب کہ از اشکِ تضرع چشمِ بیدار را بشست

نام تو چوں آبِ شمشیرِ تو عالمگیر باد — کابِ شمشیرت ز عالم نامِ اعدا را بشست

ولہ

ملک تاج دیں پور تاز ور ملک — بچشمِ جہاں بہتریں دیدۂ

ز خُلقے کہ داری چو بادِ صبا — بسا پردۂ گل کہ بدریدۂ

ز ابرِ کرم گوہر افشاندۂ — ز دریا و کاں مہرہ برچیدۂ

تو دریائی بل بذیلِ کرم — ہمہ عیبِ حاتم بپوشیدۂ

چو در راہِ بخشش رواں کردۂ — روانم کن اسپے کہ بخشیدۂ

ولہ

رسید نامۂ آں آرزوے سینہ و داد — بجانِ مردۂ من از جنابِ دوست اُمید

سوادِ آں را چنداں بچشمِ خود سودم — کزاں سواد سیہ گشت نامہائے سپید

ولیک دیدہ چہ بیند اگرچہ روشن شد — شبم چو شمع ندارد ز روی آں خورشید

اُمید دیدنِ من چشمِ تو بسے بر بست — و لے چہ سود کزاں نیست جز گہِ اُمید

من از فراقِ تو مردم بقائے جانِ تو باد — تو بایدم کہ بمانی بخسرمی جاوید

ولہ

بزرگ زادۂ گیتی جمالِ دولت و دیں — من از جنابِ تو بر اوجِ لامکاں برسم

ز خردہ کاریِ مدحت بزرگوار شدم — اگرچہ نزدِ بزرگانِ خردہ داں برسم

رکابِ خاص گرفتم کہ آسماں سایہ است — کزاں رکابِ مبارک بآسماں برسم

نوائے بلبلیم ہست و گلستانم نیست — مگر زیاریِ خلقت بگلستاں برسم

مرا نہاں چناں کن کہ سر بچرخ کشم — مگر بحضرتِ شاہنشہِ جہاں برسم

حیات بادا چنداں کہ تا بروزِ شمار

کرم حیات بود در شمارِ آں برسم

ولہ

صدرا توئی کہ از کفِ دریا نوالِ تو — گردست پُر ز گوہرِ ناسفتہ آز گوش

سوئے صریرِ کلکِ تو دارند اہلِ فضل — چوں زہرۂ صلاح بہ بانگِ نماز گوش

بشنید چوں صدف صفتِ دستِ تو زابر — دندان در گرفت فلک را بگاز گوش

چیزے بجز دعائے تو گر گوید آسماں — گویم کہ اے زمیں در دیوار ساز گوش

ور مشتری زمدحِ تو گوید حکایتے — زہرہ ہزار بار بگوید کہ باز گوش

حاصل جوابِ ملتمسم از تو چوں رسید — خوش گشت ازاں مکاتبۂ جاں نواز گوش

لیکن روا مدار کہ سقائے خانہ ام — بے آب ماند از پئے جفتِ دراز گوش

ولہ

شاد باش اے بو غا صف شکن دشمن کش — غزدے تیغ زن شیر شکار و سرکش

خضر نامی و ترا چشمۂ حیوان در جام — جام برگیر و رواں چشمۂ حیوان در کش

چوں کشی ناوکِ تیر از پئے قربانِ عدو — دل بدکیش پُر از تیر کنی چوں ترکش

تیر سنجیده بزن بر دلِ سنگین حسود — پس ترازو کن و هم دیدهٔ او را برکش
که مرا بر سرِ مخدوم بخوردی سوگند — که دهی اسپ روان زنظرِ چاکرکش
این خود آن مدح که گفتیم ترا اول بار — شعر گفتم فرسے درنظرم دیگرکش
تو زاقبال کرم نام برآری زکرم — هم سپهدار جهاں گردی و هم لشکرکش

وله

خسروم دیوانهٔ زنجیر مویاں اے عجب — در کشاکش ماندهٔ چوں تیر ترک اندر کماں
گر بگردم گرد روی نیکواں شاید ازانک — گرد بالایم چه گوهر لاغرم چوں لیسماں

وله

نیکواں چوں شوند سرو سخن — پشت شاں وه که دل کباب کنند
آں ندیدی که خلق در سرما — پشت را سوئے آفتاب کنند

وله

مرا سوال کنی هر زماں که خر چه بود؟ — اگر تو مے بخوری نام تو دگر چه بود
اگر شراب خورد کونِ خر بہ بانگ آید — وگر نیاید در بانگ کون خر چه بود
زذوقِ باده صراحی نه آگهست آری — زنقشِ آب بطِ کور را خبر چه بود
ازیں سپس من و سیخِ کباب و مطرب و مے — حریف هر که درآید شراب هر چه بود

وله

آں چیست که خام سبز باشد — در پختگی ست زردیِ روشش

خونش نه رگ وی چو خایه‌ش　　خون از دهنت برون دهد جوشش
هم گفته سخن ز تیزی جوشش　　هم داده خبر ز تیزی گوشش

وله

ای که نظمم مرا بخود بستی　　آب خوش در گلوی بد کردی
زن تو داشتست حمل ز من　　زادهٔ من از آن خود کردی

وله

ای پسر گنج خود ذخیره مکن　　گنج جز کیمیا نخواهد شد
آنچه در پس فگندهٔ پیش آر　　کان همه جز هبا نخواهد شد
این چنین گنج بیکران که تراست
در پس تو رها نخواهد شد

وله

کنده‌ای بس دمال کسان　　دعوی بودش از نه بیت و شعری
چند باشد که بر نهفتا دست　　ریش گاوی بدست کون خری

وله

ای شاعری که بوی دهنت گه سخن　　هرگز نه دگر به سبلت تو تحفه می‌آرد
گر تو ز شعر گندهٔ خود می‌بری مدد　　از تیز خاک بر سوی می‌آرد

زین پس ترا بجز دہ بخواہم فروختن   گر بنگرم کدام خرت باز می خرد

ولہ

مردکی در کسِ زاے میکرد   مثلِ غزنی و تنہاں می گفت
زال را دست بہ پستاں می زد   داستانِ سگ و انباں می گفت

ولہ

کیرِ من پختہ شد زبس جوشش   کہ ز کوں سوے کس گریختمش
آتشش مرد بس کہ خاکستر   زیرِ مو شعر بیز ریختمش
سخت چوں سنگ بود شد مردا   بس کہ مردار سنگ ریختمش
تا نہ بستم ہزار دارو لیش
بہ نشد ورنہ می گسیختمش

ولہ

احمک را ز بسِ شکم رفتن   مرگ ہر لحظہ گرد جاں گردد
گونش از لاغری ہلیلہ شدہ   وز ہلیلہ شکم رواں گردد

ولہ

واسطست از پئے حیاتِ ابد — ایں کتاب از چنیں خجستہ خطاب
در شمردن ز بیتہائے ترشش — ہشت ابر آمدست بریک آب
عَیم یعنی کہ ہشت بار بخواں — تا بیکبار دیدہ ایم صواب
چار صد چل یکیست و ہشت ہزار — ہمہ بیت از جمل کشاد نقاب
۱۴۴۸

ایں شماری ست وضع بندہ نیست
ہیچکس را درو محلِ جواب